قیمت سالانہ پانچ روپے | رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۴۱۵ | قیمت ششماہی عہ فی پرچہ ۸ر

نونہال نوروز نمبر

آنریری ایڈیٹرز:-

حکیم احمد شجاع بی۔ اے (علیگ) — سیّد غلام رسول طاہر جالندھری

ایڈیٹرز:-

محمد اسمٰعیل — عبدالرشید

جلد (۸) فہرست مضامین بابت ۸۔ جنوری ۱۹۲۶ء نمبر (۱)

دلچسپ معلومات

کرسمس کارڈ زمانۂ حال کی ایجاد ہیں۔ پہلا کرسمس کارڈ ۱۸۴۴ء میں انگلستان کے آرٹسٹ ڈابسن نے ایک دیرینہ دوست کو بھیجا تھا۔

انگلستان کے لوگ زلزلوں سے بالکل ناواقف ہیں۔

تار برقی کا سلسلہ ۱۸۳۶ء میں شروع ہوا۔ اور بے تار برقی کے ذریعہ پہلا پیغام ۱۸۹۹ء میں انگلستان اور فرانس کے درمیان بھیجا گیا۔

سمپلن کی ٹنل (سرنگ) دنیا کی تمام سرنگوں سے لمبی ہے۔ اس کی لمبائی ۱۲½ میل ہے۔ اور یہ ایلپس پہاڑ میں واقع ہے۔ یہ اٹلی کو سوئزرلینڈ سے ملاتی ہے۔ دس ہزار آدمی آٹھ سال تک اس پر کام کرتے رہے۔ تب کہیں یہ سرنگ تیار ہوئی۔

دنیا میں یہودیوں کی کل آبادی سوا کروڑ سے زیادہ نہیں ہے جن میں سے نوّے لاکھ کے قریب صرف یورپ میں رہتے ہیں۔

زمانہ قدیم کی مشہور لائبریری سکندریہ میں تھی۔ اس میں ۴ لاکھ نہایت قیمتی کتابیں تھیں۔ جولیس سیزر نے جب اس شہر کو آگ لگادی۔ تو وہ تمام علمی خزانہ بھی نذر آتش ہوگیا۔ موجودہ زمانہ کی سب سے بڑی لائبریری بلومز بری (انگلستان) میں ہے۔ اس میں بیس لاکھ سے زائد کتابیں رکھی جاچکی ہیں۔

آئینہ ۳۲۸ سنہ قبل مسیح کی ایجاد ہے۔ وینس کے لوگوں نے چودھویں صدی میں شیشہ کے آئینہ بنانے شروع کئے۔ مگر انگلستان میں یہ سترھویں صدی میں بنایا گیا۔

محمد افضل

نوروز کا ترانہ

اے نونہال بچّو　اے نیک فال بچّو　باغوں میں جاکے دیکھو　خوشیاں منانے والو
کچھ ہے تمہیں خبر بھی　خوشیاں ہیں آج کیسی　غنچے چٹک رہے ہیں　گل بھی مہک رہے ہیں
گر جانتے نہیں ہو　پہچانتے نہیں ہو　اشجار جھومتے ہیں　پھولوں کو چومتے ہیں

آؤ تمہیں بتائیں　آب رواں ہے جاری
ہاں کان دے کے سُننا　اُٹھتی ہیں ننھّی لہریں
یہ حال سب سُنائیں　ہوتا ہے وجد طاری
ہاں دھیان دیکے سُننا　لہریں ہیں یا ہیں نہریں

نوروز آگیا ہے　دُنیا پہ چھا گیا ہے　شاخیں لچک رہی ہیں　کلیاں مہک رہی ہیں
نوروز کی خوشی میں　طوفانِ بے خودی میں　سبزے کا فرش کیا ہے　قالین بچھ گیا ہے
بچّے جوان بُوڑھے　خوشیوں میں غرق سارے　شبنم کے تار دیکھو　پھولوں کے ہار دیکھو
سب ننھّے پیارے بچّے　ماں کے دلارے بچّے　پھولوں کی ڈالیوں پر　پتوں کی ٹہنیوں پر
دلشاد و شادماں ہیں　آزاد و کامراں ہیں　کیا پنکھ کیا پکھیرو　کرتے سبھی ہیں کو کو
دِل کو لبھا رہے ہیں　خوشیاں منا رہے ہیں　سب چہچہا رہے ہیں　"تانیں اُڑا رہے ہیں"
گلیوں میں گا رہے ہیں　"ہل مل کے گا رہے ہیں"

نوروز کا ترانہ　نوروز کا ترانہ　نوروز کا ترانہ　نوروز کا ترانہ

ہم اور ہمارے مضمون نگار

خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نمبر کے ساتھ نونہال کی آٹھویں جلد شروع ہوتی ہے۔ اور نونہال اپنی زندگی کے ساڑھے تین سال بخیر و خوبی ختم کر چکا ہے۔ اس عرصے میں جو کامیابی اسے اپنے تک ہوئی ہے۔ اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے۔ کہ آج ہندوستان کے گوشے گوشے میں نونہال مقبول ہر خاص و عام ہے۔ اور اسے ہر طبقے اور ہر فرقے میں پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے ہر ایک جگہ اس کے خریدنے اور پڑھنے والے موجود ہیں لیکن ہم چاہتے ہیں کہ نونہال کو اس سے بھی زیادہ کامیابی اور ہر دلعزیزی حاصل ہو اور ملک بھر میں کوئی بچہ بھی نونہال کے مطالعہ سے محروم نہ رہے۔ اس لئے ہمارے معاونین حضرات کو چاہیئے۔ کہ وہ نونہال کی توسیع اشاعت میں بیش از بیش حصہ لیں۔ یہ اُن کا علمی اور ادبی فرض ہے۔ جو نونہال کی طرف سے ان پر عاید ہوتا ہے پس ان تمام نونہالوں کو جو ہندوستان کی آیندہ بہتری اور بہبودی کے علمبردار ہونگے۔ اپنے پیارے نونہال کی یہ خدمت سرانجام دینی چاہیئے اور اس کے مطالعہ سے حظ اُٹھانا چاہیئے۔

نونہال جس مقصد کو لیکر نکلا تھا آجتک وہی مقصد اس کے پیش نظر ہے۔ اور برابر اسی طرح نونہال بچوں کی خدمت کر رہا ہے۔ اور انشاء اللہ اسی طرح کرتا رہیگا۔

چونکہ ہر سال ہم اپنے مضمون نگاروں کو انعام تقسیم کرتے ہیں۔ اس لئے اس سال بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان مضمون نگار اصحاب اور نونہال بچوں کے نام درج کئے جائیں۔ جنہوں نے ۱۹۲۵ء کی جلد ۶ و ۷ میں پانچ یا پانچ سے زیادہ مضامین لکھے ہیں۔ اور جن اصحاب کے سب سے زیادہ مضامین ہوں اُنہیں درجہ وار انعام تقسیم کئے جائیں۔

سید غلام رسول طاہر	۳۷	مولنا محوی صدیقی	۱۹
غلام مصطفےٰ	۳۵	محمد یوسف	۱۸
غلام حسین	۲۵	عبدالرشید ارشد	۱۵

محمد اسمٰعیل نعیم	۱۵	گلشاد	۶
امتیاز الرسول	۹	محمد ابراہیم	۶
ایڈیٹر	۹	نور الھدیٰ	۶
شیام کشور نور	۸	محمد بشیر الدین خردمی	۶
محمد افضل	۷	محمد حسین بیدل	۵
شیخ اسمٰعیل	۶	.	.

ہم ان سب مضمون نگار اصحاب اور نونہال بچوں کے ممنون ہیں۔ اور امید کرتے ہیں۔ کہ آیندہ بھی یہ تمام اصحاب اور بچے مضامین لکھنے میں دلچسپی لینگے۔ چونکہ انعام تین رکھے ہوئے ہیں یعنی اول۔ دوم۔ سوم۔ اس لئے حسب ذیل طریقے پر انعام تقسیم کئے جاتے ہیں۔

درجہ اول یعنی پانچ روپے کا انعام جناب سید غلام رسول صاحب طاہر

درجہ دوم یعنی چار روپے کا انعام جناب سید غلام مصطفےٰ صاحب

درجہ سوم یعنی تین روپے کا انعام جناب غلام حسین صاحب

چونکہ سید غلام رسول صاحب طاہر بطور آنریری اڈیٹر کچھ عرصے سے نونہال کے دفتر میں کام کر رہے ہیں۔ اس لئے وہ اپنا انعام لینا نہیں چاہتے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ انعام نونہال بچوں میں تقسیم کیا جائے۔

جناب غلام حسین پہلے بھی کئی ایک دفعہ انعام حاصل کر چکے ہیں اس لئے ان کا بھی منشا ہے کہ ان کے حصے کا انعام بھی نونہال بچوں میں تقسیم کیا جائے لیکن ہم حیران ہیں کہ بچوں میں بھی کس طرح یہ انعام تقسیم کریں۔ کیونکہ اس سال بہت تھوڑے بچوں نے نونہال میں مضامین لکھے ہیں۔ اس لئے ہم نے بہت کچھ سوچنے کے بعد اس بات کا فیصلہ کیا ہے کہ یہ انعام ان بچوں میں تقسیم کئے جائیں جو نونہال کی خریداری بڑھانے میں حصہ لیں۔ اور نونہال کے لئے خریدار پیدا کریں۔ ہم فی خریدار نونہال بچوں کو آٹھ آنے کی کتابیں بطور انعام دینے کو تیار ہیں پس جس وقت کوئی صاحب کوئی نیا خریدار پیدا کر کے ہمیں اطلاع دینگے ہم فی الفور انہیں انعامی کتابیں بھیج دینگے۔ ہم منتظر ہیں۔ کہ کون کونسے اصحاب یہ علمی خدمت سر انجام دینے میں دل وجان سے حصہ لیتے ہیں۔ اور کون سب سے پہلے انعام حاصل کرتا ہے۔

ایڈیٹر

اِنصاف

(۱)

نونہالو! آج مَیں تمہیں وُہ قصّہ سُناتا ہوں جو تمہارے نونہال بھائی میرے یہاں رات کو سونے سے پہلے سُنا کرتے ہیں۔ انہی کا اصرار ہے۔ کہ مَیں تمہیں بھی وہی کہانیاں سُنایا کروں، جو وُہ سُنا کرتے ہیں۔ اس طرح وُہ چاہتے ہیں کہ تم میں اور ان میں رشتۂ مروّت اور بھی زیادہ قریب اور مضبوط ہو جائے۔

بچّو! مُلک ایران کے پار ایک اور علاقہ ہے اس کو ویلم کہتے ہیں۔ پُرانے زمانہ میں۔ یہاں ایک بادشاہ تھا۔ وہ بڑا طاقتور اور منصف تھا۔ اس کا نام عزالدولہ تھا۔

ایک دن خفیہ پولیس کا ایک سُراغ رسان شہر سے نکل کر کہیں جانا چاہتا تھا۔ شہر کے پھاٹک کے باہر دیکھا کہ ایک آدمی پریشان حال کھڑا ہے۔ اس کے کانوں اور گردن پر تلوار کے زخموں کے نشان ہیں۔ چہرہ زرد پڑ گیا ہے۔ اور بہت لاغر ہے۔ اس نے سراغرسان کو دیکھ کر پُوچھا۔ "کیا آپ کہیں جا رہے ہیں؟"

سراغ رسان نے جواب دیا "ہاں"

اس غریب اور مفلس نے کہا۔ "مَیں یہاں کسی ایسے آدمی کی تلاش میں کھڑا ہوں جو کسی ایسے شہر کو جاتا ہو جہاں کا بادشاہ اور قاضی منصف ہوں۔ تاکہ مَیں بھی اس کے ساتھ ہو لوں اور وہیں جا کر رہنے لگوں۔"

سراغ رسان کو تعجب ہُوا۔ اس نے کہا کہ عزالدولہ جیسے بادشاہ اور قاضی القضاۃ جیسے حاکم سے بڑھ کر اور کون منصف ہو سکتا ہے۔

اس غریب مسافر نے جواب دیا۔ "حضرت! آپ نہیں جانتے کہ یہاں کا قاضی کتنا بڑا خائن ہے۔ اگر بادشاہ منصف ہوتا تو یہ کبھی ممکن ہی نہ تھا۔ کہ یہاں کا قاضی امانت میں خیانت کرتا۔ اگر آپ میرے ساتھ چلیں تو مَیں پُورا قصّہ

بیان کروں۔"

سراغرسان کو تعجب ہوا اور اُس شخص کے ہمراہ چل کھڑا ہوا۔ راستہ میں اُس آدمی نے اپنا حال یوں بیان کرنا شروع کر دیا۔

"میں اس شہر کا باشندہ ہوں۔ میرا باپ بڑا امیر کبیر اور رئیسِ شہر تھا۔ اُس کے مرنے کے بعد میں نے اپنے باپ کی تمام دولت عیش و عشرت میں برباد کر دی۔ جب میں دین و دُنیا سے بے خبر عیش میں اپنے باپ کی دولت لٹا رہا تھا۔ کہ اچانک بیمار ہو گیا۔ اور سخت بیمار ہوا میرے بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ جب میں اپنی زندگی سے بالکل نا امید ہو گیا۔ تو میں نے اپنے دِل میں یہ منت مانی۔ کہ خدایا! اگر تو نے مجھے اس ناپاک مرض سے شفا دی تو میں تیرے پاک گھر یعنی خانہ کعبہ کی زیارت کرونگا۔ اور حج کرنے کے بعد اسلامی لشکروں میں شامل ہو کر کفار سے جہاد کرونگا۔ خداوند تعالےٰ نے میری دُعا قبول کی۔ اور میں رفتہ رفتہ اچھا ہو گیا۔

"جب میں نے غسل صحت کیا۔ تو مجھے اپنا عہد یاد آ گیا۔ اور میں نے اپنا اسباب و غیر ضروری جائداد پچاس ہزار دینار میں فروخت کر ڈالی۔ پہلے تو یہی چاہا کہ سب رقم لیکر حج کے لیے روانہ ہو جاؤں لیکن پھر میں نے اتنی رقم ساتھ لیکر سفر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ تیس ہزار دینار اپنے ساتھ رکھ لئے اور دو تانبے کی ٹھلیاں خریدیں۔ اور ہر ٹھلیا میں دس دس ہزار دینار بھر دِئے۔ اور یہ ٹھلیاں لیکر قاضی القضاۃ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ قاضی صاحب نے بڑی خوشی ظاہر کی۔ میں نے یہ سمجھ کر کہ قاضی سے بڑھ کر اور کون دیانتدار ہو سکتا ہے۔ یہ دونوں ٹھلیاں قاضی صاحب کے یہاں امانت رکھا دیں۔ اور حجاز کو روانہ ہو گیا۔

"میں نے پہلے حج کیا اور وہاں سے شام ہوتا ہوا۔ ایشیا کوچک کو چلا گیا۔ جہاں رومیوں اور مسلمانوں سے جنگ ہو رہی تھی اسلامی فوج ول

ہیں شامل ہوکر مَیں میدانِ جنگ میں پہنچ گیا۔ اس لڑائی میں زخمی ہوگیا۔ اور رومیوں کے ہاتھ گرفتار ہوکر قسطنطنیہ بھیجدیا گیا۔ اور وہاں قید کر دیا گیا۔

یونہی دس سال گزر گئے۔ اتفاق سے رومی شہنشاہ بیمار ہوا۔ اور اُس کے بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ تو منت مانی گئی کہ اگر شہنشاہ کو صحت ہوگئی، تو بہت سے قیدی رہا کر دیے جائینگے۔ رومی شہنشاہ اچھا ہوگیا۔ اس خوشی میں بہت سے قیدیوں کے ساتھ میں رہا ہوگیا۔

ایک مُدّت کے بعد اپنے وطن کو لوٹا۔ میرے پاس ایک پیسہ بھی نہ تھا۔ حالت خراب تھی۔ مجھے اپنی اس حالت سے خود ہی شرم آتی تھی۔ اس لئے مَیں رات کو کسی مسجد کے حجرہ میں پڑکر سو رہتا۔ اور دن کو اِدھر اُدھر سونی سانی جگہ میں مُنہ چھپائے پھرتا رہتا۔ (باقی پھر)

عبدالستار خاں

نغمۂ وطن

(ہندوستانی بچّوں کا مشترکہ گیت)

خزاں بھی ہے تیری بہار اے وطن
تو ہے غیرتِ لالہ زار اے وطن

تو ہے انتخابِ جہاں بے گماں
تو ہے زینتِ روزگار اے وطن

سفر میں بھی رہتا ہے انسان کو
تیرا دھیان لیل و نہار اے وطن

رہیں کیوں نہ ہم بے وطن رات دن
تیرے واسطے بے قرار اے وطن

پسِ مرگ بھی تیری ہی یاد سے
تڑپتا ہوں زیرِ مزار اے وطن

وہ میرے لئے قصر سے کم نہیں
جو ہیں کچھ کھنڈر یادگار اے وطن

چھوڑا لے مجھے قیدِ غربت سے تو
مَیں تیری کشش پہ نثار اے وطن

خُدا سے یہ کرتا ہوں ہر دم دُعا
رہوں تیرا خدمتگزار اے وطن

نونہال نہال

خوشی سے پھول میرے نونہال نیک خصال | بڑی بہار پہ اب نونہال کا ہے جمال
اہا! یہ آج نیا سال ہے مبارک باد | یہی ہے وجہ کہ ہے نونہال کو بھی کمال
وہ آیا ڈاکیہ لایا ہے نونہال ضرور | لپک کے پوچھو کرو آج اس کا استقبال
بڑھی ہوئی ہے کہیں اس میں آج دلچسپی | ہیں نونہال اسے دیکھ کر نہال نہال
اب اس میں دیکھوگے ہر ہفتہ تم بہار نئی | اب اس کو دیکھوگے جدّت سے روز مالا مال
دعائے خیر ہے یارب یہ بار آور ہو | یہ نونہال پھلے پھولے اس کو ہو اقبال

جو پوچھا خیر نے تاریخ سالِ نو اس کی
کہا یہ ہم نے گلستانِ نونہال خیال
۱۳۴۴ ہجری

خیر رحمانی

ہمّت

پیش آئے جو مشکلات کی طغیانی | اہلِ ہمّت کو اور بھی آسانی
تیراک اپنا ہنر دکھاتا ہے خوب | ہوتا ہے جب اس کے سر سے اونچا پانی

حُبِ دُنیا

یہ قول کسی بزرگ کا سچّا ہے | ڈالی سے جدا نہ ہو تو پھل کچّا ہے
چھوڑی نہیں جس نے حُبِ دنیا دل سے | گو ریش سفید ہو مگر بچّا ہے

محمد فرید جعفری

اِنسان کی بھُول

انسان کے جسم کی بناوٹ پر اگر غور کیا جائے، تو اُس میں وُہی اجزا نظر آئیں گے، جو عام طور پر دوسری جاندار مخلوق میں پائے جاتے ہیں۔ آگ، پانی، خاک اور ہوا جس طرح انسان کے جسم کے بنانے میں صرف ہوتے ہیں اسی طرح دوسرے جانداروں کے جسم کی بناوٹ میں بھی ان سے کام لیا گیا ہے۔ اس لئے انسان بھی ایک قسم کا حیوان ہے۔ لیکن خُدا نے انسان کو کچھ ایسی نعمتیں بھی عطا کی ہیں، جو دوسرے حیوانوں کو نہیں ملیں۔ اس لئے اس کو دوسرے جانداروں پر فضیلت ہے۔ اور وہ اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔

بولنے کی طاقت، عقل اور سمجھ انسان کے خاص جوہر ہیں۔ اگرچہ چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے جانوروں میں بھی ان کی حیثیت کے مطابق عقل اور سمجھ موجود ہے۔ وُہ بھی انسان کی طرح دیکھتے اور سُنتے ہیں۔ لیکن خدا نے انسان کو یہ سب چیزیں خاص طور پر بخشی ہیں۔ اور وہ اپنی عقل اور تدبیر سے خُدا کی پیدا کی ہُوئی مخلوق پر حکمرانی کرتا ہے۔

جب اللہ تعالےٰ نے انسان کا پتلا بنایا۔ اور اس میں رُوح پھُونکی۔ تو فرشتوں نے عرض کیا۔ کہ "اے سب کے پیدا کرنے والے! انسان کے پیدا کرنے میں کیا مصلحت ہے۔ جس کی وجہ سے زمین پر فساد پیدا ہونے کا ڈر ہے؟" حکم ہُوا کہ "تم اس بھید کو نہیں جانتے تمہاری عقل میں یہ بات نہیں آسکتی۔ تم اپنا کام کرو تُم کو اس سے کیا غرض۔"

یہ سُنکر فرشتوں نے سر جھکا لیا مگر شیطان نے خُدا کے حکم کی تعمیل نہ کی۔ اور وہ باغی و سرکش

قرار پایا۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے انسان کو جہاں
اور طرح طرح کی نعمتیں عطا کی تھیں، وہاں
اس کو فرشتوں سے سجدہ کرا کے اس کی عزّت
اور بڑھائی۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے
کہ انسان کا مرتبہ کتنا بڑا ہے۔

انسان کی عزّت اور اس کا مرتبہ معلوم
ہوگیا۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ خود انسان اپنے
رُتبہ سے کہاں تک واقف ہے؟

انسان کو چاہیئے تھا کہ اپنے رُتبہ کو
سمجھتا اور خُدا کی دی ہُوئی نعمتوں کی قدر کرتا
لیکن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ وہ جِس قدر عقلمند، اور
سمجھ دار ہے، اسی قدر اپنی عزّت اور مرتبہ
سے بے خبر ہے۔ عقل اور علم اس کو اِس لئے
دِیئے گئے تھے۔ کہ وُہ اچھّے بُرے میں تمیز کر سکے۔
نیک کاموں کو کرے۔ اور بدی سے علیحدہ
رہے۔ مگر یہ عقل اور علم کا پُتلا سیدھے راستہ
سے بھٹک کر جہالت اور نادانی کے راستہ پر
ہولیا۔ اور اپنی محدود عقل اور سمجھ کے بھروسہ پر
اپنے پیدا کیئے جانے کا مقصد بھُول گیا۔

جب تک انسان کی عقل نئی نئی تدبیریں
سوچتی رہتی ہے۔ اور اس کے کام اس کی مرضی
کے مطابق پُورے ہوتے رہتے ہیں۔ اس کو
اس بات کا بالکل خیال نہیں ہوتا کہ وُہ دُنیا
میں کس واسطے بھیجا گیا ہے۔ اور اس کو کیا کرنا
چاہیئے لیکن جب خدائے تعالےٰ انسان
کو اس کی عاجزی دکھانا چاہتا ہے تو خود بخود
ایسے سامان پیدا ہو جاتے ہیں کہ اس کی ساری
تدبیروں پر پانی پھر جاتا ہے۔ اور اس کی
ہر ایک کوشش بیکار ہو جاتی ہے۔ اس
وقت وُہ غفلت کی نیند سے ہوشیار ہوتا
ہے۔ اور اپنی کمزوری کو سمجھتا ہے لیکن بجائے
خُدا کا شکر ادا کرنے کے کبھی اپنی قسمت کی
شکایت کرتا ہے کبھی عزیزوں اور دوستوں
کی بے پروائی کا گلہ کرتا ہے۔ اور اس طرح

ہمیشہ رنج و غم میں مبتلا رہتا ہے۔

لیکن اگر ذرا غور و فکر سے کام لیا جائے تو معلوم ہو جائیگا۔ کہ انسان کو دُنیا کی کوئی چیز اور کوئی ہستی دھوکا نہیں دیتی، بلکہ صرف اس کی آرزوئیں اس کو دھوکا دیتی ہیں۔ انسان بہت لالچی واقع ہوا ہے۔ اس کے دِل میں رات دِن نئی نئی خواہشیں اور آرزوئیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ اور وُہ چاہتا ہے۔ کہ اس کی ہر ایک خواہش اور ہر ایک تمنّا اس کی مرضی کے موافق پُوری ہوتی رہے۔ لیکن ایسا ہونا ممکن نہیں۔ دُنیا میں رنج اور غم کا ساتھ ہے کبھی خوشی ہوتی ہے کبھی غم۔ کبھی کامیابی ہوتی ہے۔ کبھی ناکامی۔ دُنیا کی زندگی میں اس کے بغیر چارہ نہیں۔ اور کسی کی حالت ہمیشہ ایک سی نہیں رہ سکتی۔

اگر انسان صرف جائز آرزوؤں کو اپنے دل میں جگہ دے۔ اور ان کو پورا کرنے کے لئے مناسب اور جائز طریقہ سے کوشش کر کے خُدا پر بھروسہ رکھے۔ تو اس کو پھر کسی کی شکایت کرنے کا موقع نہ ملے۔ انسان کا کام تو صرف کوشش کرنا ہے۔ اور نتیجہ خُدا کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جیسا مناسب اور بہتر سمجھتا ہے ویسا کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ انسان کو دُنیا کی کوئی چیز دھوکا نہیں دیتی۔ بلکہ صرف اس کی بے جا آرزوئیں اُس کو فریب دیتی ہیں۔ اگر وہ اس بات کو سمجھ لے، تو پھر دُنیا میں اطمینان کی زندگی بسر کر سکے۔ اور عقبےٰ میں بھی آرام پائے۔

راز چاندپوری

نوٹ:۔ اس سے پیشتر بھی کئی بار لکھا جا چکا ہے۔ اور اب پھر التماس ہے۔ کہ خط و کتابت کرتے وقت نام اور پتہ صاف لکھا کریں۔ "مینجر"

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فیاضیاں

(۱)

راجہ سوچیت سنگھ ایک دن مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں ایک نہایت قیمتی کنٹھا پہن کر آئے۔ شیرِ پنجاب یہ کنٹھا دیکھ کر نہایت خوش ہوئے۔ جب دوسرے دن دربار منعقد ہوا۔ اور راجہ صاحب بھی دربار میں تشریف لائے۔ تو ان کے گلے میں وہ کنٹھا نہ تھا۔ مہاراج نے پوچھا "کہو راجہ سوچیت سنگھ وہ کل والا کنٹھا کہاں گیا" راجہ صاحب نے دست بستہ عرض کی۔ کہ "جہاں پناہ جس جوہری سے وہ کنٹھا لیا ہے۔ وہ اس کی قیمت اسّی ہزار روپے مانگتا ہے۔ اور میں ساٹھ ہزار دیتا ہوں۔ ابھی تک قیمت کا کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ اس کنٹھے کی زیادہ قیمت سُنکر میں نے اس جوہری کو واپس پھیر دیا۔" مہاراجہ صاحب نہایت سنجیدگی سے بولے۔ کہ "راجہ صاحب کوئی چیز لیکر واپس نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ راجاؤں کی شایانِ شان نہیں۔"

اتنا کہکر آپ نے بیلی رام خزانچی کو حکم دیا کہ "جاؤ راجہ صاحب کو خزانے سے اسّی ہزار روپیہ دیدو۔ تاکہ یہ کنٹھا خرید لیں" خزانچی نے اسی وقت حکم کی تعمیل کی۔ اور راجہ سوچیت سنگھ نے وہ کنٹھا خرید کر اپنے گلے میں پہن لیا۔

(۲)

ایک دفعہ مہاراجہ صاحب نے فقیر سیّد عزیزالدین سے جو دربار شاہی میں ایک معزز عہدے پر ممتاز تھے۔ پوچھا کہ "آپ کیا چیز پینا پسند کرتے ہیں" فقیر صاحب نے جواب دیا۔ کہ "عالیجاہ مجھے تو صرف دودھ ہی

پسند ہے۔ اور اسے میں رغبت سے پیتا ہوں۔" مہاراجہ صاحب نے اسی وقت حکم دیا کہ "فقیر صاحب کو دو سو گائیں اور تین ہزار ایکڑ زمین چراگاہ کے لئے بطور انعام دیدی جائے"

یہ تھی مہاراجہ صاحب کی فیاضی کی اعلےٰ مثال۔ حالانکہ فقیر صاحب جیسے ذی ثروت آدمی کے پاس پہلے ہی کئی گائیں اور بھینسیں موجود تھیں۔

(۳)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مہاراجہ صاحب ایک میراسی کے لطائف وظرائف سُنکر از حد خوش ہوئے۔ اور اسے انعام میں ایک ہاتھی دیدیا۔ میراسی پہلے تو خوشی خوشی ہاتھی کو گھر لے گیا۔ لیکن جب اس کے لئے چارہ وغیرہ کی ضرورت محسوس ہُوئی۔ تو بہت گھبرایا۔ اس نے لاچار ہوکر ہاتھی کے گلے میں ایک ڈھولک باندھ دی۔ اور اُسے بازار میں چھوڑ دیا۔ ہاتھی جھومتا جھامتا بازار میں سے گزر رہا تھا۔ جس وقت اس کے چھاج سے کان ہلتے، تو ڈھولک خود بخود بجنے لگتی۔ لوگوں کو یہ ایک عجیب وغریب تماشہ جو نظر آیا۔ تو بازار کے بہت سے لوگ ہاتھی کے پیچھے ہولئے۔ ہاتھی سیدھا محل سرائے کی ڈیوڑھی پر پُہنچا۔

مہاراجہ صاحب اس وقت بالاخانہ میں بیٹھے ہُوئے تھے۔ اُنہوں نے جو شوروغل سُنا تو گھبراکر نیچے دیکھنے لگے۔ کیا دیکھتے ہیں، کہ کل جو ہاتھی میراسی کو انعام میں دیا گیا تھا۔ وُہ ڈیوڑھی پر کھڑا ہے۔ اور اس کے گلے میں ڈھولک لٹک رہی ہے۔ مہاراجہ صاحب نے اس میراسی کو بُلایا۔ اور پُوچھا۔ کہ "تم نے یہ کیا سوانگ بنا رکھا ہے۔"

میراسی نے ہاتھ جوڑکر عرض کی "جہاں پناہ ہمیں اپنے کھانے کے لئے تو روٹی ملتی نہیں اس ہاتھی کو کہاں سے کھلائیں۔ مجبور ہوکر

اس کے گلے میں ڈھولک باندھ دی۔ کہ جا بھئی جو کام ہم کرتے ہیں، تو بھی وہی کر۔ مانگ اور اپنا پیٹ پال۔"

مہاراجہ صاحب میراسی کی گفتگو سنکر بہت ہنسے۔ ہاتھی اسی وقت فیل خانے میں بھجوا دیا گیا۔ اور اس پر میراسی کو بے شمار روپیہ انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔

سوڈھی جگت سنگھ

نصیحت کی باتیں

اپنے دل کی ہر ایک بات دوست سے نہ کہہ۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ کسی روز تیرا دشمن بن جائے۔

جہانتک ہو سکے دشمن کو دکھ اور تکلیف نہ دے۔ شاید کہ وہ کسی دن تیرا دوست بن جائے۔

عبد الغفور

قلم

(اپنی زبان سے)

آؤ تم کو بتاؤں کیا ہوں میں
دین و دنیا کا مدعا ہوں میں
تم حقیقت کو میری کیا جانو
کاتبِ لوحِ کبریا ہوں میں
تابعِ حکمِ ربِ اکبر ہوں
حاکمِ ارض و دوسرا ہوں میں
جن و انساں ہیں سب میرے تابع
ان کی تقدیر لکھ چکا ہوں میں
ساتوں افلاک پر ہے میرا حکم
اور زمین کا بھی بادشاہ ہوں میں
کچھ بھی مجھ سے نہیں ہے پوشیدہ
واقفِ حالِ دوسرا ہوں میں
میرا جس نے پکڑ لیا دامن
اُس کی کشتی کا ناخدا ہوں میں
عجز کا دے رہا ہوں سب کو سبق
سر کے بل راہ چل رہا ہوں میں

رحم

(ماخوذ از شیکسپیر)

رحم ہے بارش کا قطرہ لطفِ یزداں[51] کا نشاں
جب وہ گرتا ہے زمینِ مردہ کو دیتا ہے جاں

رحم ہے شانِ کریمی پر تَوِ[52] نورِ خُدا
سارا[53] عالم دیکھ لو مورد ہے اس کے لطف کا

رحم جس پر کرتے ہیں اس کو تو ہے راحت نصیب
رحم کرنے والے کو ہے فرحت و برکت نصیب

مُلک لے سکتے ہیں ہم بندوق سے تلوار سے
کشورِ[54] دل فتح ہوگا لطف سے اور پیار سے

اس میں وہ طاقت ہے جو بازوئے رستم میں نہ تھی
قادرِ مطلق کی ہے اعلیٰ ترین طاقت یہی

دیکھ لو کشور کشائی[55] خنجرِ چنگیز کی
گولہ باری کرتے دیکھی بیٹری انگریز کی

دنیوی طاقت ہے اس میں لیک وہ جادو کہاں
رحم جس کے زور سے کرتا ہے تسخیرِ جہاں

رحم اِک شبنم کا قطرہ ہے گلِ انصاف پر
ہے[56] گلوے شاہدِ انصاف میں عقدِ گہر

رحم ہے ایثارِ نفسِ[57] خویش۔ اس پر غور ہو
یہ نہیں ہو رحم اس پر اور اُس پر جور ہو

رحم اور انصاف ضدِ[58] یکدگر ہوتے نہیں
دِل میں کیا دونو بہم شیر و شکر ہوتے نہیں ؟

رحم کر گر رحمتِ حق کا ہے تو امیدوار
باغِ عالم میں لگانا جا شجر اِک بار دار

میر ولی اللہ

---

۵۱ خدا کی مہربانی ۵۲ عکس. سایہ ۵۳ ساری دنیا پر خدا کی مہربانی ہے۔ ۵۴ مُلک ۵۵ فتحمندی ۵۶ اگر انصاف ایک خوبصورت معشوق ہے تو رحم اُس کے گلے میں موتیوں کی مالا ہے۔ ۵۷ اپنی قربانی ۵۸ ایک دوسرے کا اُلٹ۔

فضیلت علم

لاکھ انساں فکرِ عیش و دولت و ثروت کرے
بے نتیجہ ہے اگر تعلیم سے غفلت کرے
علم سے صحرا نشیں بنتا ہے اُستادِ جہاں
علم وُہ اکسیر ہے جو قلب ماہیّت کرے
آدمیّت علم ہے اقبال و دولت علم ہے
مختصر یہ ہے حیاتِ قوم و ملّت علم ہے

غلام بھیک نیرنگ

کچھ سیکھو

وُہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو
اُٹھو تہذیب سیکھو صنعتیں سیکھو۔ ہنر سیکھو
بڑھاؤ تجربے اطرافِ دُنیا میں سفر سیکھو
خواصِ خشک و تر سیکھو علوم بحر و بر سیکھو
خدا کے واسطے اے نوجوانو ہوش میں آؤ
دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو ہوش میں آؤ

لسان العصر حضرت اکبر مرحوم

بڑھے چلو

ہمّت ہو جن کے پاس کریں صبر کس طرح
اس رہگذر میں کھود لیں وُہ قبر کس طرح
ہو طبعِ آتشیں پہ روا جبر کس طرح
اُٹھیں نہ ابخرے تو بنے ابر کس طرح
جوں دودِ آب اُٹھ کے میری جاں بڑھے چلو

خواجہ دل محمد ایم۔ اے

میرا وطن

چشتی نے جس زمیں میں پیغامِ حق سُنایا
نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا
تاتاریوں کو جس نے اپنا وطن بنایا
جس نے حجازیوں سے دشتِ عرب چھڑایا
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

سر شیخ محمد اقبال ایم۔ اے

نونہال

(ایک نونہال بچے کی زبان سے)

اے نونہال اے میرے محبوبِ باوفا آ مجھ کو عقل وعلم کا تو راستہ بتا
آ جلد میرے پاس تو آ جا شتاب آ آ دل میں دوں جگہ تجھے آنکھوں پہ لوں بٹھا
سب اپنے رنج وفکر کو دل سے بُھلاؤنگا
اور مَیں تیری کہانیاں سب کو سُناؤنگا

ہم جانتے ہیں سب تیری شیریں زبانیاں دل سے نہ ہونگی محو یہ جادو بیانیاں
ہم پہ بہت بڑی ہیں تیری مہربانیاں ہم پڑھتے ہیں سدا تیری علمی کہانیاں
تونے ہمیں جہان میں دلشاد کر دیا
سینہ ہمارا علم سے آباد کر دیا

بزمِ ادب میں تونے نئے گل کھلا دئے ہر سمت تُونے علم کے دریا بہا دیے
بُھولے ہُوئے تھے راہ پہ تُونے لگا دئے بچّوں پہ گنجِ علم کے موتی لُٹا دیے
شہرت ہے شرق وغرب میں تیرے ہی نام کی
چرچے تیرے زباں پہ ہیں ہر خاص وعام کی

تو معنیٔ علوم کی سچّی کتاب ہے اُردو زباں پہ فیض تیرا بے حساب ہے
وُہ بد شعور ہے جو سمجھتا حباب ہے کشتِ ادب کے واسطے تُو اک سحاب ہے

مضموں نگار تیرے ہزاروں ادیب ہیں
پڑھتے نہیں ہیں جو تجھے وہ بے نصیب ہیں

یارب عزیز ملک میں یہ نونہال ہو — ہو صاحبِ کمال سدا باکمال ہو
پھولے پھلے جہان میں اور لازوال ہو — دشمن ذلیل و خوار عدو پائمال ہو

باغِ جہاں میں دھوم مچے نونہال کی
دُنیا میں ہو مثال نہ اس بے مثال کی

اے پڑھنے والو تم کو مسرت نصیب ہو — دُنیا میں ہر جگہ تمہیں عزّت نصیب ہو
چھوٹے بڑے ہر ایک کی اُلفت نصیب ہو — اور اپنے اہلِ مُلک کی خدمت نصیب ہو

دِل شاد والدین کا ہو دیکھ کر تمہیں
طاؔہر بھی آفریں کہے دیکھے اگر تمہیں

طاؔہر

مہمان نوازی

دُنیا میں مہمان نوازی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ یہی ایک ایسی چیز ہے۔ جو انسان کے مرجانے کے بعد بھی زندہ رہتی ہے۔ اور مہمان نوازی کرنے والے کی شہرت میں چار چاند لگا دیتی ہے۔ حاتم کو مرے ہُوئے ایک ہزار برس سے زیادہ عرصہ ہوگیا۔ مگر اُس کی مہمان نوازی کے قصّے آج بھی اُسی طرح زندہ اور تازہ ہیں۔ جس طرح وہ ایکہزار برس پہلے تھے۔

عرب جو پیغمبرِ خدا سے پہلے ایک جاہل

اور وحشی مُلک تھا۔ اور جہاں لوٹ، مار قتل و غارت اور اپنی بچّیوں کو زندہ دفن کر دینا ایک معمولی بات بن گئی تھی۔ اور جس کے رہنے والوں میں نہ کسی کو کسی کے ساتھ ہمدردی تھی، نہ مُروّت، شفقت تھی نہ محبّت، وُہی لوگ حضرت پیغمبرؐ صاحب کے دُنیا میں تشریف لانے کے بعد ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن گئے اور اُنھوں نے تمام دُنیا کو تہذیب و علم کا سبق پڑھایا۔ ہمدردی و مہمان نوازی کا تو یہ عالم ہوگیا۔ کہ آج بھی دُنیا میں مہمان نوازی صرف انہیں کا حصّہ مانا جاتا ہے۔ چونکہ یہ مضمون مہمان نوازی کے متعلق ہے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ عرب کے اس زمانہ کی مہمان نوازی کا ایک تازہ قصّہ لکھوں۔ جو مَیں نے ابھی حال ہی میں ایک حاجی صاحب سے سُنا ہے۔ وُہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ کے زمانے میں جب ہم لوگ حج کرنے کے لئے مکّہ شریف گئے۔ اور وہاں سے فارغ ہونے کے بعد مدینے شریف پُہنچے۔ تو وہاں جنگ کی وجہ سے بے انتہا گرانی پھیلی ہُوئی تھی۔ اور چونکہ اس زمانے میں شریفِ مکّہ کا جھگڑا پڑا ہُوا تھا۔ اس لئے تمام حاجی مدینے نہ آسکتے تھے،

اس لئے مدینہ منوّرہ میں مکانوں کا کرایہ بہت بڑھ گیا تھا۔ ہم لوگ جو مکان لے کر ٹھہرے، اس کا کرایہ اٹھارہ روپے تھا۔ اور اس مکان کا مالک ایک نوجوان لڑکا تھا۔ جس کی عمر بمشکل ۱۹ سال کی ہوگی۔ یہ جنگی کے محکمہ میں ملازم تھا۔ اور روزانہ ۱۲؍۔ ساڑھے بارہ آنے پاتا تھا۔ لیکن اس زمانے میں یہ ساڑھے بارہ آنے صرف ایک ہی آدمی کے لئے کافی ہو سکتے تھے۔ مگر اس غریب کے ذمہ اس کی بیوہ بہن، نانی اور بہن کے دو بچّوں کی پرورش بھی شامل تھی۔ چونکہ اس زمانے میں مدینے کے بہت سے مکانات خالی پڑے

ہوتے تھے۔ اس لئے میرے ایک دوست نے ایک دن مجھ سے کہا۔ کہ تم وہاں کرایہ فضول دے رہے ہو۔ یہیں میرے مکان میں اُٹھ آؤ۔ میرے پاس بھی خرچ کم ہو چلا تھا۔ میں نے ان کے مشورہ کو مان لیا۔ اور خیال کیا کہ مہینہ ختم ہو جانے کے بعد ایک مہینہ کا کرایہ دیکر ان کے مکان میں اُٹھ جاؤنگا۔

جب وُہ مہینہ ختم ہوگیا تو میں نے لڑکے کو بُلا کر ایک مہینے کا کرایہ دیا اور کہا کہ کل میں یہاں سے اُٹھ کر فلاں جگہ چلا جاؤنگا۔ اتنا کہنا تھا کہ اس لڑکے کا چہرہ زرد ہوگیا۔ اور وہ بغیر کچھ کہے ہُوئے گھر چلا گیا، تھوڑی دیر میں اس کے گھر میں عورتوں کے رونے کی آواز آنے لگی۔ اور ایک چھوٹا لڑکا وہ کرایہ جو میں نے مکان کا ادا کیا تھا۔ کمرے میں ڈالکر چلا گیا اس لڑکے کی ماں نے آکر کہا۔ کہ ہم لوگ مرجانا پسند کرتے ہیں۔ لیکن یہ کسی طرح گوارا نہیں کر سکتے۔ کہ آپ لوگ یہاں سے اُٹھ کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں۔ چنانچہ نہ اُنہوں نے کرایہ لیا۔ اور نہ ہم لوگوں کو وہاں سے جانے دیا۔ یہی نہیں بلکہ جب لوگ باہر ہوتے تھے تو اُن کی عورتیں ہمارے گھر میں آکر جھاڑو وغیرہ دے جایا کرتی تھیں۔ اور کھانا وغیرہ بھی پکا دیا کرتی تھیں۔

شیام کشور نور

لطیفہ

ایک میراسی نے کسی امیر کے سامنے دست سوال دراز کیا۔ امیر کے مُنہ پر بال بکثرت تھے۔ اور ناک بمشکل دکھائی دیتا تھا۔ مُنہ بھی بالوں ہی سے گھرا ہُوا تھا۔ امیر نے کوئی جھڑک بتائی میراسی بھی بلا کا حاضر جواب تھا۔ بول اُٹھا بس حجمان ننگ مت ہو۔ میں بھی یہی دیکھنا چاہتا تھا۔ کہ آپ بولتے کہاں سے ہیں۔

طوطے

کونسا ایسا بچہ ہوگا، جو طوطے کے نام سے واقف نہ ہو بعض لوگوں نے اپنے بچوں کے دل بہلانے کے لئے گھروں میں طوطے پال رکھے ہیں۔ اور انہیں آوازوں کی نقل کرنا سکھاتے ہیں۔ طوطے بھی آوازوں کو خوب پہچانتے ہیں۔ اور انہیں جو کچھ سکھاؤ آسانی سے سیکھ جاتے ہیں۔

باغوں میں، کھیتوں میں فصل پکنے کے موقع پر کبھی باہر جاکر دیکھو۔ تو ان کے گروہ کے گروہ آپ کو نظر آئینگے۔ چونکہ ان کے پروں کا رنگ سبز ہوتا ہے۔ اس لئے بیٹھے ہوئے نظر نہیں آتے۔ مگر ذرا تالی بجاؤ۔ تو ٹیں ٹیں کرتے ہوئے ان کے جھلڑ کے جھلڑ اڑتے ہوئے دکھائی دینگے۔ جتنا کھاتے ہیں۔ اس سے زیادہ کتر کتر کر کھیتوں کا نقصان کرتے ہیں۔ کچے پکے پھل کتر کتر کر زمین پر ڈھیر لگا دیتے ہیں اگر کھیتوں کی اچھی طرح رکھوالی نہ کیجائے تو فصل کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔

مولنا وحید الدین سلیم صاحب نے جو نظم طوطے پر لکھی ہے۔ ان میں انہی باتوں کو نظم کیا گیا ہے۔ اور یہ نظم . . . . بڑی حد تک قابل تعریف ہے۔ امید ہے کہ نونہال بچے اسے چٹخارے لے لے کر پڑھیں گے۔ (آنریری ایڈیٹر)

پیپل کے ہر درخت پہ طوطوں کے ہیں پرے
چونچیں ہیں لال لال بدن ہیں ہرے ہرے

پیپل کا جو درخت مرے گھر میں ہے کھڑا
وہ آس پاس کے ہے درختوں سے کچھ بڑا

آتی نظر ہے اس پہ بھی طوطوں کی انجمن
پھرتے ہیں ڈال ڈال وہ ہو کر بہت مگن

پہلے تو وہ ہوا میں ذرا تھرتھراتے ہیں
پھیلا کے پھر دموں کو وہ بازو ہلاتے ہیں

کس کس مزے سے بیٹھے ہوئے پھل ہیں کھا رہے
پیپل کی ٹہنیوں پہ ہیں ٹیں ٹیں مچا رہے

چھوٹے پھلوں کو پھینکتے ہیں وہ کتر کتر
مینہ سا برس رہا ہے زمیں پر پٹر پٹر

پتے بھی ہیں ہرے ہرے طوطے بھی ہیں ہرے
دونوں میں پھر تمیز کوئی کس طرح کرے

تالی بجاؤ تم تو اڑیں گے وہ ایک بار
لمبی دمیں ہلا کے دکھائیں گے وہ بہار

یوں تو کتر کتر کے وہ سب کچھ اڑاتے ہیں
خربوزے اور گنے مگر ان کو بھاتے ہیں

گر گوپیے کی ان پہ نہ پڑتی رہے لتاڑ
تو ساری کھیتیاں یہ کسانوں کی دیں اجاڑ

اشوک کا شہزادہ

راجہ اشوک جو بدھ مت کا سب سے بڑا راجہ گزرا ہے۔ اس نے اپنے ولیعہد کو قندھار کا گورنر بنا کر بھیجا۔ تو اس کی سوتیلی ماں نے جو مہاراجہ اشوک کی چہیتی رانی تھی۔ قندھار کے وزیروں کے نام مہاراجہ کی طرف سے ایک بناوٹی فرمان بھیجدیا۔ کہ اس حکم کے دیکھتے ہی ولیعہد کو اندھا کر کے معزول کر دو۔"

وزیر اس فرمان کو دیکھ کر حیران ہو گئے۔ مگر ولیعہد کو جو خبر ہوئی، تو اُس نے خود اُن سے کہا۔ "تم کو مہاراجہ کے حکم کی بے تامل تعمیل کرنی چاہئے۔"

آخر اس جوانمرد شہزادہ نے خود اپنی آنکھیں نکلوا کر حکومت چھوڑ دی۔ اور سادھو بنکر دیس بدیس پھرنا اختیار کر لیا۔ کچھ مدت کے بعد یہ ستار بجاتا اور بدھ مذہب کا وعظ کرتا ہوا پاٹلی پتر بھی جا پہنچا جسے اب پٹنہ کہتے ہیں۔ اور جو اُس وقت اشوک کی راجدہانی تھا۔ اس کے اچھے بھجن گانے اور ستار بجانے کی شہرت سُنکر راجہ اشوک نے بھی اپنے دربار میں بُلایا۔ مگر وہ اس کی صورت دیکھتے ہی پہچان کر حیران رہ گیا۔ اور اس کی یہ حالت دیکھ کر غُصّے سے لال پیلا ہو گیا کیونکہ اُسے اس ساری کارروائی کی کوئی خبر نہ تھی۔

اشوک نے اسی وقت غُصّے میں مہارانی کو بُلا کر ولی عہد کے حوالے کر دیا۔ اور کہا۔ کہ "تم جس طرح چاہو۔ اس سے اپنا بدلہ لے لو۔" مگر نیکدل لڑکے نے عرض کیا۔ "مہاراج! ہم سب لوگ گنہگار ہیں۔ اور بدلہ لینے کی جگہ بخش دینے ہی میں بڑی خوبی ہے۔ مہارانی نے میری ظاہری آنکھیں نکلوائیں، تو خُدا نے مجھے باطنی آنکھیں بخش دیں۔ جو میرے لئے بہت اچھا بدلہ ہے اس لئے مَیں تو اسے بخشتا ہوں۔ آپ بھی معاف فرمائیں۔"

جمعیت رائے

یعقوب لیث اور اُس کی دُلہن

یعقوب ایک مشہور، نامور، بہادر سردار مسلمانوں میں گزرا ہے۔ اس کا ایک قصّہ نونہال کے پڑھنے والے بچّوں کو ہم پہلے سُنا چکے ہیں۔ اور ایک آج سُنانے ہیں۔ یہ ایک معمولی درجے کا آدمی اور قوم کا ٹھٹھیرا تھا۔ مگر جوان ہوکر اُس نے وُہ بہادری کے کام کئے کہ بادشاہ ہو گیا جب یہ جوان ہُوا تو اس کے خاندان کے ایک بزرگ نے کہا۔ میاں یعقوب، اب تم ماشاءاللہ جوان ہو۔ اس زمانے میں آدمی نفسانی خواہشوں میں چور ہوتا ہے۔ اور جوانی کے نشہ میں وہ کام کر بیٹھتا ہے جو مناسب نہیں۔ مَیں چاہتا ہوں کہ کسی شریف خاندان کی لڑکی سے تمہارا بیاہ کر دوں۔ اور اس فرض سے نجات پاؤں۔ تم صرف اتنا کرو کہ مہر کے روپے کا انتظام کر لو۔

یعقوب شروع ہی سے بلند خیال، دُور اندیش اور باہمّت آدمی تھا۔ اس کا دِل کب گوارا کر سکتا تھا کہ معمولی دُنیاداروں اور کم ہمّت لوگوں کی طرح زندگی بسر کرے۔ اور تنگدستی میں بیوی بچّوں کے بکھیڑے میں پڑ کر اپنی زندگی کو تباہ کرے۔ اُس نے مُسکرا کر جواب دِیا۔" جناب، مَیں آپ کی اس بزرگانہ شفقت کا شکر گزار ہوں۔ لیکن آپ فکر نہ کیجئے۔ میں نے اپنے لئے جو دُلہن پسند کی ہے۔ اُس کا مہر وغیرہ سب تیار ہے۔"

بُزرگ نے کہا۔ میرے سامنے تو لاؤ۔ دیکھوں وہ کیا مہر ہے۔ اور یہ بھی بتاؤ کہ وُہ دُلہن کون اور کس خاندان کی ہے۔

یعقوب اُٹھ کر اپنے گھر میں آیا۔ اور ایک تلوار لیکر باہر گیا۔ تلوار کو میان سے کھینچ کر بُزرگ سے کہا۔" جس دُلہن کو میں بیاہ کر کے لانا چاہتا ہوں۔ اُس کا مہر یہ جوہردار تیز تلوار

ہے۔ جو لوہے کی زرہ تک کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والی ہے۔ اور وہ دُلہن ممالک مشرق و مغرب ہیں۔ جسے میں اپنے بیاہ میں لانا چاہتا ہوں۔

تنگ خیال بُڈھا کیا کہتا۔ خاموش ہو رہا۔ لیکن یعقوب کمر ہمّت باندھ کر اپنی تلوار کے جوہر دکھاتا رہا۔ آخر ایک روز اپنے مقصد کو پہنچا۔

بچّو! ہمّت ہی دُنیا میں ایک ایسی چیز ہے۔ جو ہر مُراد پوری کر سکتی ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ کبھی ہمّت نہ ہارے۔ کیونکہ اس طرح اس کی ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔

محوی صدیقی

لطائف و ظرائف

(۱)

ایک شخص دوپہر کے وقت اپنے دوست سے ملنے گیا۔ بہت دیر تک بات چیت کرتا رہا آخر جب وہ کسی کام کی وجہ سے باہر گیا تو تنگ آکر اُس نے اس کے لڑکے سے پُوچھا۔

مہمان ”تم اپنا کھانا کس وقت کھاتے ہو؟“

لڑکا۔ روز مرّہ تو ہم بارہ بجے کھانا کھاتے ہیں۔ لیکن جس وقت کوئی مہمان آجائے۔ اس وقت اُس کے جانے کے بعد کھاتے ہیں۔“

(۲)

احمد ”کیا کل تم محمود سے یہ کہہ رہے تھے کہ میں بیوقوف ہوں“

حمید ”کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یہ تو اُسے پہلے ہی سے معلوم ہے۔“

(۳)

اُستاد ”تم آج مدرسے کیوں دیر سے آئے؟“

شاگرد ”میرے باپ کو گھر میں میری ضرورت تھی“

اُستاد ”کیا تمہاری بجائے کوئی اور اس کام کو نہیں کر سکتا تھا؟“

شاگرد ”نہیں کیونکہ میرا باپ مجھے سزا دے رہا تھا“

بچّوں کو نیا سال مُبارک!

پُرانا گیا اور نیا سال آیا — مُبارک ہو تُم کو نیا سال بچّو!
جواب ہاتھ میں ہے کرو فکر اس کی — گیا ہاتھ سے، جو گیا سال بچّو!

دکھائے خدا سال تم کو بہت سے — یونہی سال پر سال آتا رہے گا
وُہ جاتا رہے گا پُرانا جو ہوگا — نیا سال ہر سال آتا رہے گا

پُرانا اگر سال غفلت میں گُزرا — گزارو نیا سال ہُشیار ہو کر
جو پچھلے برس میں کمی رہ گئی ہے — کرو اس کو پُورا خبردار ہو کر

نیا سال ہو جائیگا جب پُرانا — تو ساماں کریگا وُہ اپنے سفر کے
کئے ہونگے تم نے اگر کام اچھّے — وُہ خوش جائیگا تم کو دلشاد کر کے
کیا ہوگا ضائع اگر تم نے اس کو — تو غُصّے کی صورت دکھائیگا تم کو
وُہ خود جانے والا تو جا ہی چُکے گا — مگر جاتے جاتے رُلائے گا تم کو

مُبارک ہو تم کو نیا سال بچّو! — اُمنگیں نئی دل میں پیدا کرو تم
خوشی لکھنے پڑھنے میں ہو تم کو حاصل — جو ہو کام اچھّے سے اچھا۔ کرو تم

تلوک چند محرومؔ

محبِ وطن

(۱)

فرانس کے ایک چھوٹے سے قصبے میں
ایک لڑکی رہتی تھی۔ جس کے والدین بہت غریب
تھے۔ اور شریفانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اِس
لڑکی کا نام جون تھا۔ وہ سینا پرونا کرتی تھی۔
اور اپنے والد کی بھیڑوں کی نگرانی میں مشغول رہتی
تھی۔ اُن دنوں فرانس میں انگریزوں اور فرانسیسیوں
کے درمیان جنگ جاری تھی۔ اور ملک بُری
حالت میں مبتلا تھا۔ جون کے دِل میں بچپن سے
اپنے وطن کی محبت تھی۔ وُہ اُن سپاہیوں سے
جنگ کے حالات دریافت کرتی، جو زخمی ہو کر
آتے، اور اُن کی تیمارداری کرتی۔ وہ اپنے ملک
کی تباہی کے حالات سُنکر کہتی "کیا میرے جیسی
غریب لڑکی فرانس کو تباہی سے بچا سکتی ہے؟"

ایک رات اُس نے خواب میں دیکھا۔ کہ
ایک خوبصورت فرشتہ کھڑا ہے۔ اور اُسے کہتا
ہے، کہ جون اُٹھ۔ اور فرانس کے شہزادے کی
مدد کر۔ جون نے فرشتہ سے کہا "میں ایک
کمزور لڑکی ہوں۔ اور فوج کی سپہ سالاری سے
ناآشنا ہوں۔ میں کس طرح شہزادے کی مدد
کر سکتی ہوں۔

لیکن فرشتے نے پھر وہی کہا۔ کہ نہیں۔ تم
ضرور جاؤ اور فرانس کو تباہی و بربادی سے بچاؤ"
جون جاگ اُٹھی۔ اس نے اپنے والدین سے
کہا کہ "مجھے خواب میں ایک فرشتہ نظر آیا ہے۔
اُس نے مجھے فرانس کے شہزادے کی مدد کرنے
کو کہا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں شہزادے
کے پاس جاتی ہوں تاکہ اُس کی مدد کر سکوں
خواہ مجھے تکلیف ہی کیوں نہ برداشت کرنی پڑے"

جب دوسرے لوگوں نے یہ خواب سُنا تو
وہ کہنے لگے۔ کہ جون پاگل ہو گئی ہے۔ اور اپنی

عقل کھو بیٹھی ہے۔لیکن وہ جواب دیتی۔ میں تو سینا پرونا اور بھیڑوں کی نگرانی ہی کو پسند کرتی ہوں۔لیکن کیا کروں خُدا کے حکم سے مجبور ہوں۔اس لئے میں ضرور شہزادے کے پاس جاؤنگی۔اور اُس سے سپاہی لے کر اپنے مُلک کو تباہی سے بچاؤنگی۔"

(۲)

آخر ایک بُوڑھا سردار جو جوَن کے گاؤں کے پاس رہتا تھا۔اُسے شہزادے کے پاس لے گیا۔جوَن نے اُس کے سامنے جُھک کر کہا میں آپ کو خُدا کا یہ پیغام سُنانے آئی ہوں کہ میں آپ کے سر پر تاج رکھ کر فرانس کا بادشاہ بناؤں گی۔"

شہزادے نے جوَن کو اپنی سپاہ کا سردار بنا دیا۔اور جوَن اُسی وقت اُس شہر کے باشندوں کی مدد کو روانہ ہو گئی۔جسے فتح کرنے کی انگریز کوشش کر رہے تھے۔اُس وقت جون کی عمر تقریباً سولہ سال کی تھی۔اور وہ ایک اعلےٰ جنگی گھوڑے پر سوار ہو کر فوج کی کمان کر رہی تھی۔لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ وہ فرشتہ ہے۔

جب وہ شہر کو فتح کر کے اندر داخل ہُوئی، تو اُس نے لوگوں سے کہا" وہ مدد جو میں تمہیں دے سکتی ہوں یہ ہے، کہ خُدا خود تمہاری مدد کریگا کچھ عرصہ بعد اُس نے بہت سے شہر فتح کر لئے۔اور آخرکار شہزادہ کو تاج پہنا کر فرانس کا بادشاہ بنادیا۔اور بادشاہ سے کہا۔

" جہاں پناہ! میرا مقصد پُورا ہو گیا یعنی آپ فرانس کے بادشاہ ہو گئے۔اب مجھے اجازت دیجئے۔تاکہ میں گھر جا کر اپنے والدین کے ساتھ رہوں۔اور اُن کی بھیڑوں کی حفاظت کروں وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہونگے۔"

(۳)

لیکن بادشاہ نے اُسے اجازت نہ دی کیونکہ . . . . . اُسے ابھی جون کی مدد

کی اور ضرورت تھی۔ کیونکہ انگریزوں کے علاوہ چند فرانسیسی سردار بھی اُس کے خلاف تھے۔ اس لئے وہ واپس نہ گئی۔ لیکن اب جوآن کا دِل جنگ سے اکتا گیا تھا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی، کہ خُدا نے جو کچھ اُس کے سپرد کیا تھا۔ وُہ پورا ہو چکا ہے۔ اس کے بعد ایک دفعہ جبکہ وہ جنگ میں مشغول تھی۔ ایک فرانسیسی سردار نے اُسے گرفتار کر لیا، اور انگریزوں کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ انگریز جوآن کے دشمن تھے۔ اور اُسے جادوگرنی خیال کرتے تھے۔ اس لئے اُنہوں نے اُسے ایک سال تک قید میں رکھا۔ اور پھر اُس کی جان لینے کی کوشش کرنے لگے۔

انگریز جون سے کہتے "اگر خدا تمہاری مدد کرتا ہے تو پھر تمہیں قید ہونے کی کیوں تکلیف دیتا ہے؟"

وہ جواب دیتی "یہ بھی خُدا کی مرضی ہے کہ مَیں قید ہوں۔ وہ سب کچھ میری بہتری کے لئے کرتا ہے"

انگریزوں نے اس بات کی بے سود کوشش کی، کہ جون اپنے آپ کو جادوگرنی مانے۔ لیکن وہ ہمیشہ انکار کرتی رہی۔ انگریزوں نے اُس پر بہت ظلم کئے۔ اُنہوں نے شہر کے ایک چوک میں لکڑیوں کا بڑا سا انبار لگا دِیا۔ اور جون کو اُس کے اُوپر کھڑا کر کے زندہ جلا دِیا۔ یہ بڑی ظالمانہ کارروائی تھی۔ اُس وقت پتھر دِل انسان بھی کانپ گئے۔ جون کے ہاتھ میں لکڑی کی ایک صلیب تھی۔ اُس نے اُسے چھاتی سے لگا لیا۔ اور آگ کے شعلوں میں جل کر اپنے وطن پر قربان ہو گئی۔

جوآن اس دُنیا سے چل بسی۔ لیکن اُس کا نام نہیں مٹا۔ وہ قیامت تک محبِ وطن کے نام سے مشہور رہے گی۔

سراج الدین احمد نظامی

چھوٹی چھوٹی کہانیاں

۱۔ باغبانی کا شوق

ایران کا ایک مشہور بادشاہ سائرس گزرا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ اُس کے ہاں کسی بادشاہ کا سفیر آیا۔ بادشاہ نے اُسے اپنے باغ کی سیر کرائی۔ اور بتایا کہ اس باغ کا نقشہ مَیں نے خود تجویز کیا تھا۔ کیاریوں۔ روشوں۔ اور آبشاروں کی ترتیب میرے ہی دماغ کا نتیجہ ہے۔ بلکہ جتنے درخت یہاں نظر آتے ہیں، اُن میں سے اکثر مَیں نے اپنے ہاتھ سے لگائے ہیں۔ سفیر نے حیران ہوکر پوچھا۔ جہاں پناہ۔ آپ عام مالیوں کی طرح اپنے ہاتھ سے پودے لگاتے رہتے ہونگے۔ اور زرق برق لباس پہنکر کیونکر مٹی سے ہاتھ آلودہ کرتے ہونگے۔ سائرس نے جواب دیا۔ اس میں حیرانی کی کوئی وجہ نہیں مَیں نے یہ اصول بنا رکھا ہے کہ جب تک کوئی مفید کام اپنے ہاتھ سے نہ کرلوں۔ مَیں اپنے دربار میں تخت پر نہیں بیٹھتا۔

۲۔ ہمیں ایک دوسرے کی مدد کرنا چاہیئے

شاہ ایلفونزو نیپلز اور سسلی کا بادشاہ تھا ایک دفعہ یہ عام آدمیوں کے لباس میں تنہا اٹلی کے کسی صوبے میں سفر کر رہا تھا۔ اتفاقاً اُسے ایک بوجھ لادنے والا آدمی مل گیا۔ جس کا خچر کیچڑ میں پھنسا ہوا تھا۔ اور باہر نہ نکلتا تھا خچر والے کو کیا خبر تھی کہ جو شخص اُس کے سامنے کھڑا ہے، وہ اس ملک کا بادشاہ ہے جھٹ اُسے بلاکر کہنے لگا۔ کیوں بھئی مسافر۔ ذرا خچر کو تو کیچڑ سے نکلواتے جانا۔ شاہ ایلفونزو اس کی مدد کو آگے بڑھا۔ اور دونوں نے خوب زور لگاکر اُس خچر کو وہاں سے باہر نکالا۔ اتنے

ہیں کچھ پڑھے لکھے آدمی موقعہ پر آ پہنچے۔ جنہوں نے شاہ ایلفونزو کو پہچان لیا۔ اور خچر والے کو آہستہ سے کہنے لگے۔ بھلے مانس! تجھے کچھ خبر بھی ہے جس آدمی سے تُو باتیں کر رہا ہے یہ تو شاہ ایلفونزو ہے۔ یہ سُنکر خچّر والے کے اوسان خطا ہو گئے۔ اُس نے جھٹ دوزانو ہو کر بادشاہ سے معافی مانگی۔ اور کہا۔ کہ حضور مجھے اس بات کا علم نہ تھا کہ آپ اتنے بڑے آدمی ہیں۔ ایلفونزو نے جواب دیا یہ معافی کا کوئی مقام نہیں۔ تم نے کونسا قصور کیا ہے۔ آدمی پیدا ہی اسی واسطے ہُوا ہے کہ وُہ دوسرے کی مدد کرے۔

۳۔ "پوپ بھی آخر آدمی ہوتا ہے۔"

روما کے ایک مشہور پوپ کا نام کلیمنٹ تھا۔ اس نام کے بہت سے آدمی پوپ ہو چکے تھے۔ اس لئے ان کا نام کلیمنٹ چہاردہم تھا ان کی زندگی کا ایک واقعہ یہ ہے۔ کہ جب وُہ ابھی پوپ ہُوئے ہی تھے، تو بہت سے ملکوں کے سفیر اُنہیں مبارک باد دینے کے لئے اپنے اپنے بادشاہوں کی طرف سے پیغام لے کر آتے۔ جب اُن کے سامنے پیش ہوتے، تو سب نے تعظیم کے خیال سے سجدہ کیا۔ اور پوپ صاحب نے بھی جُھک کر سلام کیا۔ ان کے مشیر کو یہ بات پسند نہ آئی۔

اُس نے آہستہ سے عرض کی۔ کہ "حضور آپ کی شان کے شایاں نہ تھا۔ کہ ان کی تعظیم کے جواب میں جُھک جاتے۔"

پوپ نے فرمایا "مَیں معافی چاہتا ہوں مجھے اس بات کا علم نہ تھا۔ کہ پوپ ہو کر آدمی کو سلام کا جواب دینے کی بھی ضرورت نہیں مجھے ابھی پوپ ہُوئے بہت عرصہ نہیں گزرا۔ کہ مَیں تمیز اور آدمیت بھول جاتا۔"

ونستہ پرشاد فدائی۔ اے

جادو کی چھڑی

یہ نظم ہمارے اور نونہال کے دیرینہ مہربان جناب حامد اللہ افسر صاحب میرٹھی نے ہماری فرمائش پر خاص نونہال کے لئے بھیجی ہے۔ افسر صاحب کی پہلے بھی اکثر نظمیں نونہال میں شائع ہو چکی ہیں۔ آپ نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ یہ نظم میں نے بارہ سال کی عمر میں ایک مثنوی پڑھنے کے دوران میں کہی تھی۔ بارہ سال کی عمر میں ایسے خیالات کا پیدا ہونا، انہیں نظم کرنا۔ اور وزن۔ قافیہ وغیرہ کا بالکل ٹھیک ہونا "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" والی مثل پر دلالت کرتا ہے۔ نظم میں ایک ننھے لڑکے کے خیالات قلمبند کئے گئے ہیں۔ جو خیال ہی خیال میں جادو کی چھڑی لیکر جنگل میں شہزادی کو تلاش کرنے جاتا ہے۔ اور جادوگر کو جو شہزادی کو چرا کر لے گیا تھا۔ قتل کرکے بادشاہ کے پاس آتا ہے۔ بادشاہ اسے اس بہادری کے صلے میں بہت سا انعام و اکرام دیتا ہے۔ اور شہزادی کی شادی اس سے قرار پاتی ہے۔

(آنریری ایڈیٹر)

کہانی کے جنگل میں جاؤں گا میں　　وہاں شاہزادی کو پاؤں گا میں
اگر مل گیا جادوگر کا پتہ　　تو کر دونگا سر اس کا تن سے جدا
کہونگا کہ او شاہزادی کے چور　　میں دیکھونگا اب تیرے جادو کا زور
ہے زور اسقدر میری تلوار میں　　کہ گردن اڑا دونگا اک وار میں
نہ ٹونا چلے گا نہ جادو کوئی　　نہیں اس کے بچنے کا پہلو کوئی
اگر مجھ کو یوں فتح حاصل ہوئی　　بہت شاہزادی کو ہو گی خوشی
چلیں گے اسی وقت ہو کے سوار　　کہ مغموم ہوں گے شہ نامدار
محل میں جب آئیں گے جنگل سے ہم　　خوشی سے بدل جائے گا سب کا غم
سناؤنگا جب اس مہم کا بیاں　　کہینگے یہ تب شاہِ ذی عزّ و شاں
جو منظور ہو اس سے شادی تجھے　　میں دیتا ہوں یہ شاہزادی تجھے
میں گردن جھکا کر کرونگا یہ عرض　　کہ ہے حکم شہ ماننا میرا فرض

عجیب و غریب پیالہ

شہر لاہور میں اس وقت ایک ایسی قیمتی چیز موجود ہے جس کی نظیر تمام دنیا میں نہیں فقیر سید جلال الدین صاحب رئیس لاہور جو "فقیروں" کے مشہور خاندان میں سے ہیں۔ اور جن کے بزرگ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں وزیر اور مشیر سلطنت تھے۔ اُن کے دولتخانہ میں بہت سے نادرات اور عجائبات کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ ان تمام چیزوں میں سے ایک پیالہ بھی ہے، جو بہت وزنی اور عجیب و غریب ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ پیالہ اکبر اعظم کے عہد میں بنایا گیا۔ اور دست بدست شاہی خاندانوں میں منتقل ہوتا رہا۔

یہ پیالہ ایک اسٹینڈ پر رکھا ہوا ہے۔ اور اس کیمیاوی پیالہ میں نہایت عجیب و غریب اوصاف ہیں یعنی اگر اس پیالہ میں دودھ ملا پانی بھر دیا جائے۔ تو پندرہ منٹ کے بعد اس میں حرارت پیدا ہوتی ہے۔ اور پیالہ کو پسینہ آنے لگتا ہے اور مسامات کی راہ سے پانی کی بوندیں ٹپکنی شروع ہو جاتی ہیں۔ ان قطرات میں دودھ کی رنگت مطلق نہیں ہوتی۔ جس وقت تمام پانی ٹپک جاتا ہے۔ تو اُس میں دودھ کا ذائقہ نہیں ہوتا۔ البتہ پانی کا مزہ کچھ بدل جاتا ہے۔ پیالہ دودھ کو ہضم کر لیتا ہے اور پانی کو خارج کر دیتا ہے۔ اسی طرح اگر اس پیالے میں شربت بھرا جائے، تو پندرہ بیس منٹ کے بعد حرارت پیدا ہو کر مسامات کی راہ سے پانی ٹپکنے لگتا ہے ہ مقطر پانی میں شکر کا ذائقہ نہیں ہوتا۔ البتہ پانی کا مزہ بدل جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پیالے کے موجد کی یہ غرض تھی۔ کہ اس پیالے کے ذریعے بعض بیماریوں میں استعمال ہونیوالی دواؤں کا مقطر پانی حاصل کیا جائے۔ اور مریضوں کو استعمال کرایا جائے۔

یہ ثابت نہیں ہوا۔ کہ یہ پیالہ مغلوں کے زمانے میں ایجاد ہوا یا ہندوؤں کے زمانے میں کیونکہ مسلمانوں سے وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ہاتھ لگا تھا۔ بہرصورت یہ پیالہ زمانہ قدیم کی ایک انوکھی ساخت ہے۔ اور ہندوستانی کاریگری کی نادر مثال ہے۔

(ماخوذ) محمد اکرم خاں اطہر

(مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام بابو گوپال داس پرنٹر چھپا اور دار الاشاعت ادب لطیف کیلئے محمد اسمٰعیل لکھنوی پبلشر و پروپرائیٹر نے چیمبرلین روڈ لاہور سے شائع کیا)

قیمت سالانہ پانچ روپے — رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۴۱۵ — قیمت ششماہی ۳ فی پرچہ ۲ ار

نونہال ہفتہ وار

آنریری ایڈیٹرز:-

حکیم احمد شجاع بی اے (علیگ) — سیّد غلام رسول طاہر جالندھری

ایڈیٹرز:-

محمد اسمٰعیل — عبدالرشید

جلد (۸) — نمبر (۳)

فہرست مضامین بابت ۲۲ جنوری ۱۹۲۶ء

ہم تم:- " نونہال" کیا ہے؟ نونہال بچّوں کا ہفتہ وار تصویر دار رسالہ ہے۔ جس میں دلچسپ معلومات آسان آسان گیت اور نظمیں۔ دلچسپ کہانیاں۔ باندا ق لطیفے عجیب و غریب معمے اور پہیلیاں بچّوں کیلئے بہت بڑی تعداد میں شائع ہوتے ہیں۔ اگر تم اسے نہیں خریدتے۔ تو آج ہی سے اس کے خریدار بنجاؤ چندہ سالانہ صہ ششماہی ۳ ار۔ پتہ دفتر نونہال لاہور

(مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ گوپال داس پرنٹر چھپا اور دارالاشاعت ادب لطیف کیلئے محمد اسمٰعیل لکھسر پبلشر و پروپرائیٹر نے چیمبرلین روڈ لاہور سے شائع کیا)

ہم تم

نونہال بچّو! آئندہ "ہم تُم" کی سُرخی نونہال کے پہلے صفحے پر فہرست مضامین کے نیچے ہر ہفتے شائع ہُوا کریگی۔ چنانچہ اس ہفتے سے یہ سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔ چونکہ یہی ذریعہ ہماری تمہاری ملاقات اور بات چیت کا ہے اس لئے اس سُرخی کے تحت جو کچھ لکھا جائے، اس کا پڑھنا اور اس پر عمل کرنا تمہارا فرض ہے۔ اس لئے تمہیں چاہئے کہ اس سُرخی کے نیچے جو کچھ لکھا جائے۔ اُسے غور سے پڑھو۔ اور اس پر پُورا پُورا عمل کرو۔ آئندہ ہر ہفتے نونہال میں معمے، پہیلیاں اور عجیب و غریب سوالات بھی شائع ہُوا کرینگے۔ اور جن کے جواب تم سے لئے جایا کرینگے۔ جن بچّوں کے جواب صحیح ہُوا کرینگے انہیں دفتر نونہال سے کہانیوں کی کتابیں بطور انعام تقسیم کیجایا کرینگی۔ امید ہے کہ تم ان معموں کو حل کرنے میں نہایت شوق سے حصہ لوگے۔

معمّہ

مَیں ایک چار حرفی لفظ ہوں۔ میرا کام کاٹ کھانا ہے۔ اگر میرے حرفوں کو اُلٹ پلٹ کر ملایا جائے، تو مندرجہ نتائج برآمد ہوتے ہیں:-

(۱) ۴+۳+۲+۱ - جسم کو ایک چھپانے والی چیز

(۲) ۲+۳+۴ = نزدیک

(۳) ۴+۳+۲ = بہت تیز روشنی

(۴) ۱+۳+۴ = ایک مُلک کا نام

(۵) ۱+۳+۲ = ایک پینے والی چیز

(۶) ۲+۱+۳ = گہرائی

محمد فرید جعفری

نوٹ:- اس معمے کا صحیح حل بھیجنے والے کو دفتر نونہال سے ایک روپیہ کی کتابیں بطور انعام بھیجی جائینگی۔ اگر بہت سے بچوں کے جواب صحیح ہونگے تو انعام بذریعہ قرعہ اندازی تقسیم کیا جائیگا۔ (آنریری ایڈیٹر)

چڑیوں کا گیت

ہاں آؤ مل کے ہم سب کچھ گیت اپنے گائیں خوش خوش فضا میں گھومیں چکّر لگائے جائیں
کیوں گھونسلوں میں بیٹھیں یہ وقت ہے سحر کا خالق کے اپنے مِلکر گُن گائیں جی لُبھائیں
غافل ہیں بعض انساں سوتے ہوئے ہیں اب تک ہم گیت مل کے گائیں چل کر اُنہیں جگائیں

ہم ننھّی ننھّی جانیں بھرتی ہیں پیٹ اپنا چُگ چُگ کے دانہ دُنکا کھیتوں میں پھر پھرا کر
آرام کے لئے دن محنت سے کاٹتی ہیں چُن چُن کے تنکا تنکا ہم گھر بنا بنا کر
غافل ہیں بعض انساں کھوتے ہیں وقت اپنا ہم وقت کاٹتی ہیں مصرف میں اپنے لا کر

باغوں کی سیر کر کے چشموں کا پانی پی کے ہم شاد ہو رہی ہیں دکھلا رہی ہیں دم خم
دُنیا کی کاوشوں سے مطلب نہیں ہمیں کچھ مسرور ہیں ہمیشہ کیا جانیں ہم ہے کیا غم
غافل ہیں بعض انساں غمگین ہو رہے ہیں ہم دن گزارتی ہیں دلشاد رہ کے ہر دم

انساں کے بچّے اکثر دیتے ہیں رنج ہم کو برباد کر کے بھی وُہ ہوتے نہیں پشیماں
آ آ کے گھونسلوں کے تنکے بکھیرتے ہیں صبر ایسی مشکلوں پر کرنا نہیں کچھ آساں
غافل ہیں بعض انساں بے صبر ہو رہے ہیں صابر ہیں ہم ہمیشہ ہوتی نہیں ہراساں

طلسمی بُرج

(گزشتہ سے پیوستہ)

قدم رکھتے ہی اس نے ایک ڈراؤنی مورت دیکھی۔ کہ راستہ روکے ایک بڑا سا گرز ہاتھ میں لئے لگاتار چلا رہی ہے۔ اور بڑے زور سے اس پاس کی زمین پر مار رہی ہے ——

بادشاہ یہ دیکھ کر ڈرا۔ مگر جیسے ہی اس کے سینے پر لکھے ہوئے ذیل کے الفاظ پڑھے کہ

"مَیں اپنی خدمت انجام دے رہی ہوں"

تو اس نے ہمّت کر کے بڑی عاجزی سے کہا:۔ "مجھے اندر جانے دو۔ مَیں بے ادبی کرنے نہیں آیا ہوں۔ بلکہ مَیں اس بُرج کا راز معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

یہ سُنتے ہی وُہ مُورت اپنا گُرز اُٹھا کر چُپ چاپ کھڑی ہو گئی۔ بادشاہ اور اس کے مصاحب اس مورت کے پاس سے گُزر کر ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ وہ کمرہ بہت خُوبصورت تھا۔ اس میں جا بجا جواہرات کے بیل بُوٹے بنے ہُوئے تھے۔ ان جواہرات کی چمک سے تمام کمرہ میں مدھم مدھم روشنی پھیلی ہُوئی تھی جس کے ذریعہ سے تمام چیزیں نظر آ سکتی تھیں۔ کمرہ میں ایک میز پڑی تھی۔ اس پر ایک صندوقچہ رکھا تھا۔ جس پر یہ الفاظ لکھے ہُوئے تھے:۔

"اسی صندوقچہ میں اس بُرج کا راز ہے۔ سوائے بادشاہ کے اس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ مگر اس کو بھی آگاہ ہونا چاہیے۔ کہ اس کو وُہ عجیب و غریب باتیں معلوم ہونگی۔ جن کا اس کے مرنے سے پہلے وقوع میں آنا ضروری ہے"

جب بادشاہ نے اس صندوقچہ کو کھولا۔ تو اس میں سے صرف ایک چمڑے کا ٹکڑا نکلا جس کے اُوپر لکھا ہُوا تھا:۔

"دیکھ لے او بے ادب! اُن لوگوں کو جو تجھے تیرے تخت سے نیچے پٹک دیں گے۔

اور تیرے ملک کو تجھ سے چھین لینگے۔"

اس کے نیچے آدمیوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ جو گھوڑوں پر سوار تھے۔ ڈراؤنی شکلیں تھیں۔ ہاتھوں میں تیر کمان موجود تھے —

بادشاہ اور اس کے مصاحبوں نے جس وقت اُن تصویروں کو جھک کر دیکھنا شروع کیا۔ تو ان کے کانوں میں ایک بڑے شور و غل کی آواز آئی۔ وہ تصویریں حرکت کرتی ہوئی نظر آنے لگیں۔ تھوڑی سی دیر میں وہ تصویریں میدانِ جنگ کا نقشہ بن گئیں۔ ان لوگوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے ایک بڑا میدان دکھائی دے رہا تھا۔ جس میں دو فوجیں آپس میں لڑ رہی تھیں۔ ان کے کانوں میں گھوڑوں کے دوڑنے۔ پھرنے بگل اور طبل پر تھاپ پڑنے کی صدائیں صاف سُنائی دے رہی تھیں۔ تیروں کی سنناہٹ برچھی بھالوں کی چمک بھی دکھائی اور سُنائی دے رہی تھی۔ بادشاہ نے جب غور سے دیکھا تو اُس کو نظر آیا کہ ہسپانیہ کا لشکر دشمن سے شکست کھا رہا ہے۔ اور اس کا جھنڈا زمین پر گرا پڑا ہے۔ فوج میں بھاگڑ پڑ چکی ہے۔ ہوا میں خوشی کے نعرے غیض و غضب کی چیخیں اور زخمیوں کی آہیں گونج رہی ہیں —

بادشاہ نے دیکھا کہ بھاگنے والوں میں ایک شخص ہے جس کے سر پر تاج رکھا ہوا ہے۔ اور وہ بے تحاشا بھاگ رہا ہے۔ مگر اس کا مُنہ اس کو نظر نہیں آیا۔ کیونکہ اس کی پشت بادشاہ کی طرف تھی۔ وہ ایک نقرئی گھوڑے (یعنی سفید گھوڑے) پر سوار تھا۔ جو خود بادشاہ کے گھوڑے کے مشابہ تھا۔ لڑائی کی گھبراہٹ میں وہ سوار گھوڑے کی پیٹھ سے جُدا ہو گیا۔ اور پھر معلوم نہیں کہ کہاں گیا۔ اس کا گھوڑا میدانِ جنگ میں بے سوار ہو کر ادھر اُدھر بھاگتا ہوا نظر آنے لگا۔

بادشاہ اور اس کے مصاحب اس خوفناک

منظر کو دیکھ کر بہت ڈرے۔ اور طلسمی بُرج سے بہت خوفزدہ ہو کر نکلے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ پیتل کی مُورت وہاں سے غائب ہو گئی ہے۔ دونوں بُوڑھے دربان مرے پڑے ہیں۔ اتنے میں اس طلسمی بُرج میں خوفناک آگ لگ گئی اور ذرا سی دیر میں وُہ خُوبصورت بُرج جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ جہاں کہیں اس بُرج کی خاک پڑی، وہاں خون کے قطرے ہی قطرے دکھائی دیتے تھے۔

بد قسمت بادشاہ اس تماشہ سے بہت ڈرا اور اپنے محل کو واپس آگیا۔ اس کے تھوڑے دِنوں بعد اس کو اپنے ایک دُشمن سے بہت بڑی لڑائی درپیش آئی۔ جس میں اس کی فوج اور اس کو اسی طرح شکست کھانی پڑی جس طرح کا منظر اس نے طلسمی بُرج کے چمڑے کے ٹکڑے پر دیکھا تھا۔

اس کو شکست ہُوئی اس کی فوج اِدھر اُدھر بھاگ گئی لیکن بادشاہ گم ہو گیا۔ لڑائی کے دوسرے دن اس کے جوتے کپڑے اور گھوڑا دریا کے کنارے پر ملے۔ مگر اس کی لاش وہاں پر نہ تھی۔ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ دریا میں ڈُوب کر مر گیا ہے۔

مرزا عاشق علی بیگ

عامر بن فہرہؓ

نونہال میں ہم دو تین بزرگ صحابیوں کے حالات لکھ چُکے ہیں۔ جنھوں نے اپنے پیارے مذہب اسلام کی خاطر کیسے کیسے ظلم سہے، اور ایذائیں اُٹھائیں۔ اُنہیں میں سے ایک نامور بزرگ عامر بھی تھے۔ ان کے باپ کا نام فہرہ تھا۔ اور یہ طفیل بن عبداللہ عزوی کے غلام تھے۔

حضرت عامرؓ کو بھی اسلام لانے پر

بڑی بڑی تکلیفوں کا سامنا ہوا۔ مگر شاباش ہے عامرؓ کے استقلال و ہمت اور صبر پر کہ سب کچھ برداشت کیا۔ مگر اپنے دین کو نہ چھوڑا۔ آخر ان کو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے ان کے مالک سے خرید کر آزاد کیا۔ اور یوں عرب کی جاہلانہ مصیبت سے نجات دلائی۔ عامر بڑے وفادار اور احسان ماننے والے نیک دل صحابی تھے۔ آزاد ہونے کے بعد ان کا یہ عالم تھا کہ کبھی حضرت ابوبکرؓ کی بکریوں کو چرانا نہ چھوڑا۔ ان کی یہ خدمتگزاری یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ جس وقت ہمارے سرکار پیغمبر صاحب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ابوبکرؓ کو لیکر ہجرت کا ارادہ کر کے مکّہ سے سدھارے اور مدینہ جا رہے تھے تو خوف ہوا کہ راستے میں کہیں کفّار گھیر کر اذیت نہ دیں۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ اور آقائے نامدار حرا نامی غار میں چھپ رہے۔ حضرت عامر کیا کرتے کہ حضرت صدیقؓ کی بکریوں کو چراتے ہوئے غار کے پاس لیجاتے اور چپکے سے ان دونوں بزرگوں کو بکریوں کا دُودھ دوہکر پلاتے رہتے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عامر 'بیر معونہ' کی لڑائی میں شہید ہوئے۔ جس وقت زخمی ہو کر گرے ہیں، تو بے ساختہ ان کی زبان سے یہ کلمہ نکلا۔" فزتُ بربّ الکعبۃ "۔ یعنی کعبہ کے خدا کی قسم میں کامیاب اور بامراد ہوا۔ اس کلمہ پر اُن کا خاتمہ ہو گیا۔ اللہ اللہ! کیا بندے تھے۔

تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ شہیدوں کو جب دفن کرنے کا انتظام ہوا، تو ان کا مبارک جسم بھی تلاش کیا گیا۔ مگر کہیں نہ مِلا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب بہت تلاش ہوئی۔ تو یہ آواز آئی کہ رحمت کے فرشتے عامر کو دفن کر چکے۔ تم لوگ زحمت نہ اُٹھاؤ۔ دیکھا بزرگوں کی خدمتگزاری اور احسان ماننے کے یہ درجے ہوتے ہیں!

محوی صدیقی

دھوئیں میں کروڑوں روپیہ

میرے دوست اس سُرخی کو پڑھ کر حیران ہونگے۔ کہ ہیں "دھوئیں میں کروڑوں روپیہ" یہ کیسے، دوستو۔ استقلال کے عادی بنو۔ ذرا ٹھہرو۔ ابھی مَیں تمہیں لندن کے معتبر اخبار 'بچّوں کی دُنیا' کے حوالہ سے بتائے دیتا ہوں۔ کہ لوگ اپنا کروڑوں روپیہ دُھوئیں میں کس طرح ضائع کرتے ہیں۔

غالباً بیڑی اور سگریٹ کو تو آپ جانتے ہی ہونگے۔ اور تمباکو کے نام سے بھی آپ ضرور واقف ہونگے۔ خُدا جانے تمباکو میں ایسا کونسا جادو ہے۔ کہ اُس نے دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک کے رہنے والوں کے دل اپنی طرف کھینچ لئے ہیں۔ اسے گورا کالا، امیر غریب، بخیل سخی، بوڑھا جوان، گنوار شہری حتیٰ کہ ہم نے سُنا ہے کہ بچّے تک اس کو پیار کرتے اور دل سے چاہتے ہیں۔ بستر سے اُٹھتے ہی سب سے پہلے چلم یا سگرٹ سُلگا کر دُھواں اُڑانا شروع کیا۔ اور اپنے پیسے ٹکے اس دُھوئیں میں ضائع کئے۔ اس کے جادو کا کیا کہنا کہ عالم، فلاسفر اور سائنسدان غرضیکہ ہر لایق اور علمدوست آدمی اس مرض میں مبتلا ہیں۔

اخبار مذکور لکھتا ہے کہ امریکہ میں اس سال ۷۳۰۰۰ ملین (دس لاکھ کا ایک ملین) سگرٹ بنائے گئے ہیں۔ اس سے دس سال پہلے ۵۶۰۰۰ ملین بنے تھے۔

مُلک جرمنی میں گزشتہ دس سال سے لیکر آجتک اتنے سگرٹ بنائے گئے ہیں۔

۱۹۱۵ء ۱۲۰۰۰ ملین ۱۹۱۸ء ۱۷۰۰۰ ملین ۱۹۲۲ء ۳۱۰۰۰ ملین اور ۱۹۲۵ء میں جولائی تک ۳۳۰۰۰ ملین بن چکے ہیں۔

جاپان میں بھی تمباکو روز بروز ہر دلعزیز

ہو رہا ہے۔ دس برس پہلے ۷۰۰۰ ملین سگرٹ پر اہلِ جاپان قناعت کرتے ہیں۔ لیکن آج ۲۳۰۰۰ ملین سے بھی ان کی بھوک نہیں مٹتی۔

لندن شہر میں سگرٹ کا اتنا بول بالا ہے۔ کہ وہاں ایک منٹ میں آٹھ سو سگرٹ ایک مشین تیار کرتی ہے۔ اور اس قسم کی درجنوں کی تعداد میں مشینیں ہیں۔ جو دن رات برابر چلتی رہتی ہیں۔

بمبئی میں بیڑیوں کی ہزاروں کی گنتی میں دکانیں ہیں۔ ایک دکان پر ۲ سے ۵۰ آدمی بیڑیاں بنانے میں مشغول ہوتے ہیں۔ ایک آدمی صبح کے چھ بجے سے رات کے گیارہ بجے تک اڑھائی دو ہزار بیڑیاں تیار کر دیتا ہے۔ باوجودیکہ اسقدر مصروفیت کے وہاں بیڑیوں کی کمی کی شکایت ہے۔

محمد بشیر الدین خردمی

لطیفہ

دھوپ میں ایک حضرت اپنے ایک پرانے دوست کی ملاقات کے لئے گئے۔

اس دوست نے انہیں دور ہی سے آتے دیکھ کر اپنے نوکر سے کہا کہ جس وقت وہ یہاں آئیں تو اُن سے کہنا کہ میں اپنے مکان میں نہیں ہوں۔ جس وقت وہ مکان پر آئے، تو نوکر نے اُن سے کہا کہ مالک خانہ اس وقت سیر کے لئے باہر گئے ہوئے ہیں۔

حضرت۔ "دیکھئے وہ کسقدر بیوقوف آدمی ہے بھلا یہ بھی کوئی سیر کا وقت ہے۔"

اس پر اس دوست نے کھڑکی سے سر نکال کر جواب دیا۔ "جناب میں تو اس وقت مکان ہی میں موجود ہوں۔ گھر سے باہر نکل کر دھوپ میں سیر کرنے والے آپ ہی ہیں۔ لہٰذا بیوقوف کون بنا؟"

شیخ اسماعیل

فرمانبردار بیٹا

راجہ شانتنو جس کی اولاد کوروں اور پانڈوں کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی پہلی رانی کے شکم سے بھیشم نامی اس کا ایک نیک بیٹا تھا بھیشم جوان تھا کہ باپ کو ایک اور چھتری عورت سے شادی کرنے کا خیال پیدا ہُوا۔ مگر اس لڑکی کے والدین صرف اس وجہ سے انکار کرتے تھے۔ کہ راجہ کی پہلی رانی سے ایک لڑکا موجود ہے۔ جس کے ہوتے دوسری کی اولاد گدی نشین نہیں ہو سکتی۔ راجہ اس جواب سے بہت لاچار تھا۔ کیونکہ اب اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ لیکن جونہی بھیشم کو یہ اطلاع ملی، تو اس نے پہلے لڑکی کے والدین کو سمجھایا کہ آپ بے تامل میرے باپ سے اپنی لڑکی کی شادی کریں۔ مَیں خوشی سے اپنا حقِ وراثت چھوڑتا ہوں۔ یعنی گدی کی حقدار صرف نئی رانی کی اولاد ہی رہیگی۔" پھر جاکر اپنے باپ کو سمجھایا۔ اور اس خیال سے اس نے اپنی شادی بھی نہ کرائی۔ کہ کہیں میری اولاد میں سے بھی کوئی اس اقرار کے خلاف دعویٰ نہ کرے۔

اس فرمانبردار بیٹے نے اپنے باپ کی ایک ادنےٰ سی خوشی کے واسطے اپنے راج اور اپنے بیاہ کی اعلےٰ سے اعلےٰ دونوں خوشیوں کو ترک کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس رانی سے دھرت راشٹر اور پانڈو دو بیٹے ہُوئے۔ جن میں دھرت راشٹر پیدائشی اندھا تھا۔ اور باپ کے مرتے وقت پانڈو بھی خورد سال تھا۔ مگر بھیشم نے پانڈو کو گدی پر بٹھایا۔ اور جب وُہ بھی پانچ بیٹے چھوڑ کر مر گیا۔ تو اس نے دھرت راشٹر کو راج دیکر دونوں سوتیلے بھائیوں کی اولاد کی تعلیم و تربیت کا پوری طرح سے انتظام کر دیا۔ یہ لڑکے ان کو "بھیشم پتامہ" یا " دادا بھیشم" کہا کرتے تھے۔ محمد حسین بیدل

مُصیبت اور خوشی

ایک لڑکی جِسے لوگ سندری کہکر پکارا کرتے تھے۔ اس کی سگی ماں مرچکی تھی۔ لیکن اس کی سوتیلی ماں موجود تھی۔ جو اسے طرح طرح کی تکلیفیں دیا کرتی تھی۔ اس کے علاوہ اِس کی دو سوتیلی بہنیں بھی تھیں۔ جو اپنی ماں ہی کی طرح اسے مارا پیٹا کرتی تھیں۔ ابھی بچاری سندری چھوٹی ہی تھی کہ اسے چولھے کا کام دے دیا جایا کرتا تھا۔ اور وُہ ایک ماما کی طرح دن بھر کھانا پکانے کا کام کیا کرتی تھی۔

جس وقت سندری کی دوسری بہنیں گانے بجانے میں مصروف ہوتیں، اُس وقت غریب سُندری کھانا پکایا کرتی تھی۔ اور تمام گھر کے لوگوں کے جھوٹے برتن دھونا، کوئلے لانا، اور جھاڑو دینا اس کے سپرد تھا۔ رات کے وقت یہ کمزور لڑکی ایک گیلے کمرے میں تنکے بچھا کر سویا کرتی تھی۔

اِتّفاق سے اسی زمانے میں بادشاہ نے اپنے لڑکے کی تاجپوشی کی خوشی میں ایک بہت بڑے پیمانے پر جلسہ کا انتظام کیا جس میں اس کی دونوں سوتیلی بہنوں کو بھی مدعو کیا گیا۔ ان کو اِس قدر خوشی ہُوئی کہ دن رات بس اسی جلسہ کی باتیں کرنے لگیں۔ اور عمدہ عمدہ کپڑے تیار کرنے اور انہیں سینے پرونے لگ گئیں۔ بچاری ان کے نئے نئے کپڑے دیکھتی، اور دل ہی دل میں کڑھ کے رہ جاتی۔ اس کے لئے سوائے گھر کے کام کے اور کچھ نہ تھا۔

جب جلسہ کی پہلی رات آئی تو سندری جلدی جلدی اپنی بہنوں کو قیمتی کپڑے پہنانے لگی۔ اور دل ہی دل میں سوچنے لگی۔ کاش میرے پاس بھی خوبصورت کپڑے ہوتے، تو مَیں بھی گاڑی میں بیٹھ کر بادشاہ

کے محل میں جاتی اور اپنی بہنوں کی طرح خوش ہو ہو کر جلسہ دیکھتی"۔ جیسے ہی اس کے دل میں یہ خیال آیا بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ جسے دیکھ کر اس کی بہنوں نے رونے کا سبب دریافت کیا۔ اور جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ بھی جلسہ میں جانا چاہتی ہے۔ تو غصّہ ہو کر کہنے لگیں کہ تو جلسہ میں جا کر کیا کریگی۔ تجھ سے وہاں کوئی بات بھی تو نہ کریگا۔ یہ کہہ کر سندری کی دونوں بہنیں ایک بڑی گاڑی میں بیٹھ کر محل کی طرف روانہ ہوگئیں۔ اور بیچاری سندری باورچیخانے میں بیٹھ کر اسقدر پھوٹ پھوٹ کر روئی جیسے اس کا دل پاش پاش ہو گیا ہو۔ ابھی وہ رو ہی رہی تھی کہ کسی نرم آواز نے پوچھا کہ پیاری بچّی کیا معاملہ ہے

سُندری یہ آواز سن کر چونک پڑی۔ اُس نے دیکھا کہ ایک خوبصورت پری کھڑی ہوئی اُسے دیکھ دیکھ کر مُسکرا رہی ہے۔ اور پُوچھ رہی ہے کہ پیاری بچّی تو کیوں اس قدر رو رہی ہے۔

سندری نے اپنے رونے کا سب حال بیان کر دیا۔ اور کہا کہ مَیں بھی اپنی بہنوں کی طرح بادشاہ کے جلسہ میں جانا چاہتی ہوں

پری نے کہا اچھا مَیں تمہیں بھیجدونگی۔ جاؤ اور جا کر ایک لوکی لے آؤ۔ سندری نے فوراً اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اور باورچیخانے سے ایک لوکی لیکر حاضر ہوگئی۔ پری نے اس کے چاروں طرف اپنی جھنڈی ہلائی۔ جس سے وہ لوکی ایک خوبصورت سُنہری گاڑی بن گئی۔ پھر اُس نے کہا کہ اچھا اب چوہوں کا پنجرا اُٹھا لاؤ۔ سُندری چوہوں کا پنجرا بھی لے آئی۔ جس میں چھ چوہیاں بند تھیں، پری نے پنجرے کا مُنہ کھول دیا۔ اور جیسے ہی چوہیاں باہر نکلیں اُس نے اُنہیں اپنی جھنڈی سے چھو دیا۔ جس سے وہ سب کی سب نہایت

عمدہ گھوڑے بن گئیں۔ اسی طرح پری نے ایک مینڈک کو کوچوان اور ایک چھپکلی کو سائیس بنادیا۔ اور سُندری جو کپڑے پہنے ہُوئے تھی۔ اُن پر اپنی جھنڈی گھوما کر انہیں اسقدر خُوبصورت اور قیمتی کپڑوں کی شکل میں تبدیل کر دیا کہ سندری بالکل ایک شہزادی معلوم ہونے لگی۔ اس کے بعد پری نے سندری سے گاڑی میں سوار ہوکر جلسہ میں جانے کے لئے کہا۔ مگر چلتے وقت اس بات کی اچھی طرح تاکید کردی کہ خبردار بارہ بجنے سے پہلے اپنے گھر واپس چلی آنا۔ اگر تمہیں وہیں بارہ بج گئے، تو پھر تمہاری گاڑی لوکی بن جائیگی۔ اور تمہارے گھوڑے چوہے اور کپڑے ویسے ہی چیتھڑے ہو جائینگے۔

سندری اپنی مہربان پری کی یہ باتیں غور سے سُنکر جلسہ میں شریک ہونے کے لئے چل دی۔ جب وہ بادشاہ کے محل کے پھاٹک پر پُہنچی تو خود شہزادہ اس کے استقبال کے لئے پھاٹک تک آیا۔ اور اُسے نہایت عزّت کے ساتھ جلسہ میں لے گیا۔ جب اس کی بیرحم بہنوں نے اُسے دیکھا تو آپس میں کہنے لگیں کہ یہ خُوبصورت لڑکی کون ہے؟

سُندری اپنے وقت تک شہزادے کے ساتھ باتوں میں مشغول رہی اور جیسے ہی پونے بارہ بجے، وُہ فوراً شہزادے سے رُخصت ہوکر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر گھر پُہنچ گئی۔ جہاں پری اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اُس نے پھر اپنی جھنڈی ہلائی۔ اور سُندری جیسے کپڑے پہنے ہُوئے تھی۔ ویسی ہی پھر ہو گئی۔

جب سُندری کی بہنیں گھر آئیں۔ تو اُنہوں نے سُندری کو اسی طرح بیٹھی ہُوئی پایا۔ اور آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگیں کہ بیشک جس لڑکی کو آج ہم نے جلسہ میں دیکھا ہے وہ بہت خوبصورت تھی معلوم نہیں

یہ کس کی لڑکی ہے؟ سندری ان کی یہ باتیں سنکر دل ہی دل میں مسکراتی تھی۔

دوسرے دن بادشاہ نے پھر جلسہ کیا۔ اور سندری نے اسی طرح اپنی بہنوں کو کپڑے وغیرہ پہنا کر جلسہ میں بھیجدیا۔ اور خود رنجیدہ ہوکر باورچیخانے میں بیٹھ رہی۔ ابھی اسے بیٹھے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ پری آگئی۔ اور اُس نے پہلے کی طرح سندری کو پھر جلسہ میں بھیجدیا۔ چونکہ آج سندری پہلے سے بھی زیادہ عمدہ اور قیمتی کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ اس لئے بہت زیادہ خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔ جب یہ جلسہ میں پہنچی تو شہزادے نے اسی طرح اسے عزّت سے اپنے پاس بٹھایا۔ لیکن ابکی مرتبہ سندری باتوں میں اسقدر محو ہوئی۔ کہ اُسے بارہ بجے تک گھر لوٹ جانے کا خیال ہی نہ رہا۔ جب اُس نے گھڑی کی طرف دیکھا تو بارہ بجنے میں صرف ایک منٹ رہ گیا تھا۔ وہ گھبرا گئی۔ اور شہزادے سے بغیر کچھ کہے یکایک وہاں سے اُٹھ کر بھاگی۔ اور جیسے ہی وہ محل کے پھاٹک پر پہنچی۔ گھڑی نے بارہ بجا دئے۔ اور وہ فوراً تبدیل ہوکر ایک فقیرنی معلوم ہونے لگی۔ (باقی آیندہ)

سیّد ابو محمد ثاقب

سدا بہار پھول

مایوسی رُوح کے لئے موت ہے۔

آرزو کا ترک کرنا ہی تونگری ہے۔

باطل کی حکومت چند لمحوں تک قائم رہتی ہے۔ اور سچائی کی حکومت قیامت تک۔

راحت صرف اچھّے کاموں میں ہے۔

(حضرت علیؓ)

بے ضرورت بات کرنا عقلمندوں کا شیوہ نہیں۔ کوئی پُوچھے۔ تو جواب دو۔ تم کو

خود حاجت ہو، تو بولو۔ اس سے زیادہ بولنا بے فایدہ ہے۔ جو بات کرو۔ نرمی اور آہستگی کے ساتھ کرو۔

(۲) سخت بات کرنا۔ چلّا کر بولنا ہر گز نہیں چاہیئے۔ جو لوگ تم سے کم درجہ کے ہیں یہاں تک کہ اپنے نوکروں۔ خدمتگاروں سے بھی "بھائی" "میاں" اور "جی" کہکر بات کرنی چاہیئے: تاکہ سب لوگ تمہیں دل سے پیار کریں۔

(ڈاکٹر نذیر احمد)

(۱) حالات موافق ہونے کی حالت میں خوشی سے پھُول کر مغرور ہو جانا اور فتح و نصرت کے عالم میں غرور اور تکبّر کے احکام کی پیروی کرنا بالکل جائز نہیں۔

(۲) شجاعت و تدبیر ناتجربہ کاری کی وجہ سے جلد یا بدیر دھوکا کھا جاتی ہے۔

(۳) لڑائی کے وقت جو شخص قسمت پر بھروسہ نہیں کرتا۔ وُہ سب سے زیادہ لایق سپاہی ہے۔

(فریڈرک اعظم)

(۱) زندگی کے فرائض اس کی پائیداری کے ساتھ قائم اور پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک دن کا کام نامکمل چھوڑ دیا جائے، تو دوسرے دن وُہی کام دُگنا ہو کر ہمارے سامنے آتا ہے

(ڈاکٹر جانسن)

(۱) شریف آدمی وُہی ہے جو اپنے ضمیر کی ہدایات کو مدِّ نظر رکھتا ہے۔ جس طرح وہ اپنی قدر کرتا ہے۔ اسی طرح دوسروں کی عزّت کا بھی اسے خیال رہتا ہے۔ (سمائلز)

غلام مصطفٰے

سب سے اچھا آدمی وُہ ہے۔ جو اپنے آپ کو مکمل بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور سب سے زیادہ خوش وُہ ہے۔ جو یہ محسوس کرتا ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو مکمل بنا رہا ہے۔

(سقراط)

گزشتہ ایّام کی یاد انسان کے غم کو تازہ کرتی ہے۔

(ٹینی سن)

دُنیا کی کوئی بھی بڑی سے بڑی طاقت ایک محنتی اور مستقل مزاج آدمی کی راہ میں رُکاوٹ پیدا نہیں کر سکتی۔

(کارلائل)

عبدالمجید سلیم

لالچی دُنیا بھر کا مال پاکر بھی بھُوکا۔ اور قناعت کرنے والا آدھی روٹی کھاکر بھی سیر نظر آتا ہے۔

جو شخص کسی خود رائے کو نصیحت کرے وُہ خود نصیحت کا محتاج ہے۔

دُشمن کا فریب نہ کھاؤ۔ اور خوشامد کرنے والے کی تعریف پر نہ اتراؤ۔ کہ اُس نے فریب کا جال لگایا ہے۔ تو اُس نے لالچ کا دامن پھیلایا ہے۔

حد سے زیادہ غُصّہ وحشت پیدا کرتا ہے۔ اور بے وقت مہربانی دبدبہ کھو دیتی ہے۔ نہ اتنی سختی کرو۔ کہ لوگ ناامید ہو جائیں اور نہ اتنی نرمی کہ تمہیں صید (شکار) سمجھنے لگیں جرّاح کو نہیں دیکھتے کہ جہاں فاسد مادہ دیکھتا ہے۔ وہیں نشتر لگا دیتا ہے۔ جونہی آلائش نکلی زخم صاف ہو گیا۔ (ترجمہ)

عالم بے عمل

علم کتنا ہی کوئی پڑھ لے
ہے وہ بے سود گر عمل نہ کرے
بے عمل علم ہیچ ہے رکھ یاد
جیسے دیں گدھے پر کتابیں لاد
نہیں ناداں گدھے کو کوئی خبر
اُس پہ ایندھن لدا ہے یا دفتر

(ماخوذ) عبدالرشید ارشد

قیمت سالانہ پانچ روپے　　رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۴۱۵　　قیمت ششماہی ۳ فی پرچہ ۲

نونہال

آنریری ایڈیٹرز:-
حکیم احمد شجاع بی۔ اے (علیگ)　　سیّد غلام رسول طاہر جالندھری
ایڈیٹرز
محمد اسمٰعیل　　عبدالرشید

جلد ۸　　فہرست مضامین بابت ۲۹ جنوری ۱۹۲۶ء　　نمبر ۴

ہم تم:- (۱) زرداد (۲) شہر شہری اور شہریت (۳) نعیم پچیسی (حصّہ اوّل) (۴) موتیوں کی مالا (۵) سُنہری گیت (۶) بچّوں کے گیت۔ ان چھ کتابوں میں سے بہترین کتاب تم کسے سمجھتے ہو۔ جس کتاب پر سب سے زیادہ آراء موصول ہونگی۔ اس کتاب کے متعلق رائے دینے والوں میں سے ایک کو دو روپیہ کا انعام بذریعہ قرعہ اندازی تقسیم کیا جائیگا۔ رائے دیتے وقت اپنا خریداری نمبر بھی لکھنا چاہیئے۔ اور جوابات ۲۸۔ فروری ۱۹۲۶ء تک دفتر میں موصول ہو جانے چاہئیں　　ایڈیٹر

(مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ گوپالداس پرنٹر چھپا اور دارالاشاعت ادب لطیف کے لئے محمد اسمٰعیل لکھیسر پبلشر و پروپرائیٹر نے چیمبرلین روڈ لاہور شائع کیا)

دلچسپ معلومات

ایک فرنگی پادری نے ایک عجیب وغریب بائیسکل ایجاد کی ہے۔ جس پر چھ آدمی ایک وقت میں سوار ہو سکتے ہیں۔ اس کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ ایکبار پادری کو اپنے پانچ بچوں کو ساتھ لے جانا پڑا۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے اس نے دو بائیسکلوں سے پہیئے گیر۔ پائدان اور زنجیریں لے کر فریم۔ ایکسل اور آلات متحرک بنائے۔ اس سواری کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ چار بید کی لکڑیاں جن پر چھ آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ موزونیت سے لگائی گئی ہیں۔ چلانے کا طریقہ یہ ہے کہ بڑا بیٹا پائدان چلانے میں باپ کو مدد دیتا ہے۔ باقی اشخاص مزے سے بیٹھے گلگشت کرتے ہیں۔

نیویارک کے ایک پادری نے گرجا کی شکل کی موٹر بنائی ہے۔ اس کی غرض وغایت یہ ہے کہ صدائے وعظ وتلقین جگہ جگہ پہنچے۔ چنانچہ وہ خود اس میں سفر کرتا ہے۔ اس موٹر کے سامنے کھڑکیاں اور دروازے اوپر منارہ اور پیچھے میز موزونیت سے لگائے گئے ہیں۔ وعظ وتلقین کے وقت پادری صاحب میز پر تشریف رکھتے ہیں۔

ایک بائیسکل جس میں پائپ لگا ہوتا ہے۔ اشیائے تجارت کے اشتہار کا کام انجام دیتا ہے علاوہ ازیں اس سے سواری کا کام بھی لیا جاتا ہے۔

ایک ٹرائی سائیکل جو گلیوں کا کوڑا کرکٹ صاف کرتی ہے۔ فرانس کے دارالخلافہ پیرس میں ایجاد ہوئی ہے۔

ایک ایرموبیل جو آلہ پروپلر کی مدد سے چلتی ہے۔ ہوائی جہاز کے اجزا سے بنائی گئی ہے۔ اس کی رفتار پچاس میل فی گھنٹہ ہے۔

طاہر

سب سے اچھا دیش ہمارا

دیش ہمارا - ہم کو پیارا دل کا سہارا - جاں کا سہارا
دُنیا کی آنکھوں کا تارا سب مُلکوں کا راج دلارا
سب سے اچھا دیش ہمارا

ہری بھری ہے وادی ساری کھیل رہی ہے گنگا پیاری
زیبِ تن ہے دھانی ساری دیکھو تو جمنا کا دھارا
سب سے اچھا دیش ہمارا

کوہ ہمالہ کا وہ منظر عقل جہاں رہ جائے ششدر
اُونچائی میں چرخ کا ہمسر کتنا اچھا کتنا پیارا
سب سے اچھا دیش ہمارا

جگہ جگہ ہیں چشمے جاری چلتی ہے کیا بادِ بہاری
شام یہاں کی کیسی پیاری صبح کا ہے کیا خوب نظارا
سب سے اچھّا دیش ہمارا

تال میں پانی صاف بھرا ہے جس میں کنول کا پھول کھلا ہے
گایوں کا اک جُھنڈ کھڑا ہے گیت گوالے کا یہ پیارا
سب سے اچھا دیش ہمارا

کالی کالی گھٹا گھر آئی ساون کا پیغام یہ لائی
کھیتوں میں ہریاول چھائی جس پر ہے ہم سب کا گُزارا
سب سے اچھّا دیش ہمارا

رم جھم رم جھم برسے پانی		جیسے ہو نغموں کی روانی
کوئل کی ہے کوک سہانی		چلّا کر یہ مور پکارا
سب سے اچھا دیش ہمارا

رومی اور افغانی آتے		چینی اور جاپانی آئے
عربی اور ایرانی آتے		سب کے دل کو ہے یہ پیارا
سب سے اچھا دیش ہمارا

یورپ ہے انگشت بدنداں		دیکھے ایسا عیش کا ساماں
اس زرخیزی پر ہے حیراں		رشک سے ہے دل پارا پارا
سب سے اچھا دیش ہمارا

لڑتے ہیں باہم گھر والے		دیکھ رہے ہیں برابر والے
ہنستے ہیں سب باہر والے		عاقل کو کافی ہے اشارا
سب سے اچھا دیش ہمارا

ہائے یہ کیا دل میں ہے سمائی		لڑتے ہیں کیوں بھائی بھائی
ملک کی کرتے مل کے بھلائی		جس سے ہوتا اپنا گزارا
سب سے اچھا دیش ہمارا

آؤ روحی منگل گائیں		اپنے دیش کی خیر منائیں
آپس کے جھگڑے کو مٹائیں		رکھے اسے خوش پالن ہارا
سب سے اچھا دیش ہمارا

محمد زبیر روحی

چھوٹی چھوٹی کہانیاں

۱۔ تعلیم کا شوق

کلی ایتھینز یونان کا ایک مشہور آدمی تھا۔ اس کا جسم نہایت سڈول اور پھرتیلا تھا۔ اور کسرت اور مردانگی کے کھیلوں میں اپنے وقت کا یکتا تھا۔ لیکن اچانک اس کے دل میں تعلیم کا شوق پیدا ہوا۔ جی میں آئی۔ کہ چلو ایتھینز چلکر زینو کی شاگردی کرتے ہیں۔ جیب میں پھوٹی کوڑی تک نہ تھی۔ اور بدن کے کپڑے تار تار ہو چکے تھے۔ جب ایتھینز پہنچا۔ تو پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔ اس کے ساتھی طالب علم بڑے حیران تھے۔ کہ داخلہ اور فیس کے لئے روپے کہاں سے لے آتا ہے۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ کہ اس زمانے میں ہر روز فیس ادا کرنی پڑتی تھی۔ بعض نے خیال کیا۔ کہ کہیں سے چرا لاتا ہے۔

آخر کار لوگوں کو شک ہو گیا۔ اور وہ اُسے پکڑ کر حاکم کے پاس لے گئے۔ کلی ایتھینز نے اپنی صفائی کے لئے دو گواہ پیش کئے۔ ایک نے کہا۔ کہ مَیں ایک باغبان ہوں۔ ہر روز علی الصباح یہ شخص کھیتوں کو پانی دینے میں میری مدد کرتا ہے۔ اور مَیں اسے کچھ رقم روز دے دیتا ہوں دوسرا گواہ ایک بیوہ عورت تھی۔ جس نے کہا۔ یہ شخص مجھے آٹا پیس کر دے گیا تھا۔ اور مَیں نے اُسے کچھ معاوضہ دیا تھا۔ بس پھر کیا تھا۔ حاکم نے مسند سے اُتر کر جوانمرد لڑکے کو گلے سے لگا لیا۔ اور بہت سے تحفے نذر کئے لیکن اُس کے اُستاد زینو نے کہا۔ دیکھو اس لڑکے کو خراب نہ کرو۔ اسے اپنے حال پر رہنے دو۔

آج کل بھی بیسیوں ایسے

طالب علم ہر ایک مُلک میں موجود ہیں۔ جو تعطیلوں میں مختلف قسم کے کام کر کے تھوڑا بہت سرمایہ جمع کر لیتے ہیں۔ اور اس کی مدد سے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

۲- جادو کی انگوٹھی

ہندوستان کے کسی شہر میں ایک امیر آدمی رہتا تھا۔ اس کے پاس ایک نہایت قیمتی انگوٹھی تھی۔ جس میں ایک نہایت قیمتی نگینہ جڑا ہُوا تھا۔ لوگوں میں مشہور تھا کہ اس انگوٹھی میں یہ وصف ہے کہ جو کوئی اسے پہنتا ہے۔ وہ نہایت خوش خلق اور ہر دلعزیز بن جاتا ہے چنانچہ کئی پشتوں تک وہ انگوٹھی باپ سے بیٹے تک پُہنچتی رہی۔ آخرکار ایسا اتفاق ہُوا۔ کہ وہ انگوٹھی ایک ایسے آدمی کے پاس پُہنچی، جس کے تین بیٹے تھے۔ جب اس کی موت قریب آ پُہنچی، تو اُسے فکر دامنگیر ہوئی۔ کہ یہ انگوٹھی کسے دی جائے۔ مجھے تو تینوں لڑکے ایک سے پیارے ہیں۔ آخر اُس نے ایک سُنّار کو بلا کر اُس سے دو انگوٹھیاں اسی قطع وضع کی اور بنوالیں اور مرنے سے پہلے ہر ایک لڑکے کو علیحٰدہ علیحٰدہ اپنے پاس بُلا کر ایک ایک انگوٹھی دیدی۔

جب وہ تینوں لڑکے اُس کی آخری رسمیں ادا کر چکے، تو اُن میں سے ایک نے اپنی انگوٹھی کا ذکر کیا۔ کہ چونکہ اصلی انگوٹھی میرے پاس ہے اس لئے باپ کا اصلی جانشین مَیں ہوں۔ باقی دونوں لڑکوں نے بھی اپنی اپنی انگوٹھیاں نکالکر دکھائیں۔ اور ہر ایک نے اپنی ہی انگوٹھی کو اصلی خیال کیا۔ نوبت یہاںتک پُہنچی کہ یہ معاملہ عدالت میں جا پُہنچا۔ منصف بھی ان انگوٹھیوں میں کوئی تمیز نہ کر سکا آخر اس نے بہت کچھ سوچ بچار کے بعد ان سے کہا اس میں حیرانی کی بات کونسی ہے۔ تم میں سے جو آدمی عمدگی اور نیکنامی سے زندگی بسر کریگا۔ اسی کی انگوٹھی اصلی ہوگی۔ باقی سب نقلی۔ ونستنہ پرشاد

ہمیں شرافت کا ڈر ہے

حمید کا والد شام کا کھانا کھانے کے بعد گھر میں بیٹھا ہوا اپنے بچوں کی بھولی باتوں سے دل بہلا رہا تھا۔ چھوٹی حمیدہ اپنے باپ کے گلے میں ننھے ننھے ہاتھ ڈال کر اپنے پیارے پیارے اور چھوٹے چھوٹے فقروں سے باپ کے دل کو لبھا رہی تھی۔ اِدھر ایک پہلو میں حمید بیٹھا ہوا گزرے ہوئے دنوں کے حالات سُناتا تھا۔ کبھی باپ سے اپنے کسی ساتھی کی شکایت کرتا۔ کبھی اس سے اپنے بچوں کے سے سوالات کرتا تھا۔ تاہم اس کی باتیں اور اس کے سوال عام بچوں کے سے نہ تھے۔ وہ پرلے درجے کا عقیل و فہیم لڑکا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی ماں باپ اور دوسرے بزرگوں کی باتوں کو نہایت غور سے سُنتا۔ اور انہیں دل میں سوچا کرتا تھا۔

اس کی آج کی گفتگو جسے سُنکر نونہال بچوں کو اس کی عقل و فہم کا اندازہ ہو جائیگا۔ نہایت دلچسپ اور پُر معنی ہے۔ وُہ اپنے باپ سے کہنے لگا۔

"ابّا۔ شرافت کون ہے ؟"

باپ۔ "بیٹا شرافت کیسی ؟"

حمید۔ امّاں اکثر اپنے ملنے والیوں سے کہا کرتی ہیں۔ "بی ہماری شرافت اجازت نہیں دیتی۔ کہ ہم ایسا کام کریں۔" ابھی کل ہی کا ذکر ہے کہ پڑوسن کسی بات پر امّاں سے جھگڑنے لگی۔ تو امّاں نے کہا۔ "دیکھ بہن ہم سے خواہ مخواہ جھگڑا نہ کر۔ تیرے لئے تو لڑنا جھگڑنا کوئی ایسی بات نہیں۔ مگر ہمیں تو اپنی شرافت کا ڈر ہے۔"

باپ۔ "ہاں بیٹا تمہاری امّاں سچ کہتی تھیں۔

شرافت ایک نہایت اعلےٰ چیز ہے ہم ہمیشہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں شرافت ہم سے ناراض نہ ہو جائے "

حمید۔" تو کیا وہ لڑنے جھگڑنے سے ناراض ہو جاتی ہے ؟"

باپ۔" ہر ایک ایسا کام جسے لوگ بُرا جانیں اسے شرافت بھی ناپسند کرتی ہے۔ اور اس کے کرنے والے پر ناخوش ہوتی ہے۔"

حمید۔" اگر وہ ناراض ہو جائے تو کیا ہوتا ہے"

باپ۔" جس شخص سے شرافت ناراض ہو جائے اس کے لئے دُنیا میں زندہ رہنا بے سود ہے اس کی کوئی عزّت نہیں۔ کوئی شریف آدمی اسے اپنے پاس نہیں بٹھاتا۔ سب لوگ اسے حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اپنے ماموں زاد بھائی کی حالت دیکھ لو۔ کُتّے کی سی زندگی بسر کرتا ہے۔"

حمید۔" کیا اس سے بھی شرافت ناراض ہے؟"

باپ۔" ہاں اس سے شرافت اس قدر ناخوش ہے کہ اس نے اسے اپنی پناہ اور سائے سے بالکل نکال پھینکا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ہم لوگوں نے بھی اسے اپنے خاندان سے الگ کر دیا۔ اب گندے اور رذیل لوگوں میں اس کا اُٹھنا بیٹھنا انہی سے میل ملاقات اور انہی سے سارے تعلقات ہیں۔"

حمید۔" اس نے کیا ایسے بُرے کام کئے، جو شرافت اس سے ناراض ہو گئی۔"

باپ۔" پہلی بات تو یہ کہ اس نے کبھی سچّی بات نہیں کی۔ جس سے اس کا کسی کو اعتبار نہ رہا۔ دوسرے جب کسی کی چیز اکیلی پڑی دیکھتا۔ فوراً چُرا لیتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ کسی نے اس کو اپنے نزدیک نہ آنے دیا۔ تیسرے اس کی زبان نہایت گندی اور ناپاک ہو گئی۔ جس سے بولتا اُسے فحش گالیاں سُناتا۔ اس کا اثر یہ ہُوا کہ سب نے اس سے بولنا چھوڑ دیا۔ آخر

اس کے سب کام ایسے ہو گئے کہ ہر شریف آدمی اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتا اور اسے اپنے پاس نہ آنے دیتا۔"

حمید۔" اگر اماں پڑوسن سے جھگڑیں تو کیا اس سے بھی شرافت ناراض ہو جاتی ؟"

باپ۔" ہاں بیشک۔ اگر تمہاری اماں پڑوسن کے ساتھ اونچی اونچی آواز سے چلا چلا کر جھگڑیں تو سننے والے لوگ یہ کہتے کہ دیکھو یہ شریف عورت کیا برا کام کر رہی ہے۔ کہ ایک کمینی اور رذیل عورت سے اس طرح جھگڑ رہی ہے۔ یہ بات ہماری شرافت کو سنکر سخت ناگوار گزرتی اور وہ وہیں تمہاری اماں سے ناراض ہو جاتی۔"

حمید۔" یہ پڑوسن شرافت سے نہیں ڈرتی ؟"

باپ۔" اُن کے گھر شرافت ہے ہی نہیں ڈرے کس سے۔"

حمید۔" تو ان کے گھر کیا ہے ؟"

باپ۔ ان کے گھر رذالت ہے۔ جو شریفوں کے سے کام کرتے ہیں، ان کے گھر میں شرافت ہوتی ہے۔ اور جو رذیلوں کے سے کام کرتے ہیں، اُن کے گھر میں رذالت ہوتی ہے شرافت اور رذالت کا ہمیشہ آپس میں مقابلہ رہتا ہے جس گھر کو شرافت چھوڑ جائے اُس میں فوراً رذالت آموجود ہوتی ہے۔ اب تم اپنی پڑوسن کا حال سنو۔ تم دیکھتے ہو کہ وہ خود کیسی بیہودہ عورت ہے۔ تمام دن گھر میں شور مچاتی، اور اپنی اولاد کو گالی گلوچ دیتی رہتی ہے۔ اس کی کوئی بات ایسی نہیں جو شریف لوگوں کو پسند ہو۔ اولاد کی یہ حالت کہ بڑی لڑکی نہایت بے حیائی اور بے باکی کے ساتھ منہ سے شرم و غیرت کا پردہ اُٹھا کر کبھی جھومتی ہوئی اس گھر میں داخل ہو رہی ہے، کبھی کودتی ہوئی اُس گلی میں جا رہی ہے۔ غیروں کے گھروں میں جاتی ہے۔ تو ان کی شریف لڑکیاں اس کی بدتہذیبی اور دریدہ دہنی پر کانوں پہ ہاتھ رکھتی

ہیں۔ مگر وہ کمبخت، بے غیرت لڑکی ذرا محسوس نہیں کرتی، کہ دوسری لڑکیاں اسے کیسا حقیر جانتی ہیں۔ چھوٹی لڑکی کا یہ حال، کہ دن بھر پاؤں سے ننگی گلی میں شور مچاتی ہوئی، کبھی اس بچے کو چھیڑا، کبھی اس کو پیٹا، اس سے چار گالیاں کھائیں، اس سے بُرا بھلا سُنا۔ اگر چار لڑکیاں کھیلتی نظر آئیں، تو اُن میں جا دھمکی۔ کہیں لڑکے کھیلتے نگاہ پڑے، تو اُن میں جا کودی۔ غرضکہ محلہ بھر اس کی ان حرکتوں اور اس کے بدتہذیب ماں باپ پر پھٹکار اور لعنت بھیجتا ہے۔ اور وہ لڑکا ہے تو اس سے اللہ کی پناہ۔ تمام دن کتے ہانکتا اور کوے اڑاتا پھرتا ہے۔ اس کی زبان کیسی گندی اور فحش ہے۔ کہ سنکر شیطان بھی لاحول پڑھے۔ باپ کو شوق تھا کہ اسے کچھ تعلیم دلائے، مگر ایسی عادتوں والے لڑکے کبھی پڑھا کرتے ہیں۔ سکول میں دنگہ فساد کبھی کسی لڑکے کی کتاب اُٹھالی، کبھی کسی کی دوات چھپالی۔ اس سے لڑ۔ اس سے جھگڑ۔ چار دن میں سکول بھر کا ناک میں دم کردیا۔ آخر ماسٹر جی نے دھکّے دیکر باہر نکال دیا۔ اب پھرتے ہیں، میاں نہ گھر میں عزّت نہ باہر توقیر۔"

باپ کی یہ باتیں سُن کر حمید کے دل پر بڑا اچھا اثر ہوا اور اس نے دل میں عہد کرلیا۔ کہ وہ نہایت ہی شریف لڑکا بنے گا۔ اور ہمیشہ شرافت کے سائے میں رہیگا۔ امید ہے کہ نونہال بچّوں کے دل میں بھی شرافت کی عزّت اور رذالت کی نفرت ہوگئی ہوگی۔

مرزا شرقی

لطیفہ

ڈاکٹر۔ "کس بیوقوف ڈاکٹر نے تمہارے لئے یہ نسخہ تجویز کیا ہے؟"

مریض۔ "جناب آپ ہی نے۔" شیخ اسمٰعیل

محبّت اور رحمدلی

رابعہ ایک کمسن بھولی بھالی لڑکی تھی اُس کا بھائی اختر جو اس سے عمر میں دو سال بڑا تھا، اُس سے بہت محبت کرتا تھا۔ اختر جب کبھی گھر سے باہر کھیل کود میں مصروف ہوتا تو وہ اپنی بہن کو برابر یاد کرتا رہتا۔ ہر روز صبح کو اُس کا باپ اُسے کچھ پیسے دیا کرتا تھا۔ اور ہر روز وہ جب باہر سے گھر میں آتا تو عمدہ عمدہ کھانے کی چیزیں یا کھلونے اپنی پیاری بہن کے واسطے لاتا۔ اور تحفہ کے طور پر اُس کو دیتا۔

بعض لڑکوں کو یہ عادت ہوتی ہے کہ ماں باپ سے جو پیسے ان کو ملتے ہیں، وہ گھر سے باہر ہی کبھی اکیلے اور کبھی اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ ان کے پھل یا مٹھائی وغیرہ خرید کر کھا لیتے ہیں۔ مگر اختر کبھی ایسا نہ کرتا تھا۔ بلکہ ہمیشہ وہ اپنی بہن کو خوش کرنے کے لئے اچھی چیزیں لاتا تھا اور دونوں مل کر کھاتے تھے۔

ایک دن اختر بازار کی طرف گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک شکاری طرح طرح کے خوبصورت چھوٹے چھوٹے جانور ایک بڑے پنجرے میں لئے کھڑا ہے۔ اور لوگ اس کے اردگرد جمع ہیں۔ وہ بھی وہاں جا کر کھڑا ہو گیا۔ لوگ اپنی اپنی پسند کے مطابق چڑیاں خرید کر رہے تھے۔ اُس نے بھی ایک خوبصورت سُرخ و سبز رنگ کی چڑیا خریدنے کا ارادہ کیا۔ مگر اس کے پاس چڑیا اور پنجرے کی قیمت ادا کرنے کے لئے کافی دام نہ تھے۔ اس لئے وہ کچھ افسردہ ہو کر گھر واپس چلا آیا۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ ماں سے دام مانگنا اچھا نہیں شاید وہ ناخوش ہو جائیں۔ بلکہ روزانہ جو پیسے اس

کو ملتے ہیں۔ ان کو جمع کر کے چڑیا خرید نی چاہیئے۔

ایک ہفتہ تک اُس نے نہ پھل کھائے نہ مٹھائی، بلکہ جو کچھ اس کو ملا وُہ جمع کرتا رہا۔ جب اس کے پاس کافی دام جمع ہو گئے، تو وہ بازار گیا اور چڑیا خرید کر خوش خوش گھر واپس آیا۔

رابعہ کو پرندوں سے بہت محبت تھی اختر جب چڑیا لیکر گھر آیا تو وہ بہت خوش ہُوئی۔ دونوں چڑیا کو دانہ پانی دیتے اور اس کی آواز سُن کر خوش ہوتے۔

کچھ دِنوں کے بعد ایک دن صبح کے وقت اختر اور رابعہ چڑیا کا پنجرہ لئے ہُوئے ایک باغ میں گئے۔ جو ان کے مکان سے تھوڑے فاصلہ پر تھا۔ بہار کا موسم تھا۔ باغ میں طرح طرح کے پھُول کھلے ہُوئے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ درختوں کی شاخوں اور پھولوں سے لدی ہُوئی جھاڑیوں پر رنگ برنگ کے خوبصورت پرندے بیٹھے ہُوئے چہچہا رہے تھے۔ یا یوں کہنا چاہیئے، کہ وُہ خدا کی حمد کے گیت گا رہے تھے۔ اختر اور رابعہ اپنی چڑیا کا پنجرہ لئے ہُوئے اِدھر اُدھر باغ میں پھرنے لگے۔ ان کی چڑیا بھی اپنے ہمجنسوں کی آواز سُنکر بولنے اور پنجرے کی قید سے آزادی حاصل کرنے کے لئے پر پھڑ پھڑانے لگی۔

چڑیا کی بیقراری دیکھ کر رابعہ کے دِل پر بہت اثر ہُوا۔ اُس نے اپنے بھائی کو آواز دی۔ جو اس سے کچھ دُور ایک گلاب کے تختہ میں کھڑا ہُوا پھُول توڑ رہا تھا۔

رابعہ۔ "اختر! اختر! دیکھو ہماری چڑیا اُڑنے کے لئے کیسی بیقرار ہو رہی ہے۔ کیا میں پنجرے کی کھڑکی کھول دُوں؟"

اختر۔ "نہیں نہیں۔ چڑیا اُڑ جائیگی، تو پھر

ہاتھ نہ آئیگی۔"

رابعہ۔ "تو مَیں اُس کو اُڑانا ہی تو چاہتی ہوں۔ تاکہ یہ بھی دوسری چڑیوں کے ساتھ ہلکر ہوا میں اُڑتی پھرے۔ اور آزادی کے گیت گائے۔ دیکھو دوسرے پرندے کیسے اُڑتے اور پُھدکتے پھرتے ہیں۔ اور کیسے خوش و خرّم نظر آتے ہیں۔ تم کہو، تو مَیں پنجرے کی کھڑکی کھول دُوں۔"

رابعہ کی باتیں سُن کر اختر کے دِل پر بھی بہت اثر ہُوا۔ اور اُس نے خود اپنے ہاتھ سے پنجرے کی کھڑکی کھول دی۔ چڑیا پر پھڑپھڑا کر پنجرے سے نکلی، اور گلاب کے درخت کی ایک شاخ پر بیٹھ کر چہچہانے لگی۔

دونوں بھائی بہن ہنسی خوشی گھر آئے۔ اور اپنی ماں سے چڑیا کے چھوڑ دینے کا حال کہا۔ ماں نے اپنے بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرا، ان کو پیار کیا۔ اور اس رحمدلی پر ان کی بہت تعریف کی۔ اور دونوں کو انعام دیا۔

پیارے نونہالو! تم کو چاہیئے، کہ اپنے بھائی بہنوں سے محبت کرو۔ جانوروں اور پرندوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ۔ تاکہ تمہارے ماں باپ بھی تم سے خوش ہوں۔ اور خدا بھی جو سب کا پیدا کرنے والا اور ماں باپ سے زیادہ مہربان ہے۔ خوش ہو۔

نیاز رازی چاندپوری

مہمان نوازی

رات کے دس بجے ہیں۔ چاند کی ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی عرب کے ریگستان پر چمک رہی ہے۔ ریت کے اُونچے اُونچے

ٹیلے ہر طرف پھیلے ہُوئے ہیں۔ سامنے کھجوروں کا ایک جُھنڈ ہے۔ جس کے نیچے خانہ بدوش بدّوؤں کے خیمے نصب ہیں۔ سب سے علیٰحدہ ایک کھجور کے نیچے سردارِ قبیلہ کا خیمہ ہے۔ سردار اس وقت باہر کھڑا ہے۔ وُہ بڑا متفکر نظر آتا ہے۔ دُنیا و مافیہا کی اُسے کچھ خبر نہیں۔ یکایک وُہ آنکھیں اُٹھا کر ایک طرف دیکھتا ہے۔ ایک شخص بدحواسی کے عالم میں بھاگتا ہُوا اُس کی طرف آتا ہے۔ اور اُس کے قدموں پر گر کر کہتا ہے۔ "اے سردار! مجھے بچا۔ دُشمن میرے تعاقب میں ہیں۔ جو آتے ہی مجھے مار ڈالینگے۔ مَیں بھاگ کر یہاں پُہنچا ہوں۔ مجھے سر چھپانے کو جگہ دے۔ مَیں تیرے پاس پناہ لینے آیا ہوں۔ سردار یوسف سُن! مَیں تیرے پاس آیا ہوں۔ جسے تمام قبیلوں میں رحمدل یوسف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔"

سردار یوسف نے نرمی سے کہا۔ "آ! اندر آ اور اپنے آپ کو محفوظ خیال کر، اور اُس خُدا کے دِئے ہُوئے رزق میں سے کھا جس کے دروازے سے کوئی بھی مایوس نہیں جاتا۔"

یوسف نے ساری رات اجنبی کی خدمت میں گزاری، صبح سویرے جگایا۔ اور ایک تھیلی دیکر کہنے لگا۔ یہ لو سونا، اور میرے تیز رفتار گھوڑے پر، جو باہر تیار کھڑا ہے سُورج طلوع ہونے سے پہلے بھاگ جاؤ۔"

اجنبی نے شرم سے گردن جُھکالی۔ وُہ سردار کے بیٹے کا قاتل تھا۔ لیکن یوسف بدلہ لینے کی بجائے یہ سلوک کر رہا تھا۔ اجنبی گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کہنے لگا۔ "سردار! مَیں تجھے چھوڑ نہیں سکتا، آہ! سردار یوسف! مَیں ہی وہ بدقسمت ابراہیم ہوں، جس نے تمہارے بیٹے کو قتل کیا۔ اب تم مجھے قتل کر کے

اُس کا بدلہ لے سکتے ہو۔"

یوسف نے جواب دیا۔" یہ لے، دو گنا سونا لے، اور بھاگ جا، پھر واپس نہ آنا۔ بھاگ جا۔ اور میرے خیال بد (یعنی بیٹے کے خون کے بدلہ کے خیال) کو بھی ساتھ لیتا جا۔"

یہ سُنکر ابراہیم نے سونا لے لیا۔ اور گھوڑے پر سوار ہو کر یہ جا وہ جا آن کی آن میں نظروں سے غائب ہو گیا۔ سردار یوسف دیر تک اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ اور پھر کہنے لگا۔" میرے پیارے اکلوتے بیٹے! خوش ہو۔ کیونکہ مَیں نے تیرے قاتل سے بدلہ لے لیا۔ اب سو جا، اور قیامت تک میٹھی نیند کے مزے لے۔

(ماخوذ)

احمد نظامی

لطیفہ

مقروض جاٹ جب ساہوکار کے گھڑی گھڑی کے تقاضے سے تنگ آگیا۔ تو ایک روز اس کو گاؤں سے باہر لے جا کر کہنے لگا۔

جاٹ۔" سیٹھ صاحب لیجئے۔ آپ کا تمام قرضہ ابھی ادا کرتا ہوں۔"

اتنا کہکر جاٹ ایک درخت پر چڑھ گیا۔ اور اپنی پگڑی اُتار کر پھانسی لینے لگا۔

ساہوکار (گھبرا کر)" ہیں ہیں۔ یہ کیا کرنے لگے ہو۔ ایشور کے لئے ایسا کام نہ کرو۔ نیچے اُتر آؤ۔"

جاٹ۔" آپ نے مجھے نہایت تنگ کر رکھا ہے۔ اور اس کا علاج سوائے اِس کے اور کچھ نہیں۔ کہ خودکشی کر لوں۔"

ساہوکار۔" مَیں نہایت منت سے کہتا ہوں کہ نیچے آجاؤ۔ مَیں تمام قرضے میں سے

دس روپے چھوڑ دیتا ہوں۔"

جاٹ ۔" ہرگز نہیں۔"

ساہوکار ۔" اچھا اب جانے بھی دو۔ بیس روپے اور چھوڑتا ہوں۔"

جاٹ ۔" اوں۔ اوں۔"

ساہوکار ۔" ایشور کے واسطے اب نیچے آجاؤ۔ پچاس روپے تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔ اور باقی پچاس روپے مجھے دیدینا۔

جاٹ اتنا سُنکر نیچے اُتر آیا۔ اور دونوں گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں ساہوکار نے کہا۔

"چوہدری صاحب اب بقایا روپے کب ادا کرو گے۔"

جاٹ ۔" سیٹھ جی تمہیں تسلّی رکھنی چاہیے جہاں پچاس روپے ہنستے کھیلتے ادا کر دِئے ہیں۔ وہاں بقایا رقم بھی بہت جلد ادا کر دیجائیگی۔

سیّد غلام مصطفےٰ

کتابیں

کتابیں پاکیزگی و شرافت کا سبق سکھاتی ہیں۔ اور انہیں ہمیں شوق سے مطالعہ کرنا چاہیئے ان میں ایسے مضامین ہوتے ہیں۔ جن سے ہر ایک شخص کو مدد مِل سکتی ہے۔ (ورڈز ورتھ)

مَیں بہت سی کتابوں کے ساتھ کسی تیرہ و تار مکان میں غریب بن کر رہنا ایسا بادشاہ بننے سے زیادہ پسند کرونگا۔ جس کو مطالعہ کتب کا ذوق و شوق نہیں۔ (مکالے)

مرحبا میری کتابو! میرے سچّے اور اصلی دوستو!! تمہاری گفتگو میری مسرت اور ترقی کا باعث ہے۔ (ویلیش)

ممکن ہو تو ہر شخص کو چند عمدہ کتابیں جمع کرنی چاہیئیں، تقریباً ہر شوق کی چیز اس شوق پر قربان کی جا سکتی ہے۔

(ڈاکٹر ڈبلیو۔ ای چیننگ)

صادق ایوبی

قیمت سالانہ پانچ روپے | رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۴۱۵ | قیمت ششماہی ۲ فی پرچہ

آنریری ایڈیٹر:-
حکیم احمد شجاع بی اے (علیگ) سیّد غلام رسول طاہر جالندھری
ایڈیٹرز:-
محمد اسمٰعیل عبدالرشید

جلد ۸ فہرست مضامین بابت ۸۔ فروری ۱۹۲۶ء نمبر ۵

ہم تم۔ نونہال ہر ہفتہ تمہاری دلچسپی کے سامان ہم پہنچاتا ہے تمہیں نئے نئے لطیفے اخلاقی کہانیاں اور گیت سناتا ہے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ یہ اس سے بھی بہتر ہو جائے۔ تو اپنے دوستوں کو اس کی خریداری پر آمادہ کرو۔ اور اگر خود خریدار نہیں ہو، تو آج ہی سے خریدار بن جاؤ۔ قیمت سالانہ پانچ روپیہ ششماہی دو روپیہ دس آنہ فی پرچہ ۲ر۔

(مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ گوپال داس پرنٹر چھپا۔ اور دارالاشاعت ادب لطیف کے لئے محمد اسمٰعیل لکھیسر پبلشر و پروپرائیٹر نے چمبرلین روڈ لاہور سے شائع کیا)

دلچسپ معلومات

امریکہ کی بائیبل سوسائٹی نے پچھلے سال انجیل کی ستّر لاکھ جلدیں شائع کیں۔ انجیل کے ترجمے دُنیا کی آٹھ سو مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ کیا دُنیا میں کوئی اور بھی ایسی کتاب ہے جس کی اشاعت سال بھر میں اتنی ہوتی ہو؟ قرآنِ کریم اور گیتا کے ترجمے کتنی زبانوں میں ابتک شائع ہُوئے ہیں؟ اس کی کیا وجہ ہے؟

ریاستہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا کی درمیانی سرحد پر پانچ خوشنما جھیلوں کا ایک خوبصورت مجموعہ ہے۔ یہ جھیلیں ایک دوسرے سے بالکل قریب ہیں۔ اور ان کو مختلف دریا آپس میں ایک دوسرے سے ملاتے ہیں۔

ان جھیلوں میں ایک کا نام ایری اور ایک کا اونٹیرلو ہے۔ ان دونوں کو دریائے نائیگرا آپس میں ملاتا ہے۔ اس دریا کی لمبائی کل ۳۲ میل ہے۔ لیکن اس دریا پر ایک بہت بڑی آبشار ہے۔ جہاں ڈیڑھ سو فٹ کی بلندی سے پانی گرتا ہے۔ اس آبشار کا نام نائیگرا فال ہے۔

اہلِ امریکہ نے یہاں بجلی کا بہت بڑا کارخانہ قائم کیا ہے۔ اسی مرکز سے بجلی تمام مُلک میں پھیلائی گئی ہے۔ ماہرینِ فن نے اندازہ لگایا ہے کہ پانی کی روانی سے اس آبشار کی بلندی ہر سال پانچ فٹ کٹتی جاتی ہے۔ جس سے اندیشہ ہے کہ تیس سال میں یہ آبشار بالکل کٹ جائیگی۔ اور دریا کی سطح بالکل برابر ہو جائیگی۔ اور بجلی کا کارخانہ برباد ہو جائیگا۔

بڑے بڑے انجنیر اس فکر میں ہیں۔ کہ پانی زمین کو نہ کاٹ سکے۔ اُنھوں نے چند مصنوعی طریقے ایسے نکالے ہیں کہ پانی زمین کو نہ کاٹ سکے گا۔

عبد الستار خاں

ایک بچّہ چڑیا سے باتیں کرتا ہے

پیاری چڑیا پیاری چڑیا اچھّی چڑیا ننھّی چڑیا
اُڑ کر میرے ہاتھ پہ آجا ہاتھ پہ آکر گیت سُنا جا
آہم دونوں مل کر گائیں امّاں جی کا دل بہلائیں
میرے ہاتھ سے دانہ کھالے ڈرتی کیوں ہے آکے اُٹھالے
لے مَیں ہاتھ کو اونچا کر دوں مُنہ کھولے تو منہ میں دھر دوں
اچھی چڑیا تجھ کو کیا ہے رہ رہ کر یہ ڈرتی کیا ہے
مَیں بھی بھولا تو بھی بھولی مل کر کھیلیں آنکھ مچولی
مَیں نے اپنے پاس بُلایا تُو نے اُلٹا شور مچایا
تیکھی بات کہی کیا ایسی کھونٹی پر یہ چوں چوں کیسی
آہا! آخر آ ہی گئی تو ہاتھ سے دانہ کھا ہی گئی تو

تھوڑا سا اب پانی پی لے
پھر مَیں سنونگا گیت رسیلے

لبھورام جوش ملسیانی

گلیور کا بحری سفر

پہلا باب

"میرا باپ نوٹنگھم شائر میں ایک چھوٹی سی جاگیر کا مالک تھا میرے پانچ بھائی تھے۔ جن میں سے دو مجھ سے بڑے تھے۔ جب میں چودہ سال کا ہوا تو مجھے کیمبرج کے ایمینویل کالج میں بھیج دیا گیا۔ جہاں میں تین سال رہا۔ اور بڑی جدّو جہد سے تعلیم میں کوشاں رہا۔ چونکہ میرے باپ کی قلیل آمدنی کی وجہ سے میرے اخراجات برداشت نہ ہو سکتے تھے۔ اس واسطے مجھے کیمبرج سے بلالیا گیا۔ اور لنڈن میں ایک مشہور ڈاکٹر جیمس کے پاس بٹھلایا گیا اس کے پاس میں چار سال تک کام کرتا رہا۔ میرا باپ کبھی کبھی تھوڑی سی رقم بھیجتا تھا۔ جسے میں فنِ جہازرانی اور حساب کی اُن شاخوں کے سیکھنے میں صرف کر دیتا تھا۔ جو کہ سفر کرنے والوں کے واسطے مفید ہیں۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ مجھے بھی کبھی سفر در پیش آئیگا۔

چار سال کے بعد مسٹر جیمس کو چھوڑ کر میں اپنے گھر گیا۔ میرے باپ اور چچا نے مجھے چالیس پونڈ عطا کئے۔ اُنہوں نے یہ بھی وعدہ کیا۔ کہ لنڈن میں مجھے گزارے کے واسطے تیس پونڈ سالانہ اور دینگے۔ وہاں میں دو سال سات ماہ تک علم طبیعات پڑھتا رہا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ یہ علم بحری سفر میں میرے واسطے مفید ہوگا۔ اس کے بعد میرے نیک آقا ڈاکٹر جیمس نے سوالو جہاز کا ڈاکٹر ہونے کے لئے اُس جہاز کے کپتان سے میری سفارش کی۔ اُس جہاز میں میں نے ساڑھے تین سال تک لیونٹ اور دوسرے کئی حصوں میں بحری سفر کئے۔

جب مَیں واپس آیا۔ تو مَیں نے لنڈن میں بودوباش اختیار کرنے کی ٹھان لی۔ اس کے لئے میرے آقا مسٹر جیمس نے میری حوصلہ افزائی کی۔ اور کئی بیماروں کے پاس سفارش بھی کی۔ مَیں نے اولڈ جیوری (کوچہ کا نام ہے) میں ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لے لیا۔ اور مَیں نے مسز برٹن سے شادی کر لی۔ وہ نیوگیٹ کے ایک جراب فروش مسمی ایڈمنڈ برٹن کی بیٹی تھی۔ دو سال کے بعد میرا نیکدل آقا فوت ہو گیا۔ اور میرا کوئی دوست نہ رہا۔ اس لئے میرے کام میں تنزّل آنا شروع ہو گیا۔ لیکن میرا ضمیر اس بات کی اجازت نہ دیتا تھا۔ کہ اپنے دوسرے ڈاکٹر بھائیوں کی طرح مَیں بھی بُرے طریقے استعمال کروں۔ اس لئے مَیں نے اپنی بیوی اور بعض دوستوں کی رائے سے پھر بحری سفر کا ارادہ کیا۔ اور مَیں یکے بعد دیگرے دو جہازوں کا ڈاکٹر رہا۔ اور جزائر شرق و غرب الہند کی طرف چھ سال تک کئی بحری سفر کئے۔ اور اس سے میرے سرمائے میں کچھ زیادتی ہو گئی چونکہ مَیں کتابوں کا بہت مشتاق تھا اس واسطے مَیں اپنا فرصت کا وقت زمانہ قدیم اور حال کے مشہور مصنّفوں کی کتابوں کے پڑھنے میں صرف کیا کرتا۔ جب ہمارا جہاز کنارے پر ہوتا تو مَیں اُس مُلک کے لوگوں کی عادات و اطوار کے مشاہدہ کرنے اور اُن کی زبان سیکھنے میں گزارتا تھا۔ چونکہ میری قوتِ حافظہ بہت تیز تھی۔ اس لئے اُن کی زبان سیکھنے میں مجھے بڑی آسانی ہوتی تھی۔

(باقی پھر)

سیّد غلام مصطفٰے

نوٹ

خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں۔ "مینجر"

دلچسپ حکایت

چند لوگ رمضان کے مہینے میں یہ باتیں کر رہے تھے۔ کہ "اگر ہم کام کاج کے لئے باہر نہ نکلیں۔ اِدھر اُدھر نہ پھریں۔ اور زیادہ بات چیت نہ کریں۔ تو روزہ آسانی سے گزر سکتا ہے۔ ساتھ ہی ان دنوں دوپہر کو آرام بھی زیادہ کرنا چاہیئے۔"

اللہ دتا جولاہا بھی وہاں کھڑا یہ باتیں سُن رہا تھا۔ فوراً گھر گیا اور اپنی بیوی سے کہا "مجھے جلدی روٹی دو۔" بیوی نے جواب دیا۔ کہ "تُو تو ابھی روٹی کھا کر گیا ہے۔" اللہ دتا نے کہا۔ "بس میں روزہ رکھنے لگا ہوں اُونچی اُونچی باتیں کرنا جائز نہیں ہے۔" الغرض روٹی کھائی اور ڈیوڑھی میں چارپائی پر لیٹ رہا اور دروازہ بند کر دیا۔

وہ لیٹتے ہی یہ سوچنے لگا۔ کہ کس پہلو کروٹ بدلوں کہ روزہ ٹوٹنے نہ پائے۔ اتنے میں اس کا دوست اللہ دین اُس کی ملاقات کے لئے آیا۔ اور باہر سے دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا۔ خوب چلّا چلّا کر آوازیں دیں لیکن جواب ندارد۔ جب وہ چُپ ہو گیا تو اللہ دتا نے آہستہ سے کہا۔ "افسوس میں نے روزہ رکھا ہوا ہے۔ اس لئے دروازہ کھولنے سے معذور ہوں۔" جب اللہ دین نے بہت اصرار کیا، تو اللہ دتا اُٹھا اور آہستہ سے دروازہ کھول دیا۔ دوست نے کہا۔ "خوب آج آپ اتنے پرہیزگار ہوئے کہ آواز دینے سے بھی معذور ہو گئے۔" اللہ دتا نے جواب دیا کہ "آہستہ آہستہ باتیں کرو۔ میں روزہ اکیلا ہی چارپائی پر چھوڑ آیا ہوں۔ اگر اس نے ہماری آواز سُن لی۔ تو فوراً ٹوٹ جائیگا۔"

ان کی گفتگو سُن کر اللہ دتا کی عورت بھی باہر نکل آئی۔ اللہ دتا نے فوراً دو تین دوہتھڑ

رسید کئے۔ اور کہا تجھے معلوم نہیں کہ مَیں نے روزہ رکھا ہُوا ہے۔ اور تو باہر اندر پھر رہی ہے۔ اگر میرا روزہ ٹوٹ گیا تو تجھے جیتا نہیں چھوڑوں گا۔"

اتنے میں وہ سب اندر داخل ہُوئے تو دیکھا کہ چارپائی پر کچھ نہیں۔ البتہ ایک چوہا اِدھر اُدھر پھر رہا ہے۔ اللہ دتا سمجھا کہ یہی میرا روزہ چٹ کر گیا ہے۔ فوراً اسے مار ڈالا۔ اور صبر و شکر کر کے بیٹھ رہا۔

دوسرے دن ایک جلسہ منعقد ہُوا۔ اور بڑے بڑے علماء نے رمضان شریف کی فضیلت کی بابت تقریریں کیں۔ اللہ دتا فوراً اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اور یہ سوال پیش کر دیا کہ "جس شخص کا روزہ چوہا کھا جائے۔ اور وہ شخص چوہے کو مار ڈالے۔ تو پھر اُس شخص کو کچھ اجر ملیگا یا نہیں۔" ایک مولوی نے اس بات کو مذاق سمجھا اور مذاقیہ ہی جواب دیا۔ کہ "اُس شخص کو واجب ہے کہ وہ اُس چوہے کو کھا لے۔

اللہ دتا نے کہا۔ "مَیں آئندہ کبھی روزہ نہیں رکھونگا۔ ممکن ہے کہ کل کوئی کُتا میرا روزہ لیجائے، تو مجھے وہ کُتا بھی کھانا پڑے۔"

تمام لوگ اس کی بیہودہ گفتگو سُنکر بہت ہنسے۔ اور اسے کہنے لگے۔ کہ "آئندہ ایسا روزہ نہ رکھنا۔ جسے چوہے اور کُتے لے جائیں۔

اسلام الدین

قومی ہمدردی

ایک خدا دوست اور نیکدل بادشاہ نے دشمنوں کی فوج پر حملہ کیا۔ خدا کا فضل اس کے ساتھ تھا۔ اس نے فتح پائی۔ اور بہت سا غنیمت کا مال ہاتھ آیا۔

غنیمت کے مال میں اور چیزوں کے

علاوہ مرد بھی تھے۔ اور عورتیں بھی۔ اور انہیں عورتوں میں ایک ایسے شخص کی لڑکی بھی تھی جو اپنی زندگی میں اپنی سخاوت کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ خدا دوست اور نیک دِل بادشاہ نے جب یہ خبر سُنی، تو اس لڑکی کو رہا کرنے کا حکم دِیا۔

خدّام نے ارشاد کی تعمیل کی۔ مگر اس لڑکی نے رہا ہونے سے انکار کر دِیا۔ اور کہا۔ "میں اس لئے رہا کی جارہی ہوں۔ کہ میرا باپ سخاوت کرنے والا اور نیکدل تھا۔ مگر وہ پہلے دوسرے کو کھلاتا، اور بعد میں خود کھاتا تھا۔ پہلے دوسرے کو کپڑا پہناتا اور بعد میں آپ پہنتا تھا۔ غرضکہ دوسرے کو آرام پہنچانے کے بعد خود انعام حاصل کرتا تھا میں اس باپ کی بیٹی ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ خود رہا ہونے کے بعد اپنے گھر جا کر بیٹھ جاؤں اور میرے دوسرے بھائی اور بہنیں تمہاری غلامی کی تکلیفیں اُٹھائیں۔ اور سختیاں جھیلیں میری خوشی اُن کی خوشی اور میرا آرام اُن کا آرام ہے۔ میری جنّت وہی ہے۔ جہاں دوست و احباب ہوں۔ میں وہاں ہی رہونگی جہاں یہ ہیں۔"

خُدا دوست اور نیکدل بادشاہ نے اس قومی ہمدرد لڑکی کی تقریر سُنی تو فرمایا۔ "اس لڑکی کا باپ بہت سخی تھا۔ اور اُسے مجھ سے کوئی دشمنی نہ تھی۔ میں اس کو رہا کرنا چاہتا ہوں۔ اگر وہ اس طرح اکیلی اپنے گھر نہیں جاتی تو اس کے ساتھ جتنے مرد اور عورتیں ہوں سب کو رہا کر دو۔" سب کو رہا کر دیا گیا۔ اور وُہ لڑکی اپنے قومی بھائی اور بہنوں کے ساتھ خوشی خوشی اپنے گھر کو چلی گئی۔

اس واقعہ کو صدیاں گزر گئیں مگر اس کی قومی ہمدردی کی یاد اب تک لوگوں کے دلوں پر موجود ہے۔

احمد وجودی

ہمیشہ زندہ کون ہے

ایک امیر آدمی گردشِ زمانہ سے غریب ہوگیا۔ اس کی بیوی اور بال بچے موت کا شکار ہو گئے۔ وہ ہر وقت اداس اور مغموم رہنے لگا۔ زندگی کے باقی دن گزارنے مشکل ہو گئے۔ ایک دن وہ اسی حالت میں کسی خدارسیدہ فقیر کے پاس گیا۔ تاکہ اس رنج والم سے کسی طرح نجات حاصل کرے۔ اس نے فقیر کے پاس اپنی تمام حالت بیان کی۔ اور کہا۔ کہ" اس دنیا میں میرا زندہ رہنا بہت محال ہے۔ نہ تو مجھے موت آتی ہے۔ اور نہ ہی زندگی کا کچھ لطف حاصل ہوتا ہے۔ مجھے کوئی ایسا طریقہ بتائیے جس سے میرا زمانہ مستقبل بغیر کسی رنج و ملال کے گزر سکے۔ تاکہ میں ان وسوسوں سے چھوٹ جاؤں۔ اور میرے دل سے پیارے بیٹوں اور بیوی کا صدمہ دور ہو جائے۔"

فقیر۔ "میں نے آپ کی تمام حالت سُن لی ہے اور اس کا علاج بھی ابھی آپ کو بتائے دیتا ہوں۔ اچھا۔ آپ یہ بتائیں کہ آپ کا کوئی باغ بھی ہے یا کہ نہیں۔"

امیر۔ "ہاں ہے تو سہی۔"

فقیر۔ "اچھا۔ تو پھر آپ ہر روز باغ کی سیر کریں۔ اور پھولوں سے دل بہلائیں۔ جو کچھ آپ کو باغ میں تغیر و تبدل نظر آئے۔ ایک ماہ کے بعد مجھ سے آکر بیان کریں۔"

امیر آدمی نے فقیر کو سلام کیا۔ اور خوشی خوشی گھر چلا آیا۔ اس کے بعد وہ ہر روز باغ کو جاتا۔ اور خوش رنگ پھولوں کو دیکھتا صبح کے وقت ان غنچوں کو جن پر شبنم کے قطرے نمودار ہوتے تھے۔ دیکھ دیکھ کر نہایت مسرور ہوتا۔ اور وہ مسرت سے جھومنے لگ جاتا۔ بلبلوں اور خوش الحان

پرندوں کا چہچہانا اس کے دل پر عجیب اثر کرتا۔ مگر جو پھول آج کھلتے تھے۔ وہ دو تین دن کے بعد مرجھا جاتے تھے۔ امیر آدمی متواتر تفریح طبع کے لئے باغ میں آتا۔ اور واپس چلا جاتا۔ کچھ عرصے کے بعد خزاں کا موسم آگیا۔ اس وقت نہ تو وہ غنچے جن پر شبنم کے قطرے ٹپکتے تھے۔ باغ میں نظر آتے تھے اور نہ ہی وہ خوش رنگ پھول۔ بلبلوں کا چہچہانا بھی موقوف ہوگیا تھا۔ پودوں کی سوکھی ہوئی ٹہنیاں اور خار ہی خار ہر چہار طرف دکھائی دیتے تھے۔ وہ پھول جن کو دیکھ کر دل خوش ہوتا تھا۔ اس وقت اپنی بدنصیبی پر ماتم کر رہے تھے۔ غرضکہ باغ میں جدھر دیکھو، اداسی اور حسرت برس رہی تھی۔ ایک دن وہ امیر اس فقیر کی جھونپڑی کی طرف روانہ ہوا۔ جس کے پاس پہلے آیا تھا۔ اُس نے آتے ہی اپنی تمام سرگزشت کہہ سنائی۔

فقیر نے اس کی داستان سنکر کہا:۔

"کیا تو نے نہیں دیکھا۔ کہ کیسے کیسے خوبصورت اور خوشنما پھول اپنی بہار دکھا کر تیری نظروں کے سامنے مرجھا گئے۔ ننھی ننھی کلیاں خزاں کے ہاتھوں پائمال ہوگئیں۔ تمام پودے سوکھ گئے۔ بلبلیں اور خوش الحان پرندے اپنے اپنے راگ الاپ کر خاموش ہوگئے۔ خدائی کارخانے کا نظام اسی طرح ہے۔ اس دنیا میں بقا کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی ہوگی۔ اپنی اپنی باری آگے پیچھے سب نے چلے جانا ہے۔ تو پھر تو کیوں اداس ہے۔ تجھے چاہئے۔ کہ اس سے محبت پیدا کرے، جو پھولوں کو پیدا کرتا اور پھر انہیں مرجھا دیتا ہے۔ پس وہ کون ہے۔ ایک

"ذات باری تعالےٰ"

جسے فنا نہیں۔ اور جو دائم قائم ہے

ارے میاں ؎

دھن دولت آنی جانی ہے
یہ دنیا رام کہانی ہے
یہ عالم عالمِ فانی ہے
باقی ہے ذات خدا بابا

جا۔ اور تمام رنج و فکر اپنے دِل سے بھُلا دے۔"

امیر نے کچھ دیر غور کرنے کے بعد کہا۔ کہ واقعی اس فقیر کا کہنا درست ہے۔ مَیں تو اتنا عرصہ بھُولا ہی رہا۔

اس دن کے بعد اس نے اس حقیقی محبوب کے ساتھ دِل لگا لیا۔ جو سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور باقی تمام عمر ہنسی خوشی گزار دی۔

سچ ہے جو اللہ تعالےٰ پر بھروسہ رکھتے ہیں، انہیں کسی بات کا فکر نہیں۔

عبدالرشید تبسم

اچھّی اچھّی باتیں

۱۔ جو بات تُو چھپانا چاہتا ہے۔ اُسے کسی سے بھی نہ کہہ۔ خواہ کوئی تیرا کتنا بھی سچّا و گہرا دوست کیوں نہ ہو۔ کیونکہ داناؤں کا مقولہ ہے۔ کہ اس بات سے چُپ رہنا زیادہ اچھّا ہے۔ کہ اپنے دل کی بات کسی سے بیان کرنا اور پھر اُس سے کہنا کہ یہ بات کسی سے نہ کہنا۔

۲۔ دو دشمنوں کے درمیان ہرگز ایسی بات نہ کرنی چاہیے کہ جس وقت وہ آپس میں دوست بن جائیں، تو تجھے شرمندہ ہونا پڑے۔

معقول جواب

ایک بادشاہ ایک عقلمند سے:۔ "مَیں چاہتا ہوں کہ تجھے اس شہر کا قاضی بنا دوں۔"
عقلمند۔ "مَیں اس کام کے لائق نہیں ہوں۔"

بادشاہ۔ "کیوں؟ میں تو تمہیں اس شہر کا سب سے فاضل آدمی سمجھتا ہوں۔

عقلمند۔ "اگر میں نے پہلی بات سچ کہی ہے تو مجھے قاضی کے عہدے معاف رکھنا چاہئے۔ اور اگر میں نے جھوٹ بولا ہے تو جھوٹ بولنے والے کو قاضی بنانا ٹھیک نہیں۔

بادشاہ۔ "بہت اچھا! جو کچھ آپ نے فرمایا ہے۔ بجا فرمایا ہے۔ اب کسی دوسرے کو تلاش کئے لیتا ہوں۔

منشی عبدالغفور منشی فاضل

ایک مینڈک اور سنہرا گیند

بہت زمانہ گزرا کہ صبح کے وقت ایک شہزادی جنگل میں گئی۔ اور کسی دریا کے کنارے بیٹھ کر اپنا سنہرا گیند ہوا میں اچھالنے لگی۔ اور خوش ہونے لگی۔

شہزادی اسی طرح گیند اچھال رہی تھی کہ یکایک وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دریا میں گر پڑا۔ دریا بہت گہرا تھا شہزادی کو جرات نہ ہوئی کہ خود گیند نکال لاتی کنارے پر بیٹھ گئی۔ اور رو رو کر کہنے لگی۔ "جو کوئی میرا سنہرا گیند نکال دیگا تو میں جو کچھ وہ مانگیگا دونگی۔"

شہزادی یہ کہہ ہی رہی تھی کہ اتنے میں ایک مینڈک نے دریا سے سر نکال کر پوچھا۔ "شہزادی کیوں روتی ہو۔" اس نے جواب دیا کچھ نہیں میرا سنہرا گیند دریا میں گر پڑا ہے۔ یہ سنکر مینڈک بولا۔ کہ میں وہ گیند ابھی نکالے لاتا ہوں۔ لیکن تم وعدہ کرو کہ مجھے اپنے ساتھ رکھو گی۔ ساتھ کھلاؤ گی۔ ساتھ سلاؤ گی۔

شہزادی نے یہ سنکر دل میں خیال کیا کہ مینڈک دیوانہ ہے۔ کیسی بیہودہ باتیں کرتا ہے

مَیں تو اس کو اپنے ساتھ کبھی نہ رکھوں لیکن گیند نکلوانے کے لئے دیکھو مَیں کیسا دم دیتی ہوں۔ کہنے لگی۔ "اچھا اگر تم میرا سُنہرا گیند نکال لاؤ گے، تو مَیں اقرار کرتی ہوں کہ جو کچھ تم نے کہا ہے وہ پُورا کرونگی۔"

یہ سُنکر مینڈک نے غوطہ لگایا اور تھوڑی دیر کے بعد سُنہرا گیند لاکر زمین پر ڈال دیا۔

شہزادی گیند اُٹھا کر چمپت ہوئی۔ اور مینڈک بیچارا پکارتا ہی رہا۔ کہ ٹھہرو اپنا وعدہ پُورا کئے جاؤ۔ لیکن وہاں کون سُنتا تھا۔

شام کے وقت شہزادی کھانے کی میز پر بیٹھی ہی تھی کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اور آواز دی۔ "اے شہزادی دروازہ کھولو کیا وہ وعدہ جو تم نے دریا کے کنارے کیا تھا بھول گئیں۔"

شہزادی نے اُٹھ کر دروازہ کھولا، تو کیا دیکھتی ہے کہ وہی مینڈک موجود ہے۔ سہم گئی۔ اور اُلٹے پاؤں دروازہ بند کر کے بھاگی۔ باپ نے یہ حالت دیکھ کر پوچھا۔ کہ کیوں کیا ہے؟

شہزادی نے جواب دیا۔ کہ "ایک مینڈک نے میرا سُنہرا گیند دریا سے نکالا تھا، وہ آیا ہے۔ مَیں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اس کو اپنے پاس رکھوں گی میرا خیال تھا کہ وہ میری مدد کے بغیر یہاں نہ آسکیگا۔ اس لئے مَیں نے اس کے ساتھ ایسا وعدہ کر لیا۔"

اتنے میں مینڈک نے پھر دروازہ کھٹکھٹایا۔

بادشاہ نے کہا۔ جب تم نے وعدہ کیا ہے، تو پورا کرو۔ جاؤ اور اُسے لے آؤ۔"

(باقی پھر)

سیّد محسن عباس

پچھلے معمّے کا جواب

جو معمہ نونہال کی اشاعت مورخہ ۲۲۔ جنوری میں شائع ہوا تھا، اس کا جواب عقرب (بچھّو) ہے۔ مندرجہ ذیل نونہال بچوں نے اس معمہ کا صحیح حل بھیجا ہے۔

مدن لال۔ محمد ذوالقرنین۔ عبد الغنی۔ بودھ راج۔ پرکاش ناتھ۔ چوہڑ سنگھ۔ بھگوان لال۔ ہادی حسن۔ خورشید عالم۔ خوشحال خاں۔ ٹیک چند۔ داتار سنگھ۔ امۃ اللطیف بیگم۔ منشی رام۔ پریم کمار۔ سیّد محمد مرتضےٰ جعفری۔ جگندر سنگھ۔ دیوا چند۔ مکند لال۔ نور احمد۔ راجندر سروپ۔ گردھاری لال۔ غلام سرور۔ ملکیت سنگھ۔ مختار احمد خاں۔ بہاری لال۔ رام پت۔ منوہر لال۔ لکھا سنگھ۔ جمنا داس۔ عبد الغفور۔ دین دیال۔ عزیز حیدر۔ جاگیر سنگھ۔ ناظر حسن عبد الحمید۔ ویر بھان۔ دانو رام۔ عبد الواحد خوشی محمد۔ دھیان سنگھ۔ حبیب احمد۔ عزیز الرحمن شیرانی۔ شیر بہادر سنگھ۔ نظام الدین غلام احمد۔ گل محمد۔ فتح محمد۔ بہاول الدین۔ اسلام الدین۔ عزیز بخش۔ سرون سنگھ۔ محمد شفیع۔ جگدیش رائے۔ اختر علی خاں۔ محمد منظور حسن۔ اقبال حسین۔ محمد ابراہیم۔ اکبر شاہ۔ سیٹھ امیر الدین۔ محمد یوسف۔ نور محمد نند لال۔ نذر محمد۔ فیاض خاں۔ چونی لال۔

ان تمام بچّوں میں سب سے پہلے عزیز مدن لال سیالکوٹی کا جواب موصول ہوا ہے۔ عزیز سیّد محمد مرتضےٰ جعفری نے معمہ کا جواب ایک نظم میں دیا ہے جو نہایت قابلِ تعریف ہے۔ ہم ان سب بچّوں کو صحیح حل بھیجنے پر مبارکباد دیتے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ آئندہ بھی تمام بچے دلچسپی سے نونہال میں حصّہ لیا کریں گے۔

انعام کا فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی کیا
گیا۔ تو عزیز جیدر (ڈیرہ اسمٰعیل خاں) کا نام
نکلا۔ عزیز جیدر کو چاہیئے کہ خواہ ایک روپیہ
کی کتابیں دفتر نونہال سے منگوا لے۔ یا
ایک روپیہ نقد۔

آنریری ایڈیٹر

مُعمّہ

مَیں سات حروف کا ایک لفظ ہوں
اور ایک بہت بڑے بُزرگ کا نام ہوں
اگر میرے حروف کو اُلٹ پلٹ کر ملایا جائے
تو حسب ذیل نتائج برآمد ہونگے۔

(۱)۔ ۱+۲+۷+۴+۳ = ایک مذہب کا نام
(۲)۔ ۲+۳+۱+۵ = سُننا
(۳) ۴+۳+۷+۶ = ایک درخت یا پھل
(۴)۔ ۲+۳+۶+۵ = سُننے والا
(۵)۔ ۵+۶+۱+۷ = اولاد
(۶)۔ ۵+۴+۷+۶ = بڑا۔ اُونچا
(۷)۔ ۵+۷+۶ = ایک برگزیدہ صحابی کا نام
(۸)۔ ۳+۱+۷ = سامان
(۹)۔ ۲+۷ = ایک مرض

حبیب الحق ہوش دہلوی

پہیلی

ایک اچنبھا دیکھو چل
سوکھی لکڑی لاگے پھل
جو کوئی اُس پھل کو کھائے
پیڑ چھوڑ وہ انت نہ جائے

پی۔ ایل سہگل

اس معمے اور پہیلی کا صحیح حل بھیجنے
والے کو ایک روپیہ کی کتابیں دفتر نونہال
سے انعام دیجائینگی۔ جوابات ۲۲۔ فروری
سے پہلے دفتر نونہال میں پہنچ جانے چاہئیں
انعام کا فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی ہوگا۔

آنریری ایڈیٹر

ہندوستان

(یہ نظم نونہالوں کے لئے ایک نمونے کے طور پر چھاپی گئی ہے۔ اس کے لکھنے والے عزیزی عبدالرشید تبسم ابھی چھوٹی عمر کے ہیں اور آٹھویں جماعت میں پڑھتے ہیں لیکن ماشاء اللہ نظم ایسی پاکیزہ لکھی ہے کہ ہمیں اس میں بہت کم اصلاح کرنی پڑی ہے۔ خدا شوق میں ترقی دے)

اے نہالِ آبرو اے خطۂ ہندوستاں ۔۔۔ اے وطن ہوتا تھا تو بھی ایک دن جنت نشاں

کونسی لذت تھی پنہاں تیرے پیارے نام میں ۔۔۔ ہر بشر کے نام تیرا ہی تو تھا وردِ زباں

کیوں چلے آتے تھے طالب تیرے شرق و غرب سے ۔۔۔ کونسی رنگیں بیانی تھی تیری نوکِ زباں

کیوں تیرے کوچوں کے آب و گل پہ تھی مرقوم جنگ ۔۔۔ کونسی خوبی تھی تیری باعثِ نقصانِ جاں

تو وہ ہے سونے کی چڑیا جس کا پر ہاتھ آ گیا ۔۔۔ تو بنے لاکھوں ممالک خاک سے عالی نشاں

تو وہ بلبل ہے کہ ہے مسکن ترا فردوس میں ۔۔۔ زخمِ دل کو میٹھا ہے تیرا اندازِ بیاں

تیرے سینے میں خزائن علم کے مدفون ہیں ۔۔۔ تیرے سینے میں ہیں دریا نیک نامی کے نہاں

چرخ پر کہتے ہیں سب تو غیرتِ فردوس ہے ۔۔۔ عکس پڑتا ہے ترے ہر اک تبسم کا وہاں

پاسبانی کر رہا ہے تیری اک کوہِ رفیع ۔۔۔ سرنگوں ہیں جس کی رفعت پر یہ ساتوں آسماں

ہے ترے کوچوں کی مٹی بھی سوا اکسیر سے ۔۔۔ کم نہیں باغِ ارم سے تیرے جنگل کا سماں

تو وہ اک موتی تھا ایسا جس کو پانے کے لئے

سینکڑوں آئے پرندے چھوڑ کر خود آشیاں

عبدالرشید تبسم

قیمت سالانہ پانچ روپے　　رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۴۱۵　　قیمت ششماہی ۳ ؍ فی پرچہ ۲ ؍

نونہال
ہفتہ وار

آنریری ایڈیٹرز:-
حکیم احمد شجاع بی۔ اے (علیگ)　　سیّد غلام رسول طاہر جالندھری
ایڈیٹرز:-
محمد اسمٰعیل　　عبدالرشید

جلد ۸　فہرست مضامین بابت ۱۵۔ فروری ۱۹۲۶ء　نمبر ۶

ہم تم:- ایک دن محمود سکول سے بہت اداس اور افسردہ خاطر گھر آیا۔ لیکن جب وقت وہ اپنے کمرے میں گیا، تو نونہال کا تازہ پرچہ دیکھ کر بہت خوش ہُوا۔ اور اُس کی تمام اُداسی یکدم کافور ہو گئی۔ اگر تم بھی اُداس رہتے ہو، تو نونہال خریدو، اور اسے پڑھو۔ تمہاری تمام اُداسی دُور ہو جائیگی۔

قیمت سالانہ پانچ روپیہ۔ ششماہی ۳ ؍ فی پرچہ ۲ ؍۔ پتہ:- دفتر نونہال لاہور

(مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام گوپالداس پرنٹر چھپا۔ اور دارالاشاعت دبطیف کیلئے محمد اسمٰعیل لکھسر پبلشر و پروپرائٹر نے چیمبرلین روڈ لاہور سے شائع کیا)

دلچسپ معلومات

خون کی بارش۔ جنوبی فرانس اور اٹلی میں پچھلے دنوں مانٹ کارلو اور نیٹون میں ایک بارش ہوئی ہے۔ بارش ہونے کے بعد چھتوں۔ راستوں۔ باغوں اور جھاڑیوں پر ایک سرخ رنگ کا لیسدار مادہ لگا ہوا تھا۔ توہم پرست آبادی بہت پریشان ہوکر ادھر ادھر دوڑتی پھرتی رہی ہے۔ کہ یہ بارش خون کی ہے۔ لیکن اس کا صحیح جواب یہ ہے۔ کہ ان بادلوں میں صحرائے افریقہ کی سرخ رنگ کی ریت کافی مقدار میں موجود تھی۔ اور بارش ہونے کے بعد اس کی باقاعدہ باریک تہ جم گئی
امریکہ میں عورتوں کی تعلیم کے لئے مخصوص کالج ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹری۔ زراعت۔ تجارت اور انجنیرنگ وغیرہ کے لئے خاص خاص کالج قائم ہیں۔ صنعت و حرفت اور مزدور پیشہ لوگوں کے لئے جداگانہ کالج ہیں۔ جو یونیورسٹی کی نگرانی سے قطعی آزاد ہیں۔ بڑے بڑے کارخانوں کے قائم کردہ کالج ان کے علاوہ ہیں۔ جن میں ان کے مزدور پیشہ، اور دستکاروں کے بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

موسیو پیرونی فرانس کے ماہر سائنس نے آفتاب کی عمر کے متعلق اپنا یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس کو وجود میں آتے ہوتے ۲۰ لاکھ سال سے ۶۰ لاکھ سال تک کی مدت ہوئی ہے۔

کیلیفورنیا کی ایک وادی میں ایک خاص مقام ایسا ہے، جو دنیا کا نہایت ہی گرم ترین مقام ہے۔ اس وادی کا نام وادیِ مرگ یعنی ڈیتھ ویلی ہے پہلے زمانہ میں تمام لوگ جس شکل کا رومال بنانا چاہتے، بنا لیتے تھے۔ لیکن ۱۷۸۴ء میں فرانس کی شہزادی میری انٹونیٹ کی خواہش سے اس کی شکل مربع مقرر کی گئی۔ طاہر

ایک بچّہ اور چاند

چاندنی پھیلی ہوئی ہے، چاند ہے نکھرا ہوا / آسماں پر موتیوں کا ہار ہے بکھرا ہوا

کسقدر دلچسپ ہے یہ رات کا دلکش سماں / جس طرف دیکھو اُدھر ہے نور کا دریا رواں

ایک بچّہ اپنی ماں کی گود میں بیٹھا ہوا / دیکھتا ہے چشمِ حیرت سے تماشا چاند کا

بھولی بھولی اُس کی صورت مظہرِ شانِ خدا / پیاری پیاری اُس کی باتیں دل نشین و دلربا

کہہ رہا ہے اپنی ماں سے چاند کو وہ دیکھ کر / اچھّی اماں! تم اُٹھاؤ تو ذرا اُوپر نظر

سچ بتاؤ چاند میں یہ کوئی بیٹھا تو نہیں / تم یہ کہتی ہو کہ دھبّہ ہے، یہ دھبّا تو نہیں

خالہ امّاں کی کہانی مجھ کو اب تک یاد ہے / وُہ یہ کہتی تھیں کہ اس میں اِک جہاں آباد ہے

مَیں نے پُوچھا کس طرح؟ تو آگئی اُن کو ہنسی / پھر کہا تھا "چاند کی امّاں ہے یہ بیٹھی ہوئی"

اچھّی امّاں جان! تم کو بھی ہے کچھ اس کی خبر / چاند کی یہ ماں ہے سچ مچ یا ہے کوئی جانور

خیر جو کچھ بھی ہو، لیکن یہ مسافر ہے عجیب / کیوں پھرا کرتا ہے ساری رات بیچارہ غریب؟

سب سے بڑھ کر فکر ہے مجھ کو مگر اس بات کی / رات کو آجاتی ہے اس میں کہاں سے روشنی

دِن کو جب دیکھو تو اس میں روشنی ہوتی نہیں / اس کو شاید دُھوپ میں امّاں! خوشی ہوتی نہیں

تم مجھے "چندا" کہا کرتی ہو یہ کیا بات ہے / میری امّاں تم ہو، لیکن چاند کی ماں رات ہے

رات کا بیٹا ہے یہ چاند اور مَیں ہوں آپ کا / وُہ ہے اپنے باپ کا اور مَیں ہوں اپنے باپ کا

کیا ہی اچھا ہو زمیں پر یہ اُتر آئے اگر / جیب میں رکھ لوں ابھی مَیں اس کو اماں! چوم کر

کوئی مانگے بھی اگر اس کو تو مَیں ہرگز نہ دُوں / اپنے دامن میں چھپالوں، گھر میں آکر چھپ رہوں

کیوں تمہیں آتی ہے امّاں! میری باتوں پر ہنسی / کِس لئے ہنستی ہو تم، مجھ کو بتاؤ تو سہی؟

آگئی آنکھوں میں اس کی نیند یہ کہتے ہوئے / اپنے پہلو میں لٹایا ماں نے اس کو پیار سے

حمید اور فہمیدہ

حمید اور فہمیدہ دو بھائی بہن تھے۔ حمید پرلے درجے کا ضدی اور اکھڑ تھا۔ ماں باپ کے لاڈ چاؤ نے اُسے کسی کام کا نہ رکھا تھا۔ جب اُس کو کوئی کام کرنے کو کہا جاتا، تو مُنہ پھیر لیتا۔ سارا دن آوارہ گردی کرتا پھرتا اور شام کو جب گھر لوٹتا تو اس کے کپڑے تار تار ہو گئے ہوتے۔ اور جسم پر جگہ جگہ چوٹوں کے نشان دکھائی دیتے۔ فہمیدہ عمر میں گو بھائی سے چھوٹی تھی۔ مگر بڑی سمجھدار تھی۔ وہ کونسی بہن ہے جو بھائی سے ہمدردی نہ کرے۔ وہ طرح طرح کے پیار دلاسے سے اس کو سمجھاتی بجھاتی۔ کیونکہ فقط پیار ہی اُسے رام کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس کی بدولت وہ کبھی کبھی اپنی کئی ایک شرارتوں سے باز رہتا۔

ایک دن بہن بھائی کھیلتے کھیلتے گھر سے دور نکل گئے۔ اور پھرتے پھراتے بہت دیر ہو گئی، تو فہمیدہ نے واپس لوٹنے کو کہا۔ مگر بھائی نے ایک نہ مانی۔ وُہ اُسے آگے ہی آگے چلنے پر مجبور کرنے لگا۔ بہن کو ماں کی نصیحت یاد آئی۔ اُس نے کہا۔ "بھائی! امّاں جان کہا کرتی ہیں کہ گھر سے دور نہیں جانا چاہیئے۔ ہم بہت دُور نکل آئے۔ اب تو واپس چلنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو۔ کہ راستہ کھو دیں"۔ حمید خوب جانتا تھا، کہ بہن اس کو اس ویرانہ میں اکیلا چھوڑ کر نہیں جانے کی۔ اس لئے اُس نے دلیری سے کہا، "تم جاتی ہو تو جاؤ۔ مَیں تو ابھی نہیں جاؤنگا"۔ فہمیدہ نے کہا۔ "بھائی اپنی ہٹ سے باز آؤ۔ اور آگے مت جاؤ"۔ مگر حمید کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ اور وہ تیزی کے پیچھے، جس کی تاک میں وہ دیر سے لگا ہُوا تھا۔ بے تحاشا دوڑا۔ اور کہیں سے کہیں نکل گیا۔

بہن بچاری ہانپتی کانپتی پیچھے بھاگی۔ حتٰے کہ دونوں دریا کے کنارے جا پہنچے۔ دریا چڑھاؤ پر تھا۔ اس کی لہروں میں بلا کی روانی تھی۔ مگر حمید کو ذرا خوف نہ آیا۔ فہمیدہ نے ڈرتے ہُوئے کہا۔" بھائی اب بھی مان جاؤ۔ مجھے پانی کی شکل سے خوف آتا ہے۔" حمید نے بہن کا ہاتھ تھام کر کہا۔" ڈر کس بات کا۔ مَیں جو تمہارے ساتھ ہوں۔ دیکھو کیسا دلکش نظارہ ہے۔ دیکھو سامنے کیا خوبصورت ننھّی سی کشتی ہے۔ پانی کی گود میں کس طرح مچل رہی ہے۔" دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کشتی کے پاس گئے۔ حمید کی بیبا کی دیکھو۔ جھٹ کود کر اس میں ہو بیٹھا۔ فہمیدہ گھبرا کر چلّائی۔" بھائی بھائی۔ خدا کے لئے خطرے کے مُنہ میں نہ آؤ اور مجھے ہاتھ دو۔ مَیں تمہیں کھینچ کر نکال لوں۔" حمید پر اس کی بات کا اثر تو کیا ہونا تھا ہنس کر کہنے لگا۔" آہا۔ کیسے ہچکولے آرہے ہیں۔ تم تو خواہ مخواہ ڈرتی ہو۔ اس میں بیٹھ کر تو دیکھو ایسا محسوس ہوگا۔ جیسے تم جھولا جھول رہی ہو۔ جلدی کرو۔ ابھی سیر کر کے لوٹ آئینگے۔" فہمیدہ نے جواب دیا۔" نہ بھائی نہ جانے یہ کشتی کس کی ہے۔ اس کا مالک آگیا تو ناراض ہوگا۔ اور کیا تم کو امّاں کی نصیحت یاد نہیں رہی کہ تمہیں دریا کے پاس تک نہ جانا چاہیے" حمید نے کہا۔" امّاں یہاں کہاں دیکھنے آئینگی۔ آؤ۔" یہ کہکر اس نے بہن کو بازو سے پکڑ کر کشتی میں بٹھانے کے ساتھ ہی رسّی کو کھونٹی سے چھڑا لیا۔ پیشتر اس کے کہ وُہ انکار کرتی پانی کی ایک تند لہر انہیں کنارے سے بہت دُور لے جا چکی تھی۔ وہ بہے چلے جا رہے تھے۔ کشتی انہیں ارد گرد طرح طرح کے نظارے دکھاتی ہُوئی گھاٹی میں لے آئی۔ جہاں پانی کے بہاؤ میں پہلے سے زیادہ تیزی تھی۔ اس کی لہریں دیوانوں کی

طرح کناروں سے سر پھوڑ رہی ہیں۔ اور ان کے مُنہ سے جھاگ جاری تھی۔ اُونچی اونچی پہاڑیوں کے سیاہ سائے ہیں پانی پر۔ دن کے وقت رات کا بھیانک سماں نظر آ رہا تھا۔ لہروں میں قیامت کا شور تھا۔

کشتی بہی چلی جاتی تھی۔

فہمیدہ خوف کے مارے بھائی سے چمٹی جا رہی تھی۔ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ اس نے آخر دبی زبان سے کہا۔ بھائی میری جان گئی"۔ حمید نے کہا" تم کتنی ڈرپوک ہو۔ مجھے تو پانی کی آوازیں نغمے سُنائی دے رہے ہیں"۔ فہمیدہ نے جواب دیا۔"خُدا کے لئے اتنا تو بتا دو۔ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ نہ جانے تمہاری ہٹ دھرمیاں ہمیں کس موت ماریں" حمید نے کہا" مجھے تو خود پتہ نہیں کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ صبر کرو۔ آنکھیں بند کر لو۔ اور اپنے آپ کو تقدیر کے ہاتھ سونپ دو۔ آخر کہیں نہ کہیں تو ٹھکانے لگ ہی جائینگے۔

یکایک کشتی زور سے بل کھاتی ہُوئی ایک طرف کو مڑی۔ معاً انہیں ایک دھماکا سا محسوس ہُوا۔ دونوں نے مُنہ سے ایک چیخ ماری اور آنکھیں کھول دیں۔ تو معلوم ہُوا کہ کشتی پانی کی سطح سے اُٹھ کر ہوا میں اُوپر ہی اُوپر چڑھتی جا رہی ہے۔ حمید نے کھڑے ہو کر جو نظر اُٹھائی تو ایک قوی ہیکل دیو ہاتھ میں ایک بانس سنبھالے چٹان پر بیٹھا ہنس رہا ہے۔ بانس کے سرے سے ایک رسّی بندھ رہی ہے۔ جو انہیں اس جال میں ملاتی ہے جس میں وہ اب جکڑے ہُوئے ہیں۔

ایک ہی جھٹکے میں جال چٹان پر اس زور سے پھینک دیا گیا۔ جس سے کشتی کا جوڑ جوڑ ہل گیا۔ اور ایک بہت بڑے ہاتھ نے انہیں پکڑ لیا۔ ان کے سامنے اب دو آنکھیں تھیں جو کہ گاڑی کے پہیّوں سے

بڑی، اور ایک مُنہ غار کے دروازہ سے کشادہ یکایک ایک آواز بادل کی گرج کی طرح گونجتی سُنائی دی۔ دیو کہہ رہا تھا۔ "آہاہا او ہوہو۔ خوب شکار ہاتھ آیا"۔ دیو، بچّوں کو کشتی سمیت کاندھے پر ڈال کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا گھر کی سمت روانہ ہوا۔ میلوں کا سفر منٹوں میں طے ہو گیا۔ گھر کیا تھا ایک اچھا خاصہ قلعہ تھا۔ دروازے کے باہر ایک دیونی کھڑی تھی۔ دیو نے آتے ہی کہا "مَیں تمہارے لئے ایک تحفہ لایا ہوں"۔ بیوی نے کہا "کیا ہے" اور باورچی خانے کی طرف رُخ کیا۔ دیو پیچھے پیچھے آیا۔ اور کشتی کو کھانے کی میز پر دے مارا۔ اور حمید کو پکڑ کر بیوی کو دکھا کر کہنے لگا۔ "دیکھنا اس ننھے لڑکے کو ہماری کشتی میں سیر کرنے کا کیونکر حوصلہ ہوا۔ مَیں اس کو اور اس کی بہن دونوں کو پھانس لایا ہوں"۔ حمید نے چلّانا شروع کیا۔ اور وہ شور مچایا

کہ الاماں۔ شاید دیو کے کان کے پردے بھی ہل گئے ہوں۔ دیو نے اس کو مضبوطی سے پکڑتے ہُوئے کہا۔ "بھلا میاں لڑکے اتنا شور مچانے سے کیا فایدہ۔ اب جان سے ہاتھ دھو بیٹھو۔ ہمارے ہاتھ آیا شکار مشکل ہی سے رہائی پا سکتا ہے"۔ دیونی نے حمید کو اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ اور اسے میز پر کھڑا کر دیا۔ اس وقت فہمیدہ نے اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے دیکھے۔ دیونی کا دل موم ہو رہا تھا (کیونکہ دیونی بے اولاد تھی) اس پر بچوں کی التجا نے بہت اثر کیا۔ جب دیو نے ان کے بھوننے کا ارادہ کیا تو وہ بلا تامل کہنے لگی۔ "نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ ابھی یہ ہیں ہی کیا۔ تمہارا ایک لقمہ بھی نہیں بن سکتے۔ فی الحال مَیں ان کی پرورش کرونگی۔ جب یہ موٹے ہو جائینگے، تو پھر یہ تمہارے کھانے کے قابل ہو جائینگے۔ آج کے کھانے کے لئے میرے

پاس چار ہرن بھُنے رکھے ہیں۔ کہو تو لاؤں۔"
دیو نے جواب دیا۔" اچھا تھوڑی دیر ٹھہرو میں
باہر سے ہو آؤں۔ میرے آنے تک کھانا تیار
رکھنا۔" اتنا کہکر وہ باہر چلا گیا۔

اب دیونی اور دونوں بہن بھائی اکیلے
رہ گئے۔ دیونی مقابل میں بیٹھی انہیں دیکھ
رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد حمید کو مخاطب
کر کے بولی۔" میاں لڑکے ڈرو مت۔ میں کچھ
نہیں کہتی۔" فہمیدہ جو پاس ہی بیٹھی تھی آگے
بڑھ کر بولی۔" بھائی! خطرہ کیسا۔ بڑی اماں
ہمیں کچھ نہیں کہنے کی۔"

اتنے میں دیو بھی آ پہنچا۔ دیونی نے
اپنے خاوند کو معمول سے زیادہ خوش خوش
دیکھا۔ اور کہا۔" میری صلاح لو۔ تو ان بچوں
کو چھوڑ دینا چاہئے۔" بیچارے کس کام کے
دیو نے کہا۔ میں تو انہیں تمہاری خاطر لایا تھا
تم جانو تمہاری مرضی۔ اتنا کہکر پھر باہر نکل گیا

ابھی اُس نے قدم باہر ہی رکھا تھا کہ دیونی
اُنہیں جلدی سے باہر کھینچ لائی۔ اور جب
وہ پہاڑی کے دامن میں پہنچ گیا، تو کہنے
لگی۔" بچو، اب موقع ہے بھاگ نکلو۔ کہیں
ایسا نہ ہو کہ میرے خاوند کی نیت بدل جائے۔
لو خدا حافظ۔ بھاگو کہیں دیو نہ آ نکلے۔" یہ
کہکر دیونی غائب ہو گئی۔ اب بچے آزاد
تو تھے۔ لیکن راستہ کھو گئے۔ اور پھرتے پھراتے
ایک گھنے جنگل میں جا نکلے۔

غریب ایک مصیبت سے نکلے تھے،
اب دوسری میں گرفتار ہو گئے۔ گویا آسمان
سے گرے کھجور میں اٹکے۔ غریب حیران تھے۔
کرتے تو کیا کرتے۔ جاتے تو کس طرف۔
اس پریشانی کی حالت میں اور تکان سے
چور ہو کر حمید ایک ٹیلے پر ہو بیٹھا۔ اور پھوٹ
پھوٹ کر رونے لگا۔ فہمیدہ اس کے قریب
ہو بیٹھی۔ بھائی کی حالت دیکھ کر دل ہی دل

میں خون کے آنسو رو رہی تھی۔ بہتیرا دلاسا دیتی مگر حمید کو کسی طرح تسکین نہ ہوتی۔ وہ خود حیران ہو کر سوچتی تھی۔ اور آسمان کی طرف دیکھ دیکھ کر کہتی۔ یا اللہ! ہم کیونکر اپنے گھر پہنچیں گے۔ ہم تو اپنے والدین کے لئے جیتے جی مر گئے۔ الٰہی ہمارا تیرے سوا کوئی اس جنگل میں نہیں۔ جس سے ہم مدد مانگیں رحم کر اور معصوم دلوں کی فریاد سن۔ عین اسی وقت آسمان پر ایک عقاب اڑتا ہوا دکھائی دیا۔ فہمیدہ چلائی "عقاب۔ عقاب۔ پرندوں کے شہنشاہ۔ ٹھہر ٹھہر اور ہماری مدد کر"۔ عقاب نے اس کی درد بھری آواز سنی۔ اور آہستہ آہستہ نیچے اترنا شروع کیا درخت کے تنے پر جس کے تلے دونوں بہن بھائی بیٹھے تھے، آ اترا۔ عقاب کو اُن کی حالت پر رحم آیا۔ اور کہنے لگا۔ ٹھہرو میں اکیلا دونوں کو نہیں اٹھا سکتا۔ اپنے ساتھ ایک ساتھی کو لاتا ہوں"۔ تھوڑی دیر میں ہوا میں پروں کی پھڑ پھڑاہٹ سنائی دی۔ بچوں نے دیکھا کہ عقاب اپنے ساتھ کئی ایک ساتھی اور بھی لایا ہے۔ اُن میں سے چار پانچ عقابوں نے فہمیدہ کو سنبھالا۔ اور اتنے ہی عقابوں نے حمید کو سنبھالا۔ اور انہیں ہوا میں اُڑا کر لے گئے یکایک عقابوں نے انہیں بلندی سے نیچے پھینک دیا۔ اور وہ نرم نرم گدیلوں پر آ گرے۔ آنکھ جو کھلی، تو کیا دیکھتے ہیں کہ ماں سرہانے کھڑی پیار سے اُن کے منہ پر ہاتھ پھیر رہی ہے۔ اور کہتی ہے۔ " اُٹھو بیٹا حمید۔ دن نکل آیا۔ منہ ہاتھ دھو مدرسے کا وقت تیار ہے۔"

ایڈیٹر

گلیور کا بحری سفر

(گزشتہ سے پیوستہ)

آخری سفر میرے لئے فایدہ مند ثابت نہ ہوا۔ اِس لئے مَیں نے سمندر سے تنگ آکر اپنی بیوی اور بال بچّوں سمیت گھر پر رہنے کا ارادہ کرلیا۔ مَیں نے اولڈ جیوری سے اپنی دکان فیٹر لین میں تبدیل کرلی۔ اور وہاں سے مَیں وے پنگ (کوچہ) میں اس امید پر چلا گیا۔ کہ ملاحوں کے درمیان کام اچھا چلے گا۔ لیکن اس جگہ بھی فایدہ نہ ہوا۔ مَیں تین سال تک اس امید پر کہ دن بھلے آجاینگے۔ اس جگہ کام کرتا رہا لیکن کچھ فایدہ نہ ہوا۔ اب کی دفعہ میں نے اینٹیلوپ جہاز کے کپتان کے ہمراہ جو کہ جنوبی سمندروں کے سفر کے واسطے تیار تھا۔ جانے کا ارادہ کرلیا۔ ہمارا جہاز برسٹل سے چار مئی ۱۶۹۹ء کو روانہ ہوا۔

کئی وجوہات کے سبب سے ان بحری سفروں کے مفصل حالات سے پڑھنے والوں کو تکلیف دینا مناسب نہیں۔ صرف اتنا بتا دینا کافی ہے۔ کہ جزائر شرق الہند کے راستے میں ایک بڑا بھاری طوفان ہم کو تسمانیا کے مُلک کے شمال مغرب کی طرف لے گیا۔ مشاہدہ سے ہم نے معلوم کیا کہ ہم جنوب کو تیس ڈگری دو منٹ عرض بلد میں ہیں۔ ہمارے بارہ آدمی سخت محنت اور خراب خوراک ملنے کی وجہ سے مر گئے۔ بہت سے کمزور ہو گئے۔ پانچ نومبر کو جبکہ ان حصّوں میں موسم گرما شروع ہوتا تھا۔ مطلع بہت دُھندلا ہونے کی وجہ سے ملاحوں نے جہاز سے تھوڑی دُور ایک چٹان دیکھی۔ لیکن آندھی اتنی تیز تھی کہ ہم سیدھے اسی چٹان سے جا ٹکرائے۔ اور جہاز پاش

پاش ہو گیا۔

چھ ملاحوں نے جن میں سے ایک میں بھی تھا۔ ایک کشتی سمندر میں ڈالی۔ جہاز اور چٹان سے بچ نکلنے کی کوشش کی۔ میرے خیال کے مطابق ہم نے چھ میل تک سفر کیا تھا۔ مگر ہم کام کرنے کے ناقابل ہو گئے۔ اب ہم نے اپنے آپ کو لہروں کے رحم پر چھوڑ دیا۔ تقریباً آدھ گھنٹے کے عرصہ میں شمال کی جانب سے ایک طوفانی جھونکا آیا۔ اور ہماری کشتی الٹ گئی۔ میں نہیں بتا سکتا کہ میری کشتی کے ساتھیوں اور اُن لوگوں کا جو چٹان سے بچ گئے تھے یا جہاز میں رہ گئے تھے، کیا حشر ہوا۔ مگر جب میں سوچتا ہوں تو اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ وہ سب مر گئے ہونگے۔

میرا اپنا یہ حال تھا کہ میں تیرتا رہا۔ ہوا اور لہریں مجھے آگے آگے دھکیلتی جاتی تھیں۔ میں نے اکثر مرتبہ اپنی ٹانگوں کو لٹکایا لیکن کوئی جگہ محسوس نہ کر سکا۔ آخر کار جب زندگی کی کوئی امید نہ رہی۔ اور میں زیادہ ہاتھ پاؤں مارنے کے قابل نہ رہا۔ تو میں نے اپنے آپ کو کم گہرے پانی میں پایا۔ اس وقت طوفان بھی کم ہو گیا تھا۔ ڈھلوان اتنا کم تھا کہ میں کنارے پر پہنچنے سے پہلے تقریباً ایک میل تک چلتا رہا۔ لیکن آبادی اور گھروں کا کوئی نشان نہ پایا۔ یا شاید میں اتنا کمزور ہو گیا تھا۔ کہ میں ان کو دیکھ نہ سکتا تھا۔ میں بہت تھک گیا تھا۔ اس وجہ سے اور موسم کی گرمی کی وجہ سے اور شراب کی وجہ سے جو کہ میں نے جہاز کو چھوڑتے وقت پی لی تھی۔ مجھے نیند آنے لگی۔ میں گھاس پر لیٹ گیا۔ وہاں میں اتنی گہری نیند سویا۔ کہ میں پہلے کبھی اپنی زندگی میں اتنا نہ سویا تھا جب میں نیند سے بیدار ہوا تو دن نکل آیا تھا۔

میں نے اندازہ لگایا کہ میں تقریباً ۹ گھنٹے تک سویا ہوں		(باقی پھر)

سیّد غلام مصطفےٰ

حکایت

ایک رات دو بھائی نیند سے جاگے، تو ہر ایک نے بستر ہی پر ایک دوسرے کی بھلائی کے لئے خیال کیا۔ بڑے بھائی نے اپنی بیوی سے کہا۔ "میرا بھائی اکیلا اور بے مددگار ہے۔ نہ اس کے بچے ہیں، اور نہ بیوی۔ میں صبح اُٹھوں گا، اور اپنے کھیت سے کچھ اناج کے گٹھے اس کے کھیت میں رکھ آؤں گا۔"

وُہ اُٹھا اور یہ نیک کام سورج نکلنے سے پیشتر ختم کر آیا۔

معاً یہی نیک خیال اسی وقت چھوٹے کے دل میں گزرا۔ اس نے کہا۔ "عبداللہ عیالدار ہے۔ ابھی وہ میٹھی نیند سویا ہو گا، میں اس کے کھیت میں اناج کے گٹھے رکھ آتا ہوں۔"

وُہ اُٹھا اور اس نیک کام کی تکمیل صبح سے پہلے کر دی۔

کچھ مُدّت یہ کام دونوں بھائیوں میں اس طرح جاری رہا۔ ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب وہ دیکھتے کہ ان کے اناج کے گٹھّے برابر ہیں۔ کیونکہ ان کے دِلوں میں محبّت برابر برابر تھی۔ صبح کی روشنی میں ایک روز وہ ملے گزشتہ واقعات کا اندازہ کر کے نہایت حیران ہُوئے۔

جب یہ حکایت خلیفہ سے بیان کی گئی، تو اُس نے حکم دیا کہ "وہاں اللہ کا گھر بنایا جائے جہاں ان کو ایک دوسرے کی بھلائی کا خیال گزرا تھا۔"

صادق ایُّوبی، دہروی

ایک مینڈک اور سنہرا گیند

(گزشتہ سے پیوستہ)

شہزادی گئی دروازہ کھولا۔ مینڈک اندر داخل ہوا۔ اور کھانے کی میز کے پاس پہنچ کر کہنے لگا۔ "ارے کوئی ذرا مجھے اس کرسی پر بٹھا دے۔" شہزادی نے اس کو اٹھا کر اپنے پاس والی کرسی پر رکھ دیا۔ مینڈک نے پھر کہا۔ "ذرا اپنی رکابی میرے پاس رکھو تاکہ میں آسانی سے کھا سکوں۔" اس بیچاری نے ایسا ہی کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا۔ کہ "کھاتے کھاتے میں تھک گیا۔ اب مجھ کو اپنے بستر پر لیجا کر سُلا دو۔"

جب صبح ہوئی مینڈک بستر سے نکل کر نمعلوم کس طرف چلا گیا۔

شہزادی اس خیال سے بہت خوش ہوئی کہ مینڈک اب نہ آئیگا۔ لیکن شام کو وہ پھر آموجود ہوا۔ کھانا کھایا، سویا، اور صبح ہوتے کسی طرف چل دیا۔

تیسری رات کو وہ پھر آکر سویا۔ لیکن صبح کے وقت بستر سے بجائے مینڈک کے ایک حسین شہزادہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھا۔ شہزادی کی بھی آنکھ فوراً کھل گئی۔ اپنے کمرہ میں ایک اجنبی شخص کو دیکھ کر سخت متعجب ہوئی۔ شہزادہ اس کو حیرت زدہ دیکھ کر بولا۔ گھبراؤ نہیں، میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں۔ میں نے ایک جادوگرنی سے وعدہ خلافی کی تھی۔ اس کی سزا میں اس نے مجھ کو مینڈک بنا دیا۔ اور کہا کہ جبتک تو کسی شہزادی کے پاس نہ سوئیگا، اور اس کے ساتھ نہ کھائیگا اسی طرح مینڈک بنا رہیگا۔ خدا خدا کر کے تمہاری مدد سے میں نے اس بلا سے نجات پائی۔ میرا باپ ایک وسیع سلطنت کا حکمران ہے۔ لیکن اس جادوگرنی کا کچھ نہ کر سکا۔

شہزادی کے باپ نے جب یہ واقعہ سُنا، تواس نے اپنی لڑکی کی شادی اُس شہزادہ کے ساتھ کردی۔ شہزادہ بی بی کو لیکر اپنے باپ کے پاس پہنچا۔ اور دونوں عیش وآرام سے رہنے لگے۔

شہزادی اکثر کہاکرتی تھی کہ مَیں نے اچھا شہزادہ توباپ کا کہنا ماننے سے پایا۔ ورنہ مَیں نے وعدہ خلافی میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی تھی۔ اب مَیں بزرگوں کا کہنا مانا کرونگی۔ اورکبھی کسی سے وعدہ خلافی نہ کروں گی۔

سیّد محسن عباس

جان نثاری

ریٹس بان سے ایک میل کے فاصلے پر شہنشاہ نپولین ایک ٹیلے پر کھڑا ہے، اردگرد چند افسر حلقہ باندھے ہُوئے ہیں۔ گردن جُھکی ہُوئی ہے۔ ہاتھ اپنے پیچھے باندھ رکھے ہیں۔ نیچے سے دونوں ٹانگیں کھُلی ہیں۔ نپولین بہت متفکر نظر آتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ کسی گہری سوچ میں ہے۔

یہ واقعہ ۱۸۰۹ء کا ہے۔ جبکہ فرانسیسیوں نے ریٹس بان کا محاصرہ کیا ہُوا ہے۔ ریٹس بان بویریا میں ایک مشہور قصبہ ہے، جو دریائے ڈینیوب کے دائیں کنارے پر آباد ہے۔ محاصرہ بڑی شدّومد سے جاری ہے، دونوں جانب سے گولہ باری ہورہی ہے۔ اور لاکھوں بیگناہ تڑپ تڑپ کر جانیں دے رہے ہیں۔ نپولین اپنی فوج کو ایک فرانسیسی جانباز افسر مارشل لان کے ماتحت چھوڑکر آپ قصبے سے ایک میل کے فاصلے پر کھڑا ہُوا لڑائی کا تماشہ دیکھ رہا ہے۔ اور اپنے دِل سے کہہ رہا ہے۔ "اگر ایک گھڑی بھی مارشل لان نے شہر پر یورش کرنے میں پس وپیش کی تو میری

تمام تدبیریں جو اس وقت میرے دماغ میں چکّر لگا رہی ہیں، یکدم خاک میں مِل جائینگی۔

نپولین اِسی شش و پنج میں تھا کہ دُھوئیں کے بادلوں میں سے، جو توپوں کے دغنے سے پیدا ہو رہے تھے، ایک سوار اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا نمودار ہُوا۔ اور آتے ہی گھوڑے سے اُتر کر اپنے شہنشاہ کو فوجی طریقے سے سلام کیا۔

یہ سوار ایک نوعمر فرانسیسی سپاہی تھا، جس کے سینے میں دو گولیاں کاری لگی تھیں اُس کے سینے اور مُنہ سے خون جاری تھا، جسے روکنے کی وہ بہت کوشش کر رہا تھا۔ ضعف اور ناطاقتی کی وجہ سے اُس کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ گویا ابھی گرا ہی چاہتا ہے۔ لیکن واہ ری جوانمردی کہ شہنشاہ کو جتایا تک نہیں کہ مَیں زخمی ہوں، بلکہ اپنے گھوڑے کے ساتھ پیٹھ لگا کر زور سے کہنے لگا:۔

"شہنشاہِ گردوں وقار! خُدا کی عنایت سے ہم نے قصبے پر قبضہ کر لیا ہے۔ مارشل لان اندر داخل ہو گیا ہے۔ اب آپ کو وہاں جلد پُہنچنا چاہیئے۔ اور اپنے اُس جھنڈے کو لہراتے ہُوئے دیکھنا چاہیئے۔ جِسے مَیں.... مَیں نے اپنی دلی خواہش سے گاڑا ہے۔"

"گاڑ دیا!" یہ کہتے ہی نپولین کی آنکھیں بجلی کی مانند چمکنے لگیں۔ لیکن جونہی اُس نے دیکھا کہ لڑکا زخمی ہے۔ تو اس کی خوشی رنج میں تبدیل ہو گئی۔ اُس نے حیرت اور جلدی سے کہا۔ "آہ! تم بُری طرح سے زخمی ہُوئے ہو۔"

ایک فوجی نوعمر سپاہی کے غرور نے یہ گوارا نہ کیا، اس فقرے کو سُنکر اُس کے بہادر دِل پر چوٹ لگی۔ اور اُس نے بڑی مایوسی سے کہا۔ "جہاں پناہ! مَیں صرف زخمی ہی نہیں بلکہ مَیں نے تو اپنے شہنشاہ کے لئے جان

بھی دے دی ہے۔ اچھا.... آہ.... مَیں....“

اتنا کہا اور اپنے شہنشاہ کے قدموں پر گر کر مُسکراتے ہُوئے جان دیدی۔

نظامی

لالچ بُری بلا ہے

ایک شخص نے ایک بِلّی رکھی ہُوئی تھی۔ وہ ہر روز اُسے اُس کی بُھوک کے مطابق گوشت لا دِیا کرتا تھا۔ مگر وہ بِلّی اُسی پر صبر نہ کرتی تھی۔ اور اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارتی رہتی تھی۔ چنانچہ ایک دن وہ ایک کبوتروں کے بُرج کے پاس سے گُزری۔ اور کبوتروں کی آواز سُنکر اُس کی حرص میں حرکت پیدا ہوگئی۔ اور اپنے آپ کو اُس بُرج میں پُہنچا دِیا۔ مگر رکھوالے بِلّی کے بُرج کے اندر گھُسنے سے خبردار ہوگئے۔ جس کے باعث اُنہوں نے اُس بِلّی کو پکڑ کر اتنا مارا۔ کہ وہ اُسی وقت مر گئی۔ اور اس کے بعد اس کی کھال بدن سے جُدا کر کے راستہ میں پھینک دی۔ تاکہ دوسری بِلّیاں اُسے دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔

کچھ عرصہ بعد اچانک ہی اُس بِلّی کے مالک کا گُزر بھی اُسی راستے سے ہوگیا جہاں بِلّی کی کھال تن بدن سے جُدا ہُوئی پڑی تھی۔ اُس بِلّی کے مالک نے جب اُسے اس حالت میں دیکھا تو کہا۔ ”اے لالچی بِلّی! اگر تو اُسی گوشت کے ٹکڑے پر قناعت کرتی تو کبھی تیرا یہ حال نہ ہوتا۔

نونہالو! تمہیں بھی چاہیئے کہ مذکورہ واقعہ سے عبرت حاصل کرو۔ اور کبھی بُھولے سے بھی لالچ کا نام تک نہ لو۔ ورنہ یاد رکھنا وُہی حال ہوگا، جو مذکورہ بِلّی کا ہُوا۔

عبدالغفور

قیمت سالانہ پانچ روپے　　رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۴۱۵　　قیمت ششماہی عا۔ فی پرچہ ۲ر

نونہال

ہفتہ وار

آنریری ایڈیٹرز:۔

حکیم احمد شجاع بی اے علیگ　　سید غلام رسول طاہر جالندہری

ایڈیٹرز:۔

محمد اسمٰعیل　　عبدالرشید

جلد (۸) فہرست مضامین بابت ۲۲- فروری ۱۹۲۶ء نمبر (۷)

ہم تم:۔ پھولوں کے گلدستے ایک دو دن کے بعد مرجھا جاتے ہیں۔ اور پھر اُن میں پہلے جیسی خوشبو اور رنگت نہیں رہتی۔ مگر نونہال کا گلدستہ کبھی نہیں مُرجھاتا۔ اس کے "سدا بہار پھول" ہمیشہ شگفتہ رہتے ہیں۔ اور دل و دماغ کو ہر وقت فرحت دیتے رہتے ہیں۔ اس علمی گلدستہ کی قیمت کیا ہے؟ صرف پانچ روپیہ سالانہ۔ ششماہی عا۔ فی پرچہ ۲ر پتہ:۔ دفتر نونہال لاہور

(مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ گوپال داس پرنٹر چھپا۔ اور دارالاشاعت ادب لطیف کے لئے محمد اسمٰعیل کھیسر پبلشر و پروپرائٹر نے چیمبرلین روڈ لاہور سے شائع کیا)

بہادر کرٹیس

ایک دفعہ روما کی ریاست کو بہت سی مصیبتوں نے آگھیرا۔ لوگوں نے خیال کیا کہ شاید خُدا ان سے ناراض ہوگیا ہے۔ ایک دِن زمین میں ایک بڑی خندق نظر آئی۔ اور چاروں طرف سے ہولناک اور ڈراؤنی آوازیں سُنائی دینے لگیں۔ تب تو ان سب کو یقین ہوگیا۔ کہ خُدا ضرور ان سے ناراض ہوگیا ہے۔

اس لئے سب نے ایک عقلمند اور بزرگ آدمی سے مشورہ کیا۔ اور پوچھا کہ خُدا کے غُصّے کے رفع کرنے کے لئے کیا کیا جائے۔ وُہ بولا۔ کہ "اگر روما کی ریاست کا سب سے قیمتی خزانہ اس خندق میں ڈالا جائے، تو عجب نہیں کہ زمین یکساں ہو جائے، اور خُدا کا غُصّہ فرو ہو جائے۔"

لیکن کسی کو پتہ نہ تھا کہ وہ قیمتی خزانہ کونسا ہے۔ اس لئے سب رنجیدہ خاطر ہو گئے۔

دفعتہً ایک نوعمر اور بہادر سپاہی جو مارکس کرٹیس کے نام سے پُکارا جاتا تھا آیا اور کہنے لگا۔

"یقیناً روما کی ریاست میں اِن لوگوں کی زندگیوں سے بڑھ کر قیمتی کوئی خزانہ نہیں، جو اپنے مُلک پر اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار ہیں۔"

پس اس نے زرہ زیب تن کی اور تلوار ہاتھ میں لے، بہادرانہ خندق میں کُود پڑا۔ اس کے کُودتے ہی خُدا کی قدرت سے بجائے اس خندق کے وہاں ایک جھیل نمودار ہوئی، جو آج بھی جھیل کرٹیس کے نام سے مشہور ہے۔

شجاع الدین احمد

مُصیبت اور خوشی

(سلسلہ کے لئے دیکھو صفحہ ۶۲)

اور اس کی تمام چیزیں بدل کر جیسی پہلے تھیں ویسی ہی پھر ہوگئیں۔ البتہ اس کے شیشے کے سلیپروں میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ مگر جس وقت وہ گھر کی طرف بھاگنے لگی، اس وقت اس کا ایک سلیپر محل ہی میں رہ گیا۔

شہزادہ جسے اس خوبصورت لڑکی کے بھاگنے کا کوئی سبب نہ معلوم تھا۔ جب اس کے پیچھے دوڑا، تو اس نے بجائے اس لڑکی کو پانے کے اس کا سلیپر پایا۔ اور اُسے اُٹھا کر احتیاط سے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اور دوسرے دن اپنے سپاہیوں کے ذریعہ تمام شہر میں منادی کرادی۔ کہ شہزادہ اس لڑکی کے ساتھ اپنی شادی کریگا۔ جس کا ایک سلیپر اس نے پایا ہے۔ اس خبر کو سُنکر تمام ان عورتوں نے جو شہزادے کے یہاں جلسے میں شریک ہوئی تھیں۔ اُس سلیپر کو پہننے کی کوشش کی۔ مگر وہ کسی کے پاؤں میں ٹھیک نہ آیا۔ آخر کار جب شہزادے کے سپاہی سُندری کے گھر پر پہنچے، تو اس کی بیرحم بہنوں نے بھی اس سلیپر کو پہننا چاہا۔ مگر ان کے پاؤں سلیپر سے بہت بڑے نکلے۔ یہ دیکھ کر سندری نے بھی ڈرتے ڈرتے سپاہیوں سے سلیپر کو لینا چاہا۔ جس پر وُہ لوگ اسے پھٹے پُرانے کپڑے پہنے دیکھکر زور زور سے ہنسنے لگے۔ مگر سپاہیوں کے سردار نے وہ سلیپر سُندری کو دیدیا۔ اور جیسے ہی اس نے اُسے اپنے پاؤں میں پہنا، وُہ بالکل ٹھیک آگیا۔ پھر کیا تھا اس کی بہنیں تعجب سے ایک دوسرے کا مُنہ دیکھنے لگیں۔ ابھی وہ متعجب ہی تھیں

کہ پری پھر آگئی۔ اور اس نے اپنا جھنڈا ہلا کر سندری کے میلے کچیلے کپڑوں کو نہایت خوبصورت اور قیمتی بنا دیا۔ یہ دیکھ کر اس کی بہنیں سُندری کے قدموں پر گر پڑیں۔ اور رو رو کر معافی مانگنے لگیں۔ جنہیں سُندری نے اپنی بڑی بہنیں سمجھ کر معاف کر دیا۔ اور شہزادے نے اس کے ساتھ شادی کر لی۔

ابو محمد ثاقب کانپوری

تمہاری عمر کیا ہے

ایک دن کسی بادشاہ کے دربار میں ایک بہت ہی بُوڑھا عالم آیا۔ اور اپنی عجیب و غریب باتوں سے . . . . . بادشاہ کو خوش کرنے لگا۔ اس نے بادشاہ سے ایسی ایسی باتیں کیں، جو کہ بادشاہ نے اپنی عمر بھر میں کبھی نہیں سُنی تھیں۔ آخر اس نے بادشاہ سے کہا۔ کہ مَیں آپ کی عمر ایک نہایت ہی عجیب طریقے سے معلوم کرتا ہوں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتاتا ہوں کہ آپ کس مہینے میں پیدا ہوئے تھے۔

اس وقت بادشاہ کی عمر ساٹھ برس کی تھی۔ اور وُہ ماہ دسمبر میں پیدا ہُوا تھا۔

عالم۔ "مَیں آپ کو جو کچھ کہوں وُہی آپ کرتے جائیں۔"

بادشاہ۔ "بہت خوب۔"

عالم۔ "آپ اپنے دل ہی دل میں اس مہینے کا نمبر یاد رکھیں، جس مہینے میں آپ پیدا ہُوئے تھے۔"

بادشاہ۔ (چونکہ دسمبر بارھواں مہینہ ہے اس لئے بادشاہ نے ۱۲۔ نمبر کو یاد رکھا) "بہت اچھا۔ آگے۔"

عالم۔ "اس نمبر کو ۲ سے ضرب دیجئے۔"

بادشاہ۔ "ہاں۔"
عالم۔ "حاصل ضرب میں پانچ جمع کیجیے۔"
بادشاہ۔ "آ گے۔"
عالم۔ "حاصل جمع کو ۵۰ سے ضرب دیجیے۔"
بادشاہ۔ "پھر......"
عالم۔ "اس میں اپنی عمر جمع کیجیے۔"
بادشاہ۔ "آ گے؟"
عالم۔ "اس کل میں سے ۳۶۵ تفریق کیجیے۔"
بادشاہ۔ "اچھا۔"
عالم۔ "حاصل تفریق میں ۱۱۵ جمع کیجیے۔"
بادشاہ۔ "ہاں۔"
عالم۔ "اب مجھے جواب دیجیے۔ کہ کیا باقی رہا۔"
بادشاہ۔ (تعجب سے) "۱۲۶۰"
عالم۔ "شکریہ۔ تو آپ دسمبر میں پیدا ہوئے ہیں۔ اور آپ کی عمر ساٹھ برس کی ہے۔"
بادشاہ (حیرت سے) "یا اللہ۔ اس کو میری عمر کا کیسے پتہ لگ گیا۔ جناب عالم صاحب آپ نے کس طرح میری عمر پہچانی؟"
عالم۔ "آپ کے جواب سے۔ سنئے۔ پہلے دو ہندسے آپ کی عمر کو بتلاتے ہیں، یعنی ساٹھ سال۔ اور بعد کے دو ہندسے آپ کی پیدائش کے مہینے کا پتہ دیتے ہیں یعنی بارھواں مہینہ دسمبر۔"
بادشاہ۔ "واہ خوب ترکیب آپ نے سکھائی ہے۔ آئندہ سے میں اسی طرح دوسروں کی عمر معلوم کیا کرونگا۔"

نونہالو۔ تم بھی اپنی عمر یا دوسروں کی عمر اسی طرح معلوم کر سکتے ہو۔

شیخ اسماعیل پونوی

نوٹ

ہر ایک نونہال کو چاہیے۔ کہ کم از کم ایک ایک خریدار، ضرور نونہال کے لئے مہیا کرے۔ تاکہ نونہال بہتر سے بہتر ہوتا جائے۔

لطیفہ منظوم

مسخرہ تھا اِک ہمارے گاؤں میں — تھا سوائے دل لگی اُس کو نہ کام
مِل گیا اِک دِن اُسے چِٹھی رساں — پُوچھتا ہے اُس کو جب کر کے سلام
کیا ہمارا خط کوئی آیا ہے آج ؟ — جلد دیجے مجھ کو ہے پھر اور کام
سُن کے یہ چِٹھی رساں نے یوں کہا — آپ سے نا آشنا ہوں کیا ہے نام؟
کون سی خدمت پہ ہیں مامور آپ — ہے کہاں بتلائیے اپنا قیام
مسخرہ سُن کر یہ دیتا ہے جواب — ساری باتوں سے نہیں ہے تم کو کام

پُوچھنے کی کیا ضرورت ہے جناب
دیکھ لیجے خط پہ لکھا ہے تمام

مرزا احسن بیگ مرزا

ضد

کہے دیتے ہیں کہ اچھی نہیں بیکار کی ضد — بُری ہوتی ہے میری جان یہ ہر بار کی ضد
بات اچھی ہو تو ہر شخص کہے گا اچھا — بُری ہوتی ہے ہر اک بات پہ بیکار کی ضد
ناقص الرائے کی ہٹ تو نہیں مانی جاتی — پُوری ہوتے ہُوئے دیکھی کبھی بیمار کی ضد؟
دوستی کے نہیں قابل ہے وہ انسان کبھی — جس کو ہوتی ہے کسی راز کے اظہار کی ضد
بچپنے ہی میں رہے بچّوں کی اصلاح کا دھیان — آگے چل کر بُری ہو جاتی ہے یہ پیار کی ضد

گلیور کا بحری سفر

(گزشتہ سے پیوستہ)

مَیں نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن اُٹھ نہ سکا۔ کیونکہ جب مَیں سیدھا لیٹا ہُوا تھا تو مجھے یوں محسوس ہُوا۔ کہ میری ٹانگیں ، اور بازو مضبوطی سے ہر ایک طرف زمین سے بندھے ہُوئے ہیں۔ اسی طرح مَیں نے اپنے جسم کے گرد بھی یعنی بغلوں سے رانوں تک نرم نرم بند محسوس کئے۔ مَیں صرف اُوپر کی طرف دیکھ سکتا تھا۔ دُھوپ تیز ہونے لگی۔ اور روشنی سے میری آنکھیں چندھیانے لگیں۔ مَیں نے اپنے ارد گرد کچھ شور سُنا لیکن اس حالت میں جس میں کہ مَیں لیٹا ہُوا تھا۔ آسمان کے سوا کچھ بھی نہ دیکھ سکا۔

تھوڑی دیر کے بعد مَیں نے اپنی ٹانگوں پر کوئی جاندار چیز حرکت کرتی ہُوئی محسوس کی۔ یہ آہستہ آہستہ بڑھتی ہُوئی میری چھاتی کے اُوپر سے ٹھوڑی کے قریب آگئی مَیں نے اس وقت اپنی آنکھوں کو یہاں تک جُھکا کر دیکھا، تو معلوم ہُوا کہ ایک چھ انچ سے کم اُونچا انسان جو ہاتھ میں تیر و کمان لئے اور پیٹھ پر ایک ترکش رکھے۔ میرے اُوپر حرکت کر رہا ہے اسی اثنا میں پہلے کے پیچھے اسی قسم کے چالیس انسان اور (جیسا کہ میرا خیال تھا) مَیں نے دیکھے۔

مَیں اس ماجرا کو دیکھ کر بہت ہی حیران ہُوا۔ اور اتنا زور سے چلّایا کہ وہ تمام ڈر کے مارے بھاگ گئے۔ اور ان میں سے اکثروں کے چوٹیں بھی آئیں۔ جس کا علم مجھے بعد میں ہُوا۔ لیکن وہ پھر جلدی ہی واپس آگئے۔ اور ان میں سے ایک نے میرے چہرے کو اچھی طرح دیکھنے کی دلیری کی۔ وہ اپنے ہاتھ اور آنکھیں تعجب آمیز طریقہ سے اُٹھا کر ایک

صاف اور تیز آواز سے چلّایا۔ "ہیکناڈوگل" "ہیکناڈوگل" دوسروں نے بھی کئی دفعہ ان لفظوں کو دُہرایا۔ لیکن مَیں ان کے معنی خاک بھی نہ سمجھ سکا۔

ناظرین! یقین جانیے۔ کہ مَیں اس وقت بہت ہی بے چینی سے لیٹا ہُوا تھا۔ آخرکار مَیں نے آزاد ہونے کی کوشش کی۔ اور ایک جھٹکا دیکر رسّیاں توڑ ڈالیں۔ اور ان میخوں کو بھی اُکھاڑ ڈالا۔ جن سے میرا بایاں بازو بندھا ہُوا تھا۔

جب مَیں اپنے بازو اُٹھاکر چہرے کے پاس لایا۔ تو مَیں نے وُہ طریقہ جن سے انہوں نے مجھے باندھا تھا معلوم کرلیا۔ اس وقت ایک زور کے جھٹکے سے جس نے مجھے از حد تکلیف دی۔ مَیں نے ان رسیوں کو جن سے میرے بال بائیں طرف بندھے ہُوئے تھے۔ ذرا ڈھیلا کرلیا۔ اب مَیں اپنے سر کو تقریباً دو انچ اِدھر اُدھر حرکت دے سکتا تھا۔ لیکن وہ مخلوق دوسری طرف بھاگ نکلی۔ اور مَیں ان کو پکڑ نہ سکا۔ تب بہت ہی تیز آواز میں ایک بڑا شور بلند ہُوا۔ اور اس کے بند ہونے کے بعد مَیں نے ان میں سے ایک کو یہ آواز بلند "ٹونگو پھونگ" چلّاتے ہُوئے سُنا۔

اس کے بعد ایک ہی لمحے میں مَیں نے اپنے بائیں ہاتھ پر سینکڑوں تیر لگتے ہُوئے محسوس کئے۔ یہ سُوئیوں کی مانند چُبھ رہے تھے۔ پھر یکلخت تیروں کا ایک مینہ برسنے لگ گیا۔ مَیں نے اپنا چہرہ فوراً اپنے بائیں ہاتھ سے ڈھانپ لیا۔ جب تیروں کی بوچھاڑ ختم ہوگئی۔ تو مَیں نے درد اور تکلیف کے مارے زور زور سے چلّانا شروع کیا۔

مَیں نے دوبارہ آزاد ہونے کی کوشش کی۔ تو اُنہوں نے پہلے سے بھی زیادہ تیر میری طرف پھینکے۔ اور بعض نے تو میرے پہلوؤں

میں برچھیاں مارنے کی کوشش بھی کی۔لیکن خوش قسمتی سے میں نے چمڑے کی واسکٹ پہنی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے مجھے کوئی تکلیف نہ ہوئی۔

میں نے خیال کیا۔کہ چُپ چاپ رہنا سب سے اچھا طریقہ ہے۔ اس لئے میں نے رات تک اس تجویز پر عمل کرنے کا ارادہ کرلیا۔باشندوں کے بارے میں پُوچھتے تو مجھے کافی یقین تھا کہ میں ان کی بڑی سے بڑی فوج کے واسطے جوکہ وہ میرے برخلاف جمع کرکے لاسکتے تھے۔اکیلا کافی تھا۔بشرطیکہ تمام آدمی اسی قد کے ہوں۔جن کو میں نے پہلے دیکھا تھا۔

لیکن قسمت میں کچھ اور ہی لکھا تھا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ میں چُپ چاپ ہوں تو اُنہوں نے اور کوئی تیر نہ چھوڑا۔لیکن اس شور سے جوکہ میں نے سُنا۔میں نے معلوم کرلیا۔کہ اُن کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ میں چار گز کے فاصلے پر اپنے دائیں کان کی طرف کھڑکھڑاہٹ سُنتا رہا۔جس طرح کہ کام میں لگے ہوئے لوگ کرتے ہیں جس قدر رسّیاں اور میخیں مجھے اجازت دیتی تھیں میں نے اپنا سر اُس طرف پھرایا۔ تو میں نے زمین سے ۱½ فٹ کے قریب اُونچا چبوترہ بنا ہُوا دیکھا۔اس پر چار آدمی بیٹھ سکتے تھے اور اس پر چڑھنے کے لئے دو تین سیڑھیاں لگی ہُوئی تھیں۔اس جگہ پر بیٹھ کر ان میں سے ایک ذی عزت آدمی نے میرے سامنے ایک تقریر کی۔جس کا ایک حرف بھی میری سمجھ میں نہ آیا۔

(باقی پھر)

سیّد غلام مصطفےٰ

شعبدہ بازوں کے کرتب

ایک دفعہ بنگالے کے بازیگروں نے شاہ نورالدین جہانگیر کے دربار میں حاضر ہو کر اپنے ہُنر دکھانے کی اجازت طلب کی۔ چنانچہ وہاں سے اجازت لے کر اُنہوں نے عجیب و غریب تماشے کئے۔

(۱) سات آدمی برابر برابر کھڑے ہو گئے۔ بالکل چُپ چاپ۔ مگر ایک دلکش گیت گانے کی آواز برابر آتی رہی۔ جیسے کہ ساتوں آدمی ایک آواز سے گا رہے ہیں۔

(۲) بیس من گوشت، چاول اور مصالحہ ایک دیگ میں ڈالا گیا۔ اور اس میں سرد پانی ڈال دیا۔ لیکن اُس کے نیچے آگ بالکل نہ جلائی گئی۔ دیگ میں خود بخود جوش آ گیا۔ ایک منٹ کے بعد دیگ کا مُنہ کھولا، تو اُس میں سے کھانے کی ایک سو تھالیاں نکلیں جسے کئی آدمیوں نے کھایا۔

(۳) اُنہوں نے زمین میں ایک فوّارہ گاڑا۔ اور تین بار اُس کے گرد دوڑے۔ تو وُہ فوّارہ یکدم جوش میں آ گیا۔ اور دس گز تک بلند ہُوا ہر لحظہ فوّارے سے نئے نئے رنگ کا پانی نکلتا تھا۔ اور جو پانی زمین پر گرتا تھا اُس سے زمین بالکل نہ بھیگتی تھی۔

(۴) ایک آدمی کھڑا ہُوا۔ اور ایک اور آدمی اس کے کندھے پر کھڑا ہُوا۔ اسی طرح ساٹھ آدمی ایک دوسرے کے اُوپر کھڑے ہُوئے پھر ایک آدمی آیا۔ اور تمام کو اپنے کندھے پر اُٹھا کر چل دیا۔

(۵) پھر دیوان شیخ سعدیؒ لایا گیا۔ اور ایک تھیلے میں ڈال کر اُسے باہر نکالا۔ دیوان حافظ ہو گیا۔ پھر ڈالا تو دیوان سلمان۔ اسی طرح جتنی دفعہ ڈالتے نیا دیوان ہو جاتا۔

(۶) اس کے بعد ایک زنجیر لے کر اس کو اُوپر

کی طرف پھینکا۔ ہوا میں جاکر وہ سیدھی ہوگئی اور لٹکنے لگی۔ پھر ایک شیر کو لے آئے۔ اُس شیر نے زنجیر کو پکڑا۔ اور اُوپر جاکر غائب ہوگیا۔ اسی طرح بہت سے جانور اُوپر چڑھ گئے۔ اور غائب ہوگئے۔ اور معلوم نہ ہُوا کہ کہاں گئے۔ اور کیا ہُوئے۔

القصّہ اُنھوں نے دو دن تماشہ کیا۔ جہانگیر نے اُنہیں پچاس ہزار روپیہ دیا۔ اور اسی طرح شاہجہان اور دوسرے شہزادوں نے بھی انعام دئے۔ تمام روپیہ دو لاکھ کے قریب جمع ہوگیا۔

حبیب احمد

لطیفے

۱۔ ایک شخص اپنے دوست کی ملاقات کو گیا۔ دروازے پر جاکر دستک دی۔ نوکر اندر سے بولا "میاں گھر میں نہیں ہیں۔" وہ شخص یہ جواب سُنکر چلا آیا۔ مگر دوست کو گھر میں باتیں کرتے ہُوئے سُن لیا تھا۔ کئی دن کے بعد وہ دوست اُن کے گھر آئے۔ اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ انھوں نے اندر سے آواز دی۔ "جناب! مَیں گھر میں نہیں ہوں۔" دوست نے کہا۔ "واہ صاحب۔ کیا مَیں آپ کی آواز نہیں پہچانتا؟" اِنھوں نے کہا۔ "کیوں صاحب؟ جب ہم آپ کے گھر گئے تو آپ کے نوکر کے کہنے سے یقین کرلیا۔ اب مَیں خود کہہ رہا ہوں اور آپ کو یقین نہیں آتا۔"

۲۔ ایک کنجوس شخص نماز کے لئے گھر سے نکلا۔ مسجد دُور تھی۔ راستے میں یاد آیا کہ گھر کا چراغ جلتا چھوڑ آیا ہوں۔ وہیں سے اُلٹے پاؤں واپس دروازے پر آکر لونڈی کو پکارا کہ "چراغ گل کر دینا۔ اور دروازہ نہ کھولنا، خواہ مخواہ گھسے گا۔" لونڈی نے کہا۔ میاں مَیں نے تو چراغ پہلے ہی گل کر

دیا تھا۔ آپ ناحق اتنا راستہ طے کر کے آئے ہیں۔ اور پھر واپس جائینگے۔ آپ کا جُوتا مُفت میں گھس گیا ہوگا۔" میاں نے کہا۔" اے دانا لونڈی! آفرین ہے تیری خیر خواہی اور دُور اندیشی پر۔ مگر گھبراؤ نہیں، جُوتا مَیں نے پہلے ہی بغل میں دبالیا تھا۔"

بی۔ ایل سہگل

۳۔ ایک دیہاتی مدرسہ میں کچھ لڑکے تعلیم پاتے تھے۔ ان لڑکوں میں ایک لڑکا انتہا درجہ غبی واقع ہُوا تھا۔ یوں تو ہمیشہ اُس سے زبان کی غلطیاں سرزد ہوتی تھیں۔ لیکن ایک دن ایک مزیدار واقعہ پیش آیا۔ ہُوا یہ کہ کسی نے اس کے رخسار پر شرارتاً سیاہی لگا دی۔ اُس نے اس واقعہ کو اُستاد کے سامنے یوں بیان کیا۔" حضت حضت وُہ چھوکرا میرے کلّے کو شیائی داوت لگایا۔" اُستاد نے جو غور سے دیکھا، تو اس کے رخسار پر سیاہی کے دھبّے نظر آئے۔ پھر تو اُن سے بھی رہا نہ گیا اور وہ بے اختیار ہنس پڑے۔ اُستاد صاحب کو ہنستے ہُوئے دیکھ کر جماعت کے بچے بھی قہقہہ مارنے لگے۔ لڑکا اتنا شرمندہ ہُوا کہ اس نے اُس دن سے جماعت میں بات کرنا ہی چھوڑ دیا۔

سیّد برہان الدین احمد

معمّے

ایک مشہور جرنیل کا نام آٹھ حرفوں سے مرکب ہے۔ اگر اس کے حروف مندرجہ ذیل طریقے سے اُلٹ پلٹ کر کے ملائے جائیں تو ذیل کے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

(۱) ۴ + ۲ + ۵ = ایک چیز جو ہمیں روشنی پہنچاتی ہے
(۲) ۷ + ۲ + ۶ + ۴ = جغرافیہ کی اصطلاح
(۳) ۵ + ۸ + ۴ + ۱ = ایک سبزی
(۴) ۷ + ۳ + ۲ = ایک ملک کا نام۔

(۵) ۷+۱+۲ = جسم کا ایک جزو۔
(۶) ۷+۸+۴ = ایک قیمتی کپڑا

آنریری ایڈیٹر

ایک سہ حرفی لفظ ایک پینے والی چیز کا نام ہے۔ اگر اس کے حروف مندرجہ ذیل طریقے سے ملائے جائیں، تو ذیل کے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) ۳+۱+۲ = بزرگ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے
(۲) ۱+۳ = شرارت
(۳) ۱+۳+۲ = عزت و تعظیم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔
(۴) ۱+۲ = مال و اسباب
(۵) ۳+۲+۱ = ایک متبرک چیز جو سب کو پیاری ہے۔

عبدالواحد

ان ہر دو معموں کا صحیح حل بھیجنے والے کو ایک روپیہ نقد یا ایک روپیہ کی کتابیں بطور انعام دفتر نونہال سے دیجائینگی۔ معموں کے جوابات ۸۔ مارچ تک پہنچ جانے چاہئیں۔

عالمگیر کا استقلال

عالمگیر بادشاہ کی بہت سی تاریخی کہانیاں ہم سُنا چکے ہیں۔ اس بادشاہ کو بڑھاپے میں باغی اور سرکش مرہٹوں نے بہت پریشان کیا۔ اور اکثر جگہ بے امنی و بغاوت پھیلادی۔ جب ان کی سرکشی حد سے زیادہ ہُوئی تو عالمگیر کا یہ ارادہ ہُوا کہ ان کو پُوری سزا دیجائے۔ اور مرہٹوں کے سارے قلعے جو ان کی جائے پناہ بنے ہُوئے تھے۔ فتح کر لئے جائیں۔ یہ قلعے ایسے مضبوط، بلند اور چاروں طرف غاروں اور خندقوں سے اس طرح گھرے ہُوئے تھے کہ ان کا فتح کرنا اور انہیں قبضے میں لانا آسان کام نہ تھا۔ بعض بعض قلعے دو دو میل کی بلند پہاڑیوں پر واقع تھے۔ راج گڈھ کا قلعہ جو سیواجی کا پایہ تخت تھا۔ اس کا احاطہ بارہ میل کا تھا۔ راستے اسقدر دشوار گذار

تھے کہ کئی کئی دن میں ایک ایک میل طے ہوتا تھا۔ بڑے بڑے دریا۔ دشوار گزار نشیبی میدان، گہرے گہرے نالے، اور تنگ راستے نہایت تکلیف دہ تھے۔ عالمگیر کی عمر اس وقت ۸۲ سال کی تھی۔ وہ بوڑھا تھا، مگر اس کی ہمت جوان تھی۔ اور عزم و استقلال بوڑھا نہیں ہوا تھا۔ اس جوان ہمت بادشاہ نے کچھ پروا نہ کی۔ اور اس لشکر کی کمان خود اپنے ہاتھ میں لی۔ اور دھاوا بول دیا۔ آخر ایک ایک کر کے سارے قلعے فتح کر لئے۔

بچو! اس بوڑھے بادشاہ کی جوان ہمت پر تو غور کرو۔ آج مسلمان کس حالت میں ہیں ذرا یہ بھی سوچو۔ ہمارے جوانوں میں اگر آج یہ ہمت ہو تو ساری مشکلیں آسان۔ اور ساری مصیبتوں کے قلعے فتح ہو جائیں۔

محوی صدیقی

سدا بہار پھول

۱۔ "کھوئی ہوئی دولت محنت سے پیدا کی جا سکتی ہے۔ تباہ شدہ صحت پرہیز سے حاصل ہو سکتی ہے۔ بھولا ہوا علم مطالعہ سے پھر یاد ہو سکتا ہے۔ لیکن کون ہے۔ جو ضائع شدہ وقت کو پھر واپس لا سکے۔" (بیکن)

۲۔ "بیکاری برائیوں کی جڑ ہے۔"

۳۔ "بغیر دوست کے دنیا اجاڑ ہے" (بیکن)

۴۔ "دوستی زندگی کی روح ہے۔" (ملٹن)

۵۔ "باپ دادا کی کتابیں علم کے موتی ہیں۔" (سقراط)

۶۔ "قناعت سب سے بڑی دولت ہے۔" (حضرت علی)

۷۔ تمنا آبرو کی ہو اگر گلزار ہستی میں
تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے

(علامہ اقبال)

قیمت سالانہ پانچ روپے　　رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۴۱۵ /　　قیمت ششماہی ۳ / فی پرچہ ۲ /

نونہال
ہفتہ وار

آنریری ایڈیٹرز:-
حکیم احمد شجاع بی۔اے عبیگ　　سیّد غلام رسول طاہر جالندہری
ایڈیٹرز:-
محمد اسمٰعیل　　عبدالرشید

جلد (۸)　فہرست مضامین بابت ۲۸۔فروری ۱۹۲۶ء　نمبر (۸)

ہم تم:- آیندہ صرف اُن ہی بچوں کے نام نونہال میں شائع ہُوا کریں گے۔ جو نونہال کے خریدار ہیں۔ اور انہی بچّوں کو انعام تقسیم کیا جایا کریگا۔ جو نونہال کو خریدتے اور پڑھتے ہیں۔ اس لئے نونہال بچّوں کو معمّوں کے حل بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر۔ جو چٹ کے اُوپر درج ہوتا ہے۔ لکھنا چاہیئے۔ یاد رہے کہ ۱۴۱۵ / کسی کا خریداری نمبر نہیں ہے۔

آنریری ایڈیٹر

(مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام گوپال داس پرنٹر چھپا۔ اور دارالاشاعت ادب لطیف کیلئے محمد اسمٰعیل لکھپسو پبلشر و پروپرائیٹر نے چیمبرلین روڈ۔ لاہور سے شائع کیا)

دلچسپ معلومات

کینیڈا کے محکمہ بحری نے اعلان کیا ہے۔ کہ ۱۱۔ جون ۱۹۲۵ء کو جو مچھلیاں نواسکوشیا کے ساحل کے پاس چاندی کے چھلّے پہنا کر سمندر میں چھوڑی گئی تھیں۔ اُن میں سے ایک مچھلی ابتدائے ماہ جولائی میں کوبیک کے پاس پکڑی گئی تھی۔

اس مچھلی نے کم سے کم آٹھ سو میل کا سفر طے کیا ہوگا

انگلستان میں بعض آدمی دعوے کرتے ہیں۔ کہ وہ زمین کے اندر کے دفینے دیکھ سکتے ہیں۔ اُن کے پاس ایک ایسی لکڑی ہوتی ہے، جو دفینے کے مقام پر آ کر خود بخود کانپنے لگتی ہے۔

اُڑیسہ کے بعض پہاڑی علاقوں میں اب تک ایسی وحشی قومیں موجود ہیں۔ جو ملزموں کو پانی میں ڈبو کر مقدمات کا فیصلہ کرتی ہیں۔

حال ہی میں ایک نئی قسم کا ہوائی جہاز بنایا گیا ہے۔ جس میں یہ خوبی ہے۔ کہ اگر اُسے کسی قسم کا صدمہ پہنچے۔ تو اُس کے مسافر جھٹ غباروں کے ذریعہ زمین پر اُتر سکیں۔

فرانسیسی جہازوں کو غلیظ کُہر سے مطلع کرنے کے لئے ایسی گھنٹیاں ایجاد کی گئی ہیں۔ جو کُہر پڑتے ہی خود بخود زور زور سے بجنے لگ جاتی ہیں۔

پُورن سنگھ ہنر

سدا بہار پھول

۱۔ راستبازی سے بڑھ کر اور کوئی خوشی نہیں۔

(بیکن)

۲۔ خوشی کے وقت دوسروں کو مقدم رکھو۔

(القرآن)

ایک بچّہ کی ستارے سے باتیں

آسماں پر مُسکرانے والے تارے سُن ذرا | دیر سے مَیں منتظر تھا تیرے اِک نظارے کا
کیوں چمک کر تُو نے چہرہ پھیر لیا اپنا چھپا | جھلملا کر اِک ذرا پھر کیوں تو غائب ہو گیا

ہاں نظر آ آسماں کی چادر خوشرنگ پر | پھر چمک اس طرح سے میری جھپک جائے نظر
آسماں پر دُور کوسوں ہم سے ہے تیرا گزر | دیکھتا ہوں تجھ کو جتنا اُتنا ہے تو دُور تر

تجھ سے الفت ہے مجھے تجھ سے محبت ہے مجھے | تیری چمکیلی نظر سے تازہ راحت ہے مجھے
دیکھنے سے تیرے یک گونہ مسرت ہے مجھے | آسمان پر سب سے بڑھ کر تجھ سے رغبت ہے مجھے

روشنی تیری اُدھر ہے اور ادھر میری کتاب | میرے دل میں ہے تمنّاؤں کا برپا اضطراب
دیکھتا ہوں تیری جانب اور کرتا ہوں حساب | کہ رہوں مَیں امتحاں میں سب سے بڑھ کر کامیاب

روشنی میں تیری پڑھنا لطف دیتا ہے عجب | رات بنتی ہے سبق کے یاد رہنے کا سبب
کامیابی کی امیدوں سے ہے دل میں اک طرب | امتحاں کا وقت کب ہو پاس مَیں ہو جاؤں کب

ہاں چمک ننھے ستارے تا کہ مَیں جی سے پڑھوں | اپنے ہم تعلیم لڑکوں میں مَیں ہی اوّل رہوں
اپنے ابّا جان کا دل شاد مَیں ایسے کروں | آخر آئے ایک دِن جب مَیں بڑا افسر بنوں

رات کو صرف ایک تو رکھتا ہے بس میری خبر | جاگتا ہے ساتھ میرے ننھے تارے بے خطر
کامیابی کا سبب ہے میری تو اے خوش سیر | میری ان بیدار آنکھوں پر تو رکھتا ہے نظر

میرے چھوٹے ننھے تارے امتحاں ہے میرا کل | ٹوٹتا ہے دل تو تجھ کو دیکھ جاتا ہے سنبھل
پڑھتے پڑھتے دل اگر جائے کہیں میرا مچل | روشنی سے تیری فوراً پھر یہ جاتا ہے بہل

کامیابی کا میری شاید تجھے ارمان ہے | روشنی تیری میری تعلیم کا سامان ہے
تو میری اُمید کی گھڑیوں میں اک مہمان ہے
سچ میں کہتا ہوں تجھ اور تجھ پہ میری جان ہے

بلقیس جمال بریلی

وعدہ وفائی۔ مروّت۔ احسان

ایک دن حضرت عمر فاروق اعظمؓ کمرۂ عدالت میں بیٹھے تھے۔ کہ دو خوبصورت نوجوان ایک آدمی کو گرفتار کرکے لائے۔ اور خلیفہؓ کے سامنے عرض کی۔ " ہم دونوں حقیقی بھائی ہیں مدینہ کے باہر ہمارا ایک باغیچہ ہے۔ جہاں ہم رہتے ہیں۔ ہمارا باپ متقی اور پرہیزگار تھا۔ وُہ آج پھل جمع کرنے کو باغیچہ میں گیا۔ اس قیدی نے اس کو مار ڈالا۔ ہم اپنے باپ کی چیخ سُن کر دوڑے۔ آکر دیکھا۔ تو ہمارا باپ مرچکا تھا۔ اور یہ آدمی عنقریب بھاگنا چاہتا تھا۔ چونکہ اس کے سوا وہاں کوئی نہ تھا۔ اس لئے ہم نے اس کو گرفتار کرلیا۔ اب یہ دربار میں حاضر ہے۔ آپ ہمارا انصاف فرمائیں۔ اور ہمارے باپ کا قصاص دلوائیں۔

عادل خلیفہ نے قیدی سے اصل معاملہ دریافت فرمایا۔ تو قیدی نے عرض کی۔" اے امیرالمومنین! مَیں ریگستان کا رہنے والا ہوں۔ اور معزّز گھرانے کا رکن ہوں۔ ہمارے گاؤں میں قحط پڑگیا۔ چارہ کی قلّت ہوگئی۔ میں اپنے اُونٹ لیکر چارہ کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں۔ آج مَیں ادھر مدینہ کی طرف آنکلا۔ میرے ایک اعلےٰ نسل اُونٹ نے ایک باغ کی طرف رُخ کیا۔ جوکہ برلب سڑک تھا۔ اور ایک درخت کے پتّے کھانے لگا۔

مَیں اُونٹ کو بڑھ کر ڈانٹنے گیا کہ اتنے میں ایک سفید ریش آدمی نمودار ہوا۔ اُس نے آتے ہی ایک پتّھر بڑے زور سے دے مارا۔ پتّھر اُونٹ کی آنکھ پر لگا۔ جس کے صدمہ سے وہ مرگیا۔ چونکہ اُونٹ مجھے بہت پیارا تھا۔ مَیں نے وہی پتّھر اُٹھا کر اُس بُوڑھے آدمی کے مارا۔ جس کے صدمہ سے وُہ آدمی بھی مرگیا۔ مَیں وہاں سے جلد از جلد نکلنے ہی کو تھا کہ ان

دونوں نے مجھے گرفتار کر لیا۔ اور اس جگہ لے آئے۔ اصل واقعہ مَیں نے راست راست عرض کر دیا ہے۔ آیندہ انصاف آپ کے ہاتھ ہے۔"

خلیفہ۔" مَیں تیری راست بیانی کی تعریف کرتا ہوں۔ اللہ تجھے سچائی کا ثواب دے۔ مگر چونکہ تم نے خود اپنے جرم کا اقبال کر لیا ہے۔ اس لئے سوائے قصاص کے کوئی چارہ نہیں"

ملزم۔" اچھا اگر آپ کے انصاف میں میری سزا قتل ہی ہے۔ تو مجھے تین دن کی مہلت عطا فرمائیں۔ کیونکہ میرا باپ مرتے وقت میرے چھوٹے بھائی کا روپیہ میرے سپرد کر گیا تھا۔ وہ روپیہ مَیں نے زمین میں دفن کیا ہوا ہے۔ جس کا میرے سوا کسی کو پتہ نہیں اگر مَیں اس جگہ مر گیا۔ تو میرا بھائی روپیہ سے محروم رہ جائیگا۔"

خلیفہ۔" تمہیں ضمانت پر مہلت مل سکتی ہے۔"

ملزم نے اِدھر اُدھر دیکھ کر حضرت ابو ذر غفاریؓ کی طرف اشارہ کیا۔ اور کہا۔" یہ میرے ضامن ہیں۔" ابو ذرؓ نے بھی ضامن بننا منظور کر لیا۔ حالانکہ وہ ملزم کو نہ ملزم کی قوم کو جانتے تھے۔ ضمانت پر ملزم کو تین دن کی مہلت دی گئی۔ اور وہ اپنے گھر کو چلا گیا۔ جب تیسرا دن آیا، تو مُدعی حضرت عمرؓ کے پاس آ گئے۔ مگر ملزم نہ آیا۔ عصر کا وقت ہو گیا۔ تمام اِدھر اُدھر دیکھنے لگے کہ ملزم آ جائے۔ مگر اس کا کوئی پتہ نہیں کہ کون تھا اور کہاں کا رہنے والا۔ آخر جب سُورج غروب ہونے کے قریب آیا۔ تو اُن دونوں نوجوانوں نے عرض کی۔ کہ ملزم دھوکہ دیکر بھاگ گیا۔ اب حضرت غفاریؓ کو ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ تمام مجلس غمگین تھی۔ کیونکہ غفاریؓ بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ اور ہر دلعزیز

بھی تھے۔ تمام نے نوجوانوں کی منتیں کیں۔ بہت سا روپیہ پیش کیا۔ مگر اُنہوں نے ایک کی نہ مانی۔ اور برابر قصاص کا مطالبہ کرتے رہے آخر خلیفہ نے حکم دیا کہ ضامن کو اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیے۔ یعنی قتل ہونے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ حضرت ابوذرؓ بڑے حوصلے سے آگے بڑھے۔ اور اپنے آپ کو نوجوانوں کے سپرد کر دیا۔ ابھی قتل گاہ کو جانے کے لئے تیار ہی تھے۔ کہ اصلی ملزم پسینہ سے تر بتر وہاں پہنچ گیا۔ اور مسرت آمیز الفاظ میں کہنے لگا۔ کہ میں اپنے بھائی اور اس کے روپیہ کو اپنے ماموں کے سپرد کر آیا ہوں۔ اور حتے المقدور جلدی آگیا ہوں۔ بیشک مجھے جان بچانے کا موقعہ مل گیا تھا۔ مگر میں ایسی بزدلانہ زندگی پر موت کو ترجیح دیتا ہوں۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہے۔ کہ "مردوں میں وعدہ وفائی نہیں رہی۔" میری جان حاضر ہے۔ اور اُس شخص کا شرمندۂ احسان ہوں۔ جس نے عدم واقفیت میری ضمانت دی۔

یہ سُنتے ہی ابوذر نے کہا۔ "اے امیرالمومنین! مَیں نے اس کی ضمانت دی۔ حالانکہ مَیں اس سے نہ اس کی قوم سے واقف تھا۔ لیکن جب اُس نے تمام کو چھوڑ کر مجھ کو منتخب کیا۔ تو مَیں نے انکار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہے۔ کہ "مردوں میں مروّت نہیں رہی۔"

یہ تقریر سُنکر نوجوانوں نے کہا۔ "اے عادل! اس ملزم نے اپنی حاضری سے تمام غمی اور رنج کو خوشی سے بدل دیا۔ اور ابوذر نے مروّت کی مثال پیش کر دی۔ ہم بھی اس ملزم کو اپنے باپ کا خون معاف کرتے ہیں۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہے۔ کہ "مردوں میں احسان کی توفیق نہیں رہی۔"

پیارے نونہالو! اس تاریخی کہانی

سے اخلاق سیکھو۔

(۱) اس نوجوان ملزم کی طرح جان کی پروا نہ کرتے ہوئے ہمیشہ سچ بولو۔ اور وعدہ پورا کرو۔

(۲) جو تم پر بھروسہ کرے۔ تم بھی اُس پر بھروسہ کر کے مروّت کرو۔ جیسا کہ حضرت ابوذرؓ نے ملزم پر مروّت کی۔

(۳) عدل اور انصاف کی عادت پیدا کرو۔ جیسا کہ عادل خلیفہؓ نے محض انصاف کی غرض سے اپنے عزیز کو قتل ہونے کے لئے تیار کیا تھا۔

(۴) احسان کی توفیق اپنا شیوہ بناؤ۔ جیسا کہ ان نوجوانوں نے ملزم پر احسان کیا تھا۔

غازی فتح محمد

محنت کا پھل

بوپ دیو ایک پاٹھ شالا میں پڑھتا تھا مگر ایسا غبی تھا کہ اُسے کچھ بھی یاد نہ رہتا تھا۔ ایک دن گرُو نے اسے بُرا بھلا کہا۔ آخر کار وہ چُپ چاپ پاٹھ شالہ سے چل دیا۔ ایک دن بوپ دیو چلتا چلتا تھک کر ایک تالاب کے سامنے درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے بعد اُس نے دیکھا کہ ایک لڑکی مٹّی کے گھڑے میں پانی لے کر اُسے ایک پتھر پر رکھ کر آپ نہانے لگی۔ نہا کر وہ اُس گھڑے کو بغل میں لیکر اپنے گھر چلی گئی۔ جہاں پر گھڑا رکھا تھا۔ وہاں ہر روز گھڑا رکھنے سے اس کی رگڑ سے ایک چھوٹا سا گڑھا پیدا ہو گیا تھا۔ یہ دیکھکر بوپ دیو کچھ سوچتا رہا۔ آخر اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اور خوش خوش گرُو کے پاس واپس لوٹ آیا۔ گرُو اسے دیکھ کر بہت خوش ہُوا۔ تب بوپ دیو نے ساری واردات سُنائی۔ اور پڑھائی میں پھر مشغول ہو گیا۔ آخر کار اُسے پڑھائی کا نتیجہ مِل گیا۔ یعنی اُس کا سبق اچھی طرح سے یاد

ہونے لگ گیا۔ اور وہ بہت لائق آدمی بنا۔

نونہال بچو! انہیں بھی بوپ دیو کی کہانی سے سبق لینا چاہیئے۔ اور کسی حالت میں ہمت اور محنت کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیئے محنت کا اجر ضرور ملتا ہے۔ اور محنت کبھی رائگاں نہیں جاتی۔

پی۔ ایل سہگل

گلیور کا بحری سفر

(گزشتہ سے پیوستہ)

لیکن یہ بتا دینا لازمی ہے۔ کہ اُس آدمی نے اپنا لکچر شروع کرنے سے پہلے تین دفعہ بلند آواز سے "لنگرو ڈیہل سان" کہا۔ اس کے ان لفظوں کو سنتے ہی فوراً پچاس آدمی آگئے۔ اور ان رسیوں کو جن سے میرا سر بائیں طرف سے بندھا ہوا تھا۔ کاٹ ڈالا۔ اس سے مَیں اپنے سر کو دائیں طرف پھرانے اور لکچرار کے جسم اور حرکات کو دیکھنے کے قابل ہو گیا۔ وُہ ایک درمیانی عمر کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اور ان تین آدمیوں سے ذرا لمبا تھا جو کہ اُس کی خدمت میں تھے۔ ان میں سے ایک تو نوکر تھا۔ دوسرے دونوں طرف اُس کو سہارا دئے ہوئے تھے۔

مَیں نے بہت ہی مودبانہ طریقے سے چند لفظوں میں اس کا جواب دیا۔ ساتھ ہی اپنا بایاں ہاتھ اور دونوں آنکھیں سورج کی طرف اُٹھائیں۔ گویا کہ مَیں اُن کو گواہ بنا رہا ہوں۔ مَیں بھوک کے مارے بیتاب ہو رہا تھا۔ کیونکہ جہاز چھوڑتے وقت مَیں نے ایک لقمہ بھی نہیں کھایا تھا۔ اس لئے مَیں نے بار بار اپنی اُنگلی مُنہ میں ڈال کر ظاہر کیا کہ مَیں بھوکا ہوں مجھے خوراک چاہیئے۔

ہر گو (ایک بڑے سردار کو اس نام سے

پُکارتے تھے) نے میرا مطلب اچھی طرح سمجھ لیا۔ وُہ تخت سے نیچے اُترا۔ اور حکم دیا۔ کہ کئی سیڑھیاں میرے پہلوؤں پر لگائی جائیں۔ اور ان سیڑھیوں پر سو سے زیادہ آدمی گوشت کے بھرے ہُوئے ٹوکرے اپنے ساتھ لے کر میرے منہ کی طرف چڑھ آئیں۔ یہ گوشت بادشاہ کے حکم سے مہیّا کیا گیا تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ اس خوراک میں کئی جانوروں کا گوشت تھا۔ لیکن مَیں اس گوشت کو تمیز نہ کر سکا۔ کہ یہ کن کن جانوروں کا گوشت ہے۔ اس گوشت میں کندھے۔ ٹانگیں اور گُردے جو کہ بھیڑ کے گوشت کی طرح بنائے ہُوئے تھے۔ اور جن پر خُوب مصالحہ لگایا ہُوا تھا موجود تھے۔ لیکن یہ تمام چنڈول کے پر کے برابر بھی نہیں تھے۔ مَیں نے دو دو تین تین کا ایک ایک لقمہ کیا۔ اور تین روٹیاں جن کی جسامت بندوق کی ایک گولی جتنی تھی۔ ایک ہی وقت میں کھا گیا۔ جب اُنہوں نے میرا یہ حال دیکھا تو اُنہوں نے میری بُھوک اور قد پر تعجب اور حیرت کا بہت اظہار کیا۔

بعد ازاں مَیں نے پانی پینے کے واسطے اشارہ کیا۔ اُنہوں نے میرے کھانے سے اندازہ لگا لیا تھا۔ کہ تھوڑا سا پانی کافی نہیں ہو گا۔ چونکہ وہ لوگ بہت عقلمند تھے۔ اس لئے اُنہوں نے ایک ڈول اُٹھایا۔ اور میری طرف دھکیل کر ٹونٹی کھول دی۔ مَیں اس ڈول کو ایک ہی گھُونٹ میں پی گیا۔ کیونکہ اِس میں نصف پائنٹ بھی پانی نہ تھا۔ لیکن بہت لذیذ تھا۔ مَیں نے پھر اشارہ کیا۔ اور وہ میرے لئے دوسرا ڈول لائے۔ اس ڈول کو بھی مَیں نے پہلے کی طرح پی لیا۔ پھر اور پانی لانے کے واسطے اشارہ کیا۔ لیکن اب ان کے پاس اور پانی نہیں تھا۔ جب مَیں نے یہ عجیب و غریب کام کئے۔ تو وہ مارے خوشی

کے چلاتے۔ اور میری چھاتی پر ناچنے لگے۔ اور کئی دفعہ اُنھوں نے "ہیکنا ڈوگل" کہا۔ انہوں نے مجھے اشارے سے ڈول پھینکنے کے لئے کہا۔ اور "بروج مودلا" زور سے کہکر نیچے کے لوگوں کو پیچھے ہٹ جانے کے لئے کہا۔ جب اُنھوں نے ڈول ہوا میں آتے دیکھے، تو زور سے "ہیکنا ڈوگل" کا نعرہ بلند کیا۔

جس وقت وہ میرے جسم پر آگے اور پیچھے پھرا کرتے تھے تو میرے دل میں خیال آتا تھا کہ ان میں سے چالیس یا پچاس کو پکڑ کر جو میری زد میں آئیں۔ زمین پر دے ماروں لیکن اُس وعدے نے جو کہ میں نے ان کے ساتھ کیا تھا، میرے ان خیالات کو تبدیل کر دیا۔

تھوڑے عرصہ کے بعد بادشاہ سلامت کی طرف سے میرے پاس ایک اعلےٰ افسر آیا۔ وہ دائیں ٹانگ کی پنڈلی پر چڑھ کر بارہ نوکروں کے ہمراہ میرے چہرے کی طرف بڑھا اور ایک سند جس پر شاہی مہر لگی ہوئی تھی، میرے سامنے کی اور دس منٹ میرے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ لیکن میری سمجھ میں خاک بھی نہ آیا۔ ہاں کبھی کبھی وہ آگے کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ (باقی پھر)

سیّد غلام مصطفےٰ

لطیفہ

(ماں اپنے بیمار بچّے کو مُربّہ میں کونین لپیٹ کر دیتی ہے)

ماں۔ "لے بچّہ مُربّہ کھالے۔"

بچّہ۔ "لاؤ امّاں"

(ماں تھوڑی دیر کے بعد اپنے کام سے فارغ ہوکر پوچھتی ہے)

ماں۔ "بچّہ مُربّہ کھالیا؟"

بچّہ۔ "ہاں امّاں جان، مُربّہ تو کھالیا۔ مگر اس میں جو گٹھلی تھی وہ پھینک دی۔" (کونین)

خُدا کی رحمت

پیارے نونہالو! شاید تم نے دیکھا یا سُنا ہوگا۔ کہ سرد ملکوں میں جبکہ زمین برف سے ڈھک جاتی ہے۔ سبزے اور گھاس کا کہیں نام و نشان نہیں رہتا۔ تو رحمدل آدمی اُن چھوٹے چھوٹے پرندوں کو دانہ ڈالتے ہیں جو بھوک کے مارے شہروں اور گاؤں میں اِدھر اُدھر پھرا کرتے ہیں۔ کیونکہ میدانوں اور کھیتوں میں اُن کو خودرو پودوں اور گھاس کے وہ بیج میسّر نہیں آتے جو قدرتی طور پر اُن کی غذا ہوتے ہیں۔

ایسے سرد ملکوں میں جہاں برف کثرت سے گرتی ہے۔ اور مہینوں تک زمین پر برف کا فرش بچھا رہتا ہے۔ اکثر رحمدل آدمی اپنے چھوٹے بچوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ وہ گھر سے دانہ لیکر آس پاس کے کھیتوں کی طرف جائیں، اور جہاں چند پرندے بیٹھے ہُوئے نظر آئیں وہاں تھوڑا سا دانہ ڈال دیں۔

ہمارے ہندوستان میں بھی گرمی کے موسم میں اکثر لوگ اپنے گھروں میں چڑیوں کے واسطے پانی کا انتظام کرتے ہیں۔ اگر گھر میں کسی قسم کا درخت ہوتا ہے، تو اس کی شاخ میں ورنہ دیوار میں کیل گاڑ کر ایک مٹی کا برتن رسّی سے باندھ کر لٹکا دیتے ہیں۔ اور اس میں پانی بھر دیتے ہیں۔ تاکہ چڑیوں کو ٹھنڈا پانی مل سکے۔

لیکن تم نے کبھی اس بات پر بھی غور کیا ہے۔ کہ آدمی پرندوں کو دانہ پانی کیوں دیتے ہیں؟ تم میں سے اکثر بچّوں کے یہاں جانور پلے ہونگے۔ اور تم ان کو دانہ پانی دیتے ہوگے۔ ان میں بعض جانور تو ایسے ہوں گے جن کو تم نے اپنے نفع کے لئے پال رکھا ہوگا

جیسے مُرغیاں کہ اُن کے انڈے تمہارے لئے عمدہ اور طاقتور غذا کا کام دیتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہونگے جن کو تم نے صرف اپنا دل بہلانے یا شوق پُورا کرنے کے لئے پالا ہوگا۔ جیسے کبوتر یا طوطے۔ مگر وہ لوگ جو جنگلی پرندوں کو دانہ پانی دیتے ہیں اس میں اُن کا کیا فایدہ ہے؟

تم کو معلوم ہے کہ خدا سب جاندار اور بے جان مخلوق کا پیدا کرنے اور پالنے والا ہے۔ وہی سب کو کھانے پینے کے واسطے دیتا ہے۔ وہی سب کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ خُدا کی مہربانی اور رحمت ہے۔ کہ اُس نے انسان کو اپنی ساری مخلوق میں بڑا مرتبہ دیا ہے۔ اور وُہ خدا کی پیدا کی ہُوئی دوسری مخلوق سے اپنی خدمت لیتا ہے اور اُس کی خدمت بھی کرتا ہے۔

تم جانتے ہو کہ خُدا "قادرِ مطلق" ہے۔ ہر طرح کی طاقت اور قدرت اُس کو حاصل ہے وُہ اگر چاہے تو آگ سے پانی اور پانی سے آگ پیدا کر سکتا ہے۔ آسمان سے قُدرتی نعمتیں اُتار سکتا ہے۔ جیسے حضرت موسےٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کے لئے مَن وسلویٰ[۵] جیسی نعمتیں عطا کی تھیں۔ لیکن یہ اُس کی خاص مہربانی اور شفقت ہے

---

۵ مَن و سلویٰ۔ دو آسمانی نعمتیں تھیں، جو خُدا نے حضرت موسےٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں پر اُتاری تھیں۔

صبح کو برف سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھی ایک قسم کی غذا درختوں کے پتّوں پر جمی ہُوئی ہوتی تھی۔ اس کو مَن کہتے ہیں۔

شام کو بٹیر کی قسم کے چھوٹے چھوٹے خاکی رنگ کے پرندے خود بخود غیب سے ظاہر ہوتے تھے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی اُن کو ذبح کر کے اُن کا گوشت کھاتے تھے۔ اُن کو سلویٰ کہتے ہیں۔ نیاز

کہ وہ انسان کے ذریعہ سے اپنی مخلوق کو آرام پہنچانے کا کام لیتا ہے۔ خدا کی اس مہربانی کے لئے ہم کو اس کا شکرگزار ہونا چاہئے۔ اور جب ہمارے دل میں کسی قسم کی نیکی کرنے کا خیال پیدا ہو، تو ہم کو سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ ہم پر بہت مہربان ہے۔ کہ ہم کو نیک کاموں کے کرنے اور برائیوں سے بچنے کی توفیق بخشتا ہے۔

نیاز رازی چاندپوری

قوم کا سردار

ایک عادل بادشاہ اپنے فرائض کا پورا پابند تھا۔ وہ کہتا "قوم کا سردار قوم کا خدمتگار ہے۔ مجھے قوم نے سردار بنایا ہے۔ میرا فرض ہے کہ مَیں اس کی خبرگیری کروں اور اس کو آرام و آسائش پہنچاؤں۔" اس نے غریبوں کے وظیفے مقرر کر دیتے تھے۔ اور اور بھی کئی طرح سے غریبوں کی مدد کرتا تھا۔ وہ رات کے وقت بھیس بدل کر شہر میں جاتا اور دیکھتا کہ اس کی رعایا کس حالت میں زندگی بسر کر رہی ہے۔ وہ کسی کو تکلیف میں دیکھتا تو اس کی مدد کرتا تھا۔

ایک دن یہ بادشاہ بھیس بدلے ہوئے گشت لگا رہا تھا۔ کہ اس نے ایک مکان سے بچّے کے رونے کی آواز سنی۔ جھانک کر دیکھا کہ چولھے پر ہانڈی رکھی ہے۔ نیچے آگ جل رہی ہے۔ اور ایک عورت اپنے بچے کو سلا رہی ہے۔ مگر بچّہ روتا ہے۔ اور سونے کا نام نہیں لیتا۔

بادشاہ اندر گیا۔ اور عورت سے بچّے کے رونے کا سبب دریافت کیا۔ عورت نے جواب دیا۔ "آج دو دن سے کھانا نہیں مِلا۔ بچّہ بھوکا ہے۔ مَیں نے اس کی تسلّی کے لئے ہنڈیا چڑھا دی ہے۔ اس کو دھوکے سے

سُلا رہی ہوں۔ کہ ہانڈی پکنے میں دیر ہے۔ پک جائے تو تم کو جگا لونگی۔"

بادشاہ نے یہ سُنا تو اُس کو بہت افسوس ہُوا۔ اُلٹے پاؤں واپس آیا۔ بازار پہنچا کھانے کا سامان خریدا۔ اپنی کمر پر اُٹھایا۔ اور لاکر اُس عورت کو دے دِیا۔

عورت نے کھانا پکانا شروع کیا، تو اس نے پکانے میں اس کو مدد دی۔ جب کھانا تیار ہوگیا۔ بچّے نے کھا لیا تو یہ اپنے گھر آیا۔ مگر بیقرار رہا۔ کہ اس کی رعایا کتنی تکلیف میں ہے قیامت کے دن وُہ خدا کو کیا جواب دیگا۔

جس طرح یہ بادشاہ اپنی رعایا کا خیال رکھتا تھا۔ اسی طرح ہر آدمی کو اپنے ماتحت آدمیوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔

احمد وجودی

چھوٹی چھوٹی کہانیاں

(۱)

حضرت خالدؓ رومیوں کے ہاں بطور سفیر گئے۔ دو سو آہن پوش سپاہی موجود تھے۔ خالدؓ نے نگاہ اُٹھا کر بھی اُن کی طرف نہ دیکھا۔ اُنہوں نے خالدؓ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور مترجم کے ذریعہ گفتگو شروع ہُوئی۔

رومی سردار ہابان نے دوران تقریر میں کہا۔ کہ "ہمارا بادشاہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے۔" ابھی تقریر ختم نہ ہُوئی تھی کہ خالدؓ نے کہا۔ "تمہارا بادشاہ فی الحقیقت ایسا ہی ہوگا لیکن ہم نے جس شخص کو سردار بنایا ہُوا ہے۔ اگر اُسے ایک لحظہ کے لئے بھی بادشاہت کا خیال آئے تو ہم اُسے فوراً معزول کر دیں۔"

(۲)

حضرت عمرؓ شام سے واپس آ رہے

تھے۔ راہ میں ایک مقام پر قیام کیا۔ یہاں ایک بڑھیا آپ کو نظر آئی۔ اس سے آپ نے دریافت کیا۔ کہ "تجھے عمرؓ کا کچھ حال معلوم ہے؟" بڑھیا نے کہا ہاں! وہ شام سے روانہ ہو چکا ہے۔ لیکن خدا اُس کو غارت کرے کہ مجھے آجتک اُس کے ہاں سے ایک حبّہ بھی نہیں ملا۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا "مگر اتنی دور تیرا حال عمر کو کیونکر معلوم ہو سکتا ہے؟"

بڑھیا نے سُنکر کہا۔ "پھر اتنا ملک اپنی حکومت میں کیوں رکھ چھوڑا ہے۔

یہ سُن کر حضرت عمرؓ رو پڑے۔ اور دارالخلافہ میں پہنچکر اُس کا روزینہ مقرر کر دیا۔

(۳)

ایک بار کچھ لوگ باہر سے مدینہ آئے اور مسلمانوں کے مہمان بنے۔ اِن آدمیوں میں ایک آدمی بہت شریر تھا۔ اُسے کسی نے پسند نہ کیا۔ تو اُسے حضور علیہ السلام نے اپنے مکان پر رکھا۔

جب وہ کھانا کھانے بیٹھا۔ تو تمام گھر والوں کی خوراک کھا گیا۔ اور اس رات گھر کے تمام آدمی بھوکے ہی رہے۔ رات کو اُسے بدہضمی ہوئی، تو مکان کے اندر ہی قضائے حاجت کرتا رہا۔ بستر اور تمام کپڑے خراب ہو گئے۔ اور صبح منہ اندھیرے بغیر اطلاع دئے چلا گیا۔

صبح کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے ناپاک کئے ہوئے کپڑے خود اپنے دست مبارک سے صاف کئے۔ آنحضرتؐ اس کام میں مصروف تھے۔ کہ وہ شخص واپس آیا۔ کیونکہ اپنی تلوار یہاں بھول گیا تھا۔ حضرت رسول اکرمؐ نے اس کی تلوار اسے دے کر رخصت کیا۔

سیّد مظفر علی از گوجروال

پچھلے معمّہ اور پہیلی کا جواب

جو معمہ اور پہیلی نونہال کی اشاعت مورخہ ۸۔ فروری ۱۹۲۶ء میں شائع ہوئے تھے۔ ان کے جواب مندرجہ ذیل ہیں

(۱) معمہ کا جواب۔ اسمٰعیل ہے (۲) پہیلی کا جواب۔ برچھی جسے نیزہ یا بھالا بھی کہتے ہیں۔

ان بچوں نے معمہ اور پہیلی کا صحیح حل بھیجا ہے:۔ (۱) غلام قادر از قادر آباد (۲) سادھو رام از کاہنہ نو (۳) فخرالدین احمد ازگونڈہ (۴) محمد شریف خاں از چک ۱۷۸ (۵) بھگوان لال از کرسنڈا (۶) غلام محمد از خان مسلمان (۷) سیّد غلام مصطفےٰ از نکودر (۸) مدن لال از سیالکوٹ (۹) داتار سنگھ از راندھیرٹی (۱۰) لعل چند از چک ۱۷۸ (۱۱) فتح الدین از کھیڑی نودھ سنگھ (۱۲) اوجاگر سنگھ از کاہنہ نو (۱۳) رام لعل از بنگہ حیات (۱۴) بالادت از رام گڑھ (۱۵) عبدالقادر از پٹنہ سٹی (۱۶) عزیزالرحمٰن شیرانی از لاہور (۱۷) مرزا محمد بیگ از لائل پور (۱۸) زبیدہ صدیقہ از کاٹھیاواڑ۔

قرعہ اندازی میں صرف ان بچّوں کے نام لئے گئے ہیں۔ کیونکہ معمہ اور پہیلی کا صحیح حل بھیجنے والا ہی انعام کا مستحق تھا۔ ان میں سے عزیزالرحمٰن شیرانی۔ ۔ ۔ ۔ لاہور کے نام انعام نکلا ہے۔ اس لئے عزیزالرحمٰن صاحب کو چاہیئے۔ کہ اپنی پسند کی کتب دفتر نونہال سے منگوالیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان بچوں کے نام بھی درج کئے جائیں۔ جنہوں نے معمہ کا صحیح حل بھیجا ہے۔ وہ نام مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) بشیشر ناتھ (۲) عبدالرحمٰن عبد (۳) محمد افضل (۴) محی الدین (۵) احمد دین (۶) میلا رام (۷) دوست محمد (۸) غلام ور (۹) سیّد مظفر علی (۱۰) ایس۔ ایم۔ جی کپور (۱۱) سیّد محبوب حسین (۱۲) عبدالحق (۱۳) اکبر علی شاہ (۱۴) کالو رام (۱۵) چونی لال (۱۶) محمد یوسف (۱۷) مسٹر اینڈرسن (۱۸) محمد ممتاز (۱۹) پریم کمار (۲۰) من موہن ناتھ (۲۱) عبدالرحمٰن (۲۲) منظور علی (۲۳) محمد عباس (۲۴) سیّد مصطفےٰ احسین (۲۵) سید لئیق حسین (۲۶) عبدالرشید تبسّم (۲۷) متھراداس گلدم (۲۸) رحمت علی (۲۹) عبداللہ (۳۰) محمد حسن شاہ (۳۱) جارج (۳۲) محمد شاہ (۳۳) شجاعت علی (۳۴) محمد راشد فقیہ (۳۵) عبدالقادر (۳۶) ویربھان (۳۷) صادق بھائی حسین بھائی (۳۸) سلطان احمد (۳۹) نور احمد (۴۰) منوہر لال (۴۱) لال چند (۴۲) محمد لطیف (۴۳) اوم پرکاش (۴۴) ڈی۔ آر (۴۵) محمد علی (۴۶) کرم سنگھ (۴۷) مہر چند (۴۸) ہربیل سنگھ (۴۹) بھاگ مل (۵۰) سید محمد مرتضےٰ (۵۱) بلندا (۵۲) عمر علی (۵۳) سیّد منظور حسن (۵۴) نبی احمد (۵۵) عبدالحمید (۵۶) دین دیال (۵۷) محمد اکبر۔

عزیز سیّد محمد مرتضےٰ جعفری نے اب کی دفعہ بھی معمہ اور پہیلی کا جواب نظم میں دیا ہے۔ اسی طرح متھراداس گلدم نے بھی نظم میں جواب بھیجا ہے۔ ہم ان ہر دو بچّوں کو مبارکباد دیتے ہیں"

عزیز مدن لال سیالکوٹی اپنے خط میں لکھتے ہیں" اسمٰعیل صاحب خود ہی نونہال کے ایڈیٹر ہیں۔ مالک ہیں۔ پبلشر ہیں۔ اور وہ خود ہی معمہ بن جاتے ہیں۔

یہ خیال کسی اور نونہال بچّے کو پیدا نہیں ہوا۔ ہم عزیز مدن لال کی ذہانت طبع کی داد دئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

آنریری ایڈیٹر

قیمت سالانہ پانچ روپے　　رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۴۱۵　　قیمت ششماہی ۳؁ فی پرچہ ۲؍

نونہال

ہفتہ وار

آنریری ایڈیٹرز:-

حکیم احمد شجاع بی۔ اے (علیگ)　　سید غلام رسول طاہر جالندھری

ایڈیٹرز:-

محمد اسمٰعیل　　عبدالرشید

جلد ۸　　فہرست مضامین بابت ۸۔ مارچ ۱۹۲۶ء　　نمبر ۹

ہم تم۔ نونہال کا بہار نمبر اپریل میں تگنی چوگنی ضخامت پر شائع ہوگا۔ اس میں بہت سی کہانیاں۔ معلومات۔ لطیفے اور نظمیں چھپیں گی۔ جو نونہال بچے اور مضمون نگار اصحاب اپنے مضامین شائع کرانا چاہیں، اُنہیں چاہیے کہ تمام مضمون ۲۵۔ مارچ تک دفتر نونہال میں بھیجدیں۔ جو مضمون بعد میں موصول ہوں گے وہ بہار نمبر میں شائع نہ ہو سکینگے۔ نیز ہم اُن کرمفرماؤں سے جنھوں نے نوروز نمبر کے لئے مضامین بھیجے تھے۔ توقع رکھتے ہیں کہ اب بھی وہ اپنے مضامین جلد از جلد بھیجکر ممنون فرمائیں گے۔

آنریری ایڈیٹر

(مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ گوپال داس پرنٹر چھپا اور دارالاشاعت ادب لطیف کے لئے محمد اسمٰعیل لکھیسر پبلشر و پروپرائیٹر نے چیمبرلین روڈ لاہور سے شائع کیا)

دلچسپ معلومات

بوائے سکاوٹ کی تحریک سر بیڈن پاول نے شروع کی تھی۔ جزائر برطانیہ میں آجکل اس کے ممبروں کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ اور سلطنت کے بقیہ حصّوں میں ڈیڑھ لاکھ ممبر اس تحریک میں شامل ہو چکے ہیں۔

عام طور پر مشہور ہے۔ کہ عینک فلورنس کے پادری سکندر ڈی سپائنا نے ۱۲۸۵ء میں ایجاد کی بعض لوگ راجرس بیکن کو اس کا موجد مانتے ہیں۔

اشرفی یا پونڈ کا سکّہ پہلے پہل ۱۴۸۹ء میں ٹکسال میں بنایا گیا۔ اس میں ۲۲ حصّے خالص سونا اور دو حصّے آمیزش ہوتی ہے۔

نہر سویز کو کھودنے کا خیال فرانس کے باشندے فرڈینڈر کو ۱۸۵۲ء میں پیدا ہوا۔ اسی لاکھ پونڈ کے سرمایہ سے ایک کمپنی بنائی گئی۔ اس روپے کا زیادہ حصّہ فرانس نے ہی دیا۔ ۱۸۶۹ء میں نہر بن کر تیار ہو گئی۔ اس کی لمبائی ۹۹ میل ہے اس نہر کی وجہ سے ہندوستان اور انگلستان کے درمیان ۲۴ دن کا سفر کم ہو گیا ہے۔ اس نہر پر کل خرچ ایک کروڑ بیس لاکھ پونڈ ہوا تھا۔

انجیل پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانے کا رواج ۱۶۰۰ء میں شروع ہوا۔

اخبار لندن ٹائمز ۱۷۸۵ء میں جاری ہوا تھا۔

یورپ کے چور۔ لندن کے تین مشہور ساہوکاروں کو حال میں چھ چھ سال قید بامشقت کی سزا ملی ہے۔ یہ تینوں آپس میں بھائی ہیں۔ ایک کی عمر ۵۷ برس کی دوسرے کی ۵۶ اور تیسرے کی ۵۱ برس ہے۔ مقدمہ کی کارروائی سے معلوم ہوا ہے۔ کہ یہ تینوں کئی سال تک جھوٹی کمپنیاں بنا بنا کر پبلک کو دھڑا دھڑ لوٹتے رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے پبلک کا ۷۵ لاکھ روپیہ اڑایا ہے۔

سردی

آگیا سردی کا موسم آگیا | رعب سے اس کے ہر اک ٹھرّا گیا
مہرِ عالمتاب ٹھرّانے لگا | چپکے چپکے خوف سے آنے لگا
وہ تمازت اور وہ گرمی کہاں | ہوگیا سردی کا اب سکّہ رواں
سب کو ہے سردی سے بچنے کا خیال | ہیں امیر اپنے دوشالوں میں نہال
گدڑیوں میں ہیں غریب اپنی مگن | آگ ہے ان کے لئے گویا چمن
ہے کوئی پہنے لباسِ بے بہا | ہے کسی کے جسم پر کمبل پھٹا
آتشِ سوزاں کی ہر جا قدر ہے | بزمِ مفلس کی وہی تو صدر ہے
چاہتا ہے دل کہ دوں سینہ میں جا | اگن کی دیوی نہ ہو مجھ سے جُدا
برف کی اُلفت سے اب دل سرد ہے | چائے کا گرویدہ ہر اک فرد ہے
دُھوپ کھاتے ہیں سبھی پیر و جواں | ننّھا سا بچّہ ہے کیسا شادماں
ہیں پڑے غافل لحافوں میں امیر | کانپتا پھرتا ہے بے چارہ فقیر
شام آئی لو مسافر رُک گیا | بیٹھا ہے بیچارہ اِک دُھونی رما
آہ! کیا حالت کسانوں کی کہوں | شدّتِ سرما سے ہے حالت زبوں
گھر سے سُوئے مدرسہ لڑکا چلا | جسم اس کا کانپتا ہے بید سا
کہہ رہا ہے آج تو جائیگی جاں | کسقدر ٹھنڈی ہوا ہے الاماں
اب کہاں ہیں صبح کے وہ چہچہے | دُھوپ میں بیٹھے ہیں طوطوں کے پرے
سامنے تو دیکھ روحیؔ خاک پر | مرتا ہے جاڑے سے کوئی لے خبر
رحم کھا اِک جان پر بہرِ خُدا | اپنی اُترن ہی اسے لاکر پنہا

محمد زبیر روحی

بیٹے کا خط

(ماں کے نام)

کیمبل پور - ۲۲ جنوری ۱۹۲۶ء

پیاری اماں

اچھی اماں تم سے کالے کوسوں دور ہوں۔ لیکن کتنی حیرانی کی بات ہے کہ میں پھر بھی تم کو اس طرح دیکھ رہا ہوں گویا تمہارے پاس ہی کہیں کھڑا انہیں جھانک رہا ہوں۔ ہاں میں تم سب کو دیکھ رہا ہوں۔ اگر یقین نہ آئے، تو لو سنو۔ کہ وہ سامنے، وہ گول میز کی دائیں طرف تم میرے پاجامے میں بخیہ کر رہی ہو۔ اور ساتھ ساتھ کتاب بھی پڑھتی جا رہی ہو۔ جو تمہارے سامنے دھری ہے۔ وہ تمہاری نظر کاغذ پر تھی اور اب سلائی دیکھ رہی ہے۔ ابھی بیل بوٹوں کو گن رہی تھی۔ تو اب پھر کتاب پر جا جمی ہے۔

لو دوسرا پھول بھی بن گیا۔

اچھی اماں سچ کہنا کیا میں جھوٹ کہتا ہوں؟

وہ دیکھو مریم میری پیاری بہن مریم کس پھرتی کے ساتھ میرے موزے بن رہی ہے۔ جن کا اس نے مجھے دینے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اور اب سوئیاں چلاتے چلاتے ننھی کلثوم کو حرف بتانے کے لئے رک گئی ہے۔ ننھی کلثوم بھی کس شوق سے اپنا سبق رٹے جاتی ہے۔ مجھے اس کا پھٹا ہوا قاعدہ صاف دکھائی دے رہا ہے

آہا۔ وہ بھائی حمید ہاتھ میں سلیٹ تھامے تمہاری پشت کی جانب خاموش کھڑا ہے کبھی لکھتا اور کبھی مٹا دیتا ہے۔ کبھی لب چبانے لگتا ہے۔ کبھی سر کھجلانے۔ کس قدر پریشان ہے معلوم ہوتا ہے کہ سوال کا جواب ٹھیک نہیں نکلتا۔ کاش میں اس وقت اس کے پاس ہوتا تو اسے اس دقت سے نجات دلاتا۔

اماں ذرا دیکھنا تو سہی مختار باورچی خانہ میں بیٹھا کیا کر رہا ہے۔ تمہاری الماری سے مٹھائی اڑا کر ہڑپ کر گیا ہے۔ اور ہولے ہولے منہ مار رہا

ہے لیکن مختار تو چور بھی کیسا کچا ہے۔ کہ تیری باچھیں اور گالیں مٹھائی کے چور بھور سے آلودہ ہو رہی ہیں۔ جو تجھے ابھی پکڑوا دینگی۔ ایلو اب کس ادھیڑ بن میں پھنس گیا۔ اچھا میں سمجھ گیا۔ تو اپنے پھندے کی مرمت کر رہا ہے۔ اور اپنے اس پرانے دشمن چوہے کی گھات میں بیٹھا ہے جس کی مکاری نے کل تیری ساری شیخی کرکری کر دی تھی۔ اور پھندے کا نوالہ کھا رسّی کُتر دوڑ کر اپنے بل میں جا گھسا تھا۔

باہر برآمدے میں مسعود جھولے میں کیا میٹھی نیند سو رہا ہے۔ میرا کتنا جی چاہتا ہے کہ اگر میں اس کے پاس موجود ہوتا تو اسے ایک ہی گدگدی سے جگا کر اپنی گود کا جھولا جھلاتا۔ اور اس کی میٹھی توتلی زبان سے بھیجی بھیجی کہنے سنتا۔ اچھی اماں تم نے کام کیوں چھوڑ دیا ہے۔ کس سوچ میں ڈوب گئی ہو۔ ہاں اب میں سمجھا اور ٹھیک سمجھا۔ کہ تم مجھے یاد کر رہی ہو۔ کیوں نہ ہو۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے۔ میری اماں میری اچھی اماں اب بھی کہنا کہ میں تمہیں دیکھ نہیں رہا۔

آج تمہارے ہاتھوں کا سیا ہوا پارسل ملا ہے۔ اور میں نے اس کی چیزیں نکال کر میز پر پھیلا دیں۔ تو میرا دل باغ باغ ہو گیا۔ میری اماں تم لوگوں کو مجھ سے کتنی اُلفت ہے۔ میں اس کا شکریہ کس زبان کس قلم سے ادا کروں۔

جب میں یہ سوچتا ہوں کہ میرے ابا جان میرے بوڑھا ابا جان کس مشقت سے روپیہ کما کر میرے خرچ کو بھیجتے ہیں، تو میری آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا آتی ہیں۔ اور میں پہلے سے زیادہ ذوق شوق سے پڑھائی میں لگ جاتا ہوں۔ تاکہ بڑا، اور لائق ہو کر تمہارا حق ادا کروں۔ دُعا کرو کہ اللہ مجھے توفیق دے۔ آمین۔

تمہارا فرمانبردار بیٹا

عبدالوحید

پورانوں کی ایک کہانی

ہندوؤں کی مقدس مذہبی کتابوں میں پوران وید مقدس سے دوسرے درجہ پر ہیں۔ ان کتابوں کی تعداد اٹھارہ ہے۔ اور یہ ہندوؤں کی اخلاقی زندگی کو چھوٹی چھوٹی کہانیوں کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ ان میں ماں، باپ، بہن بھائی غرضکہ ہر شخص کے اخلاقی فرائض کی تصویر کہانیوں کی صورت میں نہایت وضاحت اور روشن دماغی سے کھینچی گئی ہے۔ آج ہم تم کو اُن اخلاقی کتابوں کی ایک کہانی سُناتے ہیں:۔

ہندوؤں میں کرشن جی کا درجہ بہت بلند ہے۔ ہندو کرشن جی کو خُدا کا اوتار مانتے ہیں اُن کے ایک بڑے مشہور پرستار کا نام ارجن تھا۔ کہتے ہیں ایک دفعہ ارجن کو یہ غرور ہوگیا۔ کہ مَیں ہی کرشن جی کا سب سے بڑا پرستار ہوں۔ اور میرے مقابلے کی کوئی تاب نہیں لاسکتا۔ مگر غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہُوا کرتا ہے۔ کرشن جی نے ارجن کو کہا "ارے ارجن! غرور نہ کر! دُنیا میں میرے ایسے بہت سے پرستار ہیں جو میرے کہنے پر جان دیدینا معمولی سی بات خیال کرتے ہیں۔"

مگر ارجن کو اس بات کا یقین نہ آتا تھا ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ کرشن جی نے ارجن کو ہمراہ لیا۔ اور دونوں سادھوؤں کے بھیس میں ایک راجہ کی راجدھانی میں چلے گئے۔ اس شہر کے راجہ کا نام مور دھج تھا۔ وہ کرشن جی کا بڑا پرستار تھا۔ انہیں کے نام کی مالا دِن رات پھیرا کرتا تھا۔ دونوں ظاہری سادھوؤں نے راجہ کے دروازہ پر بھیک کے لئے صدا لگائی مور دھج ایک خدا ترس راجہ تھا۔ وہ کسی سادھو فقیر کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ واپس نہ جانے دیتا۔ اور سادھوؤں کی خواہش

کے مطابق اُن کو خیرات تقسیم کیا کرتا تھا۔

اُس نے جب دو نیک اور پارسا سادھوؤں کو اپنے دروازے پر بھیک کے انتظار میں دیکھا۔ تو اس کے دل میں رحم کا چشمہ اُبلنے لگا۔ اُس نے سادھوؤں سے پُوچھا۔

"مہاراج! آپ کیا چاہتے ہیں؟"

کرشن جی خیرات لینے کے لئے نہ آتے تھے۔ وہ تو راجہ کی عقیدت کا امتحان لینے کی غرض سے اُس کے دروازے پر کھڑے تھے اُنہوں نے کہا۔" اے راجہ! ہم بھُو کے سادھو ہیں۔ ہمارے ساتھ ایک بھُوکا شیر بھی ہے مگر ہم اُس وقت بھیک لیا کرتے ہیں۔ جب ہمارا شیر جی بھر کر کھا لے۔"

ایک راجہ کے لئے شیر کی خوراک بہم پہنچانا کوئی مشکل بات نہ تھی۔ اُس نے نہایت عاجزی سے جواب دیا۔" اے نیک سادھو! شیر کے لئے بہت خوراک مِل جائیگی۔ تم میرے گھر میں تشریف رکھو۔"

کرشن جی نے کہا۔" مگر اس شیر کی خوراک زندہ انسان کا گوشت ہے!"

راجہ یہ الفاظ سُن کر حیران رہ گیا۔ اُس نے پُوچھا۔" اے پارسا لوگو! اس سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

کرشن جی نے پھر جواب دِیا۔" اے راجہ! تُو نے ہم کو یقین دِلایا ہے کہ ہم تیرے دروازے سے خالی ہاتھ نہ جائیں گے۔ اصل میں بات یہ ہے۔ کہ ہم اس شرط پر تیرے گھر سے بھیک لینا منظور کرینگے۔ اگر تو اور تیری رانی ایک آرے کو لے کر اپنے لڑکے کو درمیان میں سے کاٹ کر دو حصّوں میں تقسیم کر دینگے۔ ہمارا شیر لڑکے کا دایاں حصّہ خوراک میں لیگا۔ اور باقی کا نصف جسم پھینک دِیا جائیگا۔ پس اگر تجھے یہ بات منظور ہے۔ تو ہم خیرات لینگے۔ ورنہ سراپ (بد دُعا) دیکر چلے جائینگے۔"

سادھوؤں کی یہ باتیں پہلے تو راجہ کو مذاق کی باتیں معلوم ہوئیں۔ مگر جب اُس نے سادھوؤں کی آنکھوں کی طرف دیکھا تو اُن میں خون بھرا ہوا تھا۔ اور چہرے پر مذاق کے آثار موجود نہ تھے۔ اُس نے دل ہی دل میں کہا۔ "یہ سادھو سادھو نہیں ہیں۔ یہ انسانوں کے لباس میں بھیڑیے ہیں۔ جو انسان کا خون چوسنے کے لئے مُنہ کھولے بیٹھے ہیں۔

راجہ چاہتا تو ان سادھوؤں کو سخت سزا دے کر اپنی راجدھانی سے باہر نکال دیتا۔ مگر وہ بہت رحمدل واقع ہوا تھا۔ وہ ہر بات کو پرماتما کے ہاتھ میں سونپ دیتا تھا۔ اور نیک کاموں کی خاطر خواہ وہ خطرناک ہی کیوں نہ ہوں کسی بات کی پروا نہ کرتا تھا۔ اُسنے سادھوؤں کے سوال کو اپنا امتحان سمجھا۔ اور وہ اس کڑے امتحان میں پُورا اُترنے کے لئے تیار ہو گیا۔

لڑکے نے باپ کے کہنے کو سر آنکھوں پر رکھا۔ اور مرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ راجہ نے اُس کو درمیان میں بٹھایا۔ راجہ اور رانی نے تیز آرے کو معصوم لڑکے کے سر پر رکھ دیا۔ ابھی آرے کو حرکت نہ ہوئی تھی کہ کرشن جی نے کہا۔ "ٹھہرو! ایک اور شرط ہے۔ اگر آرے کے تیز دانتوں کے نیچے لڑکے کی آنکھوں سے ایک آنسو بھی ٹپکا۔ تو شیر اس گوشت کو ہرگز نہ کھائیگا۔"

فرمانبردار لڑکے نے اپنی زبان دانتوں کے نیچے دبالی۔ اور ماں باپ نے دل کڑا کر کے آرے کو حرکت دی۔ ابھی سر میں گہرا زخم بھی نہ ہوا تھا کہ لڑکے کی بائیں آنکھ سے آنسو کا ایک گرم قطرہ گرا۔ اور اُس کے سُرخ رخساروں پر موتی بن کر چمکنے لگا۔ کرشن جی نے جب لڑکے کو روتے دیکھا تو آواز دی۔ "بس! لڑکا رو رہا ہے۔ ہمارے شیر کے لئے اب یہ گوشت خوراک کا کام نہیں دے سکتا۔"

سادھو کی یہ باتیں راجہ اور رانی کے صبر و قرار پر بجلی گرانے کے لئے کافی تھیں۔ مگر وہ نہایت نیک واقع ہوئے تھے۔ وہ بجائے اس کے کہ سادھوؤں کو کچھ بُرا بھلا کہتے۔ دِل ہی دِل میں سوچنے لگے کہ لڑکا بھی ہاتھ سے گیا۔ اور سادھوؤں کی بھی بددُعا لی۔ وہ انہیں خیالات میں غرق تھے۔ سادھوؤں نے وہاں سے چلنے کا ارادہ کیا۔ جب معصوم لڑکے نے سادھوؤں کو خالی ہاتھ جاتے دیکھا۔ تو یہ اُسے اپنے گھر کی بے عزتی سی معلوم ہوئی۔ اُس نے بلند آواز سے پُکارا۔ "اے نیک سادھوؤ! ٹھہرو! مَیں اس لئے نہیں رویا۔ کہ مَیں موت کے مُنہ میں جانے سے خوف کھاتا ہوں۔ بلکہ میں نے تو اس لئے آنسو بہایا کہ کاش میرے جسم کا بایاں حِصّہ بھی کسی نیک سادھو کے بھُوکے شیر کی خوراک کے کام آتا۔ اور نیک راہ میں خرچ ہوتا۔ مَیں تو اپنے بائیں حصّہ کی بدقسمتی پر افسوس کر رہا تھا۔ اور اسی لئے میری بائیں آنکھ سے آنسو کا قطرہ گرا ہے۔"

یہ جواب ارجن کے غرور کا سر نیچا کرنے کے لئے کافی تھا۔ کرشن جی راجہ اور لڑکے کی نیک زندگی پر بہت خوش ہوئے۔ اور اپنی کرامات سے لڑکے کو بالکل تندرست کر دیا۔

شہر کی چار دیواری سے باہر نکلکر کرشن جی نے ارجن سے کہا۔ "ارجن! دیکھا! میرے پرستاروں کا یہ ایک ادنےٰ سا نمونہ ہے۔ میرے پرستار میرے نام پر اپنے بچّوں کے گلے پر چھُری پھیر دیتے ہیں۔ میرے نام پر نیک لڑکے والدین کے نام کو برقرار رکھنے کے لئے تیز آرے کے نیچے معصوم بھیڑ کے بچّہ کی طرح بیٹھ جاتے ہیں۔ اور رونے کا نام تک نہیں لیتے۔"

نونہال بچّو! اس کہانی سے کئی سبق ملتے ہیں۔ مگر جو سبق تم کو یاد رکھنا چاہیے۔ وُہ یہ

ہے۔ کہ تم بھی اپنے ماں باپ کے حکم پر جان دینے کے لئے ہر وقت تیار رہو۔ جب تم اپنے گھر کی عزّت اور شرافت پر آنچ آتے دیکھو۔ تو اپنے ماں باپ کا حکم مانتے ہوئے آرے کے تیز دانتوں کے نیچے بلا خوف بیٹھ جاؤ۔ اور کسی نیک کام کے لئے اپنی جان کو ایک حقیر چیز سمجھا کرو!

گیان چند طالب

جہانگیر اور زنجیر عدل

عالمگیر بادشاہ کے بہت سے تاریخی قصّے ہم نونہال بچّوں کو سنا چکے ہیں۔ آج اس کے دادا جہانگیر کے عدل و انصاف کا بھی ایک واقعہ لکھتے ہیں۔ جہانگیر بڑا عادل اور منصف بادشاہ تھا۔ اور اپنی رعایا پر بہت مہربان جس وقت وہ اپنے باپ اکبر کی جگہ ہندوستان کی سلطنت کا مالک اور تخت نشین ہوا۔ تو اس نے ایک سونے کی "زنجیر عدل" بنوائی۔ کہتے ہیں کہ یہ زنجیر سونے کی تھی۔ اور ساٹھ فٹ لمبی تھی۔ اس کا نام زنجیر عدل تھا اس کا ایک سرا محل کے اندر رہتا تھا۔ اور دوسرا کھڑکی میں سے باہر زمین تک لٹکا رہتا تھا۔ اس زنجیر میں سونے کی ساٹھ گھنٹیاں لٹکی رہتی تھیں۔ تاکہ جب کسی کے ساتھ بے انصافی ہوئی ہو، اور حق چھن گیا ہو، وہ زنجیر کو ہلا کر گھنٹیاں بجا دے۔ اس صورت سے بادشاہ کو فوراً خبر ہو جاتی تھی۔ اور ہر شخص کی فریاد جہانگیر کے کانوں تک پہنچ جاتی تھی۔ مگر معلوم ہوا ہے کہ کسی کو زنجیر ہلانے کی نوبت نہیں آئی۔ آج ایسے انصاف کرنے والے کہاں ہیں۔ بچّو! خدا تمہیں حکومت و اختیار دے تو انصاف سے ضرور کام لینا۔ اور جہانگیر کی طرح عزّت پیدا کرنا۔

محوی صدیقی

گلیور کا بحری سفر

(گزشتہ سے پیوستہ)

بعد میں مجھے معلوم ہوا۔ کہ وہ اشارہ دارالخلافہ کی طرف تھا۔ جو تقریباً آدھ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ بادشاہ نے کونسل میں اس بات کا فیصلہ کیا تھا۔ کہ مجھے دارالخلافہ میں لیجایا جائے۔ میں نے چند لفظوں میں جواب دیا۔ لیکن بے فایدہ۔ ساتھ ہی میں نے اشارے سے اپنی آزادی کی خواہش بھی ظاہر کی۔

معلوم ہوا کہ بادشاہ میرے مطلب کو اچھی طرح سمجھ گیا ہے۔ کیونکہ اس نے نامنظوری کے طور پر اپنے سر کو ہلایا۔ اور اشارے سے ظاہر کیا۔ کہ مجھے بطور ایک قیدی کے دارالخلافہ میں لیجایا جائیگا۔ مگر اس نے دو ایک اشارے اور کئے۔ اور مجھے سمجھایا کہ تجھے کافی خوراک دی جائیگی۔ اور تیرے ساتھ نیک سلوک کیا جائیگا۔ اس بات پر مجھے پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ اپنے پھندوں کو توڑ دوں۔ لیکن جب میں نے اپنے جسم پر تیروں کی تکلیف محسوس کی۔ اور اپنے دشمنوں کی تعداد کو بڑھتے ہوئے دیکھا۔ تو میں نے یہ ظاہر کرنے کے واسطے اشارہ کیا کہ آپ جس طرح چاہیں میرے ساتھ سلوک کر سکتے ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک بڑا شور سنائی دیا۔ جس میں اکثر "پیلم سیلن" کی آواز بلند ہوتی تھی۔ میں نے اپنی بائیں جانب بہت سے لوگوں کو دیکھا۔ انہوں نے رسّیاں اتنی ڈھیلی کر دیں کہ میں دائیں طرف باآسانی کروٹ لے سکتا تھا۔ انہوں نے میرے جسم پر ایک قسم کی خوشبودار مرہم لگا دی۔ جس سے چند منٹوں میں تیروں کے اثر کا تمام درد جاتا رہا۔

یہ لوگ نہایت اعلےٰ درجے کے حساب دان تھے۔ اور بادشاہ کی حوصلہ افزائی کے لئے جو خود علم و ہنر کا بڑا حامی تھا۔ مشینوں

کے علم میں درجۂ کمال حاصل کئے ہُوئے تھے۔
بادشاہ کے پاس درختوں اور وزنی چیزوں کے لانے اور اُٹھانے کے واسطے چلنے والی مشینیں تھیں۔ وہ اپنے تمام بڑے بڑے جنگی جہاز جو کہ تقریباً ۹ فٹ لمبے تھے۔ ان جنگلوں میں جہاں لکڑی بکثرت پیدا ہوتی تھی۔ بنواتا تھا۔ اور انجنوں کے ذریعے سے ان جہازوں کو تین یا چار سو گز کے فاصلے پر سمندر میں لے جاتا تھا۔ پانچسو بڑھئی اور دیگر کاریگر فی الفور ایک بڑے انجن کو تیار کرنے کے کام پر لگائے گئے۔ یہ لکڑی کا ایک چوکھٹا تھا۔ جو زمین سے تین انچ اُونچا سات فٹ لمبا اور چار فٹ چوڑا تھا۔ اور بائیں پہیوں پر چلتا تھا۔ وہ شور جو کہ میں نے سُنا تھا اس انجن کے آنے کی آواز تھی۔ انجن کے پیچھے ایک گاڑی بھی لگی ہُوئی تھی۔

یہ انجن میرے متوازی کھڑا کیا گیا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ کس طرح مجھے اُٹھا کر اس پر رکھا جائے۔ اس مطلب کے لئے اُنہوں نے ۸۰ بانس جن میں سے ہر ایک ایک فٹ اُونچا تھا۔ زمین میں گاڑے۔ موٹی اور مضبوط ڈوریں کنڈوں کے ذریعے میری پیٹیوں میں باندھ دی گئیں۔ جو کاریگروں نے میری گردن۔ ہاتھ جسم اور ٹانگوں کے گرد لپیٹ دی تھیں۔ ۹۰۰ مضبوط آدمی ان چرخیوں کے ذریعے جو بانسوں کے اُوپر لگی ہُوئی تھیں۔ ان ڈوروں کے کھینچنے کے لئے لگائے گئے۔ اس طرح تین گھنٹہ کے بعد مجھے اُٹھا کر گاڑی میں رکھا گیا۔ اور مجھے مضبوطی سے باندھ دیا۔ یہ تمام باتیں اُنہوں نے مجھے بعد میں بتائیں۔ کیونکہ جس وقت یہ تمام کارروائی کی گئی تھی۔ میں دوائے بیہوشی کے اثر سے گہری نیند کے مزے لے رہا تھا۔ یہ دوا اُس شراب میں حل کی گئی تھی۔ جو بادشاہ نے میرے پینے کے لئے بھیجی تھی۔ شاہی اصطبل کے پندرہ سو بڑے بڑے گھوڑے جن کے قد ۴½ انچ تھے

مجھے دارالخلافے کی طرف لے جانے کے لئے انجن کے آگے لگائے گئے۔ (باقی پھر)

سیّد غلام مصطفےٰ

ہولی

ہندوؤں کے تمام تہواروں میں ہنسی کھیل کے لحاظ سے ہولی کا نمبر سب سے اوّل ہے وجہ یہ ہے کہ ہندو ان دِنوں میں خُوب رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ اور تمام چھوٹے بڑے، اپنے اپنے ہمجولیوں کے ساتھ ہولی کھیلتے ہیں۔ دراصل یہ اُن دنوں کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ جبکہ سری کرشن اپنے بچپن میں بندرابن میں گوالنوں کے ساتھ مِلکر کھیلا کرتے تھے۔ شروع شروع میں یہ تہوار ہندوؤں کے اُس فرقے کا تہوار تھا۔ جو سری کرشن کی پرستش کرتا ہے لیکن اب یہ تمام ہندوؤں کا تہوار ہوگیا ہے۔

یہ تہوار پھاگن کے مہینے کے اخیر میں یعنی چاند کی چودھویں تاریخ کو منایا جاتا ہے انگریزی مہینوں کے حساب سے فروری کا اخیر یا مارچ کا شروع سمجھنا چاہیئے۔ ان دِنوں میں بہار جوبن پر ہوتی ہے۔ کسان لوگ بہت خوش ہوتے ہیں۔ اس واسطے ہندوستانی لوگ اس تہوار میں خاص شوق اور خوشی سے حصّہ لیتے ہیں۔ رنگ رلیوں کا طریقہ یہ ہے۔ کہ دوست اور رشتہ دار ایک دوسرے پر رنگ ڈالتے ہیں۔ بلکہ ایک دوسرے کے گھر جا کر آپس میں ہولی کھیلتے ہیں۔ اوّل تو رنگدار پانی کا استعمال کرتے ہیں۔ نہیں تو سرخ رنگ کا ایک خُشک سا سفوف، جِسے گلال کہتے ہیں ایک دوسرے پر پھینکتے ہیں۔ تاہم چھوٹوں بڑوں میں تھوڑی بہت تمیز رکھی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ چھوٹے لڑکے بڑوں کے قدموں پر تھوڑا سا رنگ ڈال دیتے ہیں۔ اور بڑے چھوٹوں کے

ماتھے پر ایک تلک سا لگا دیتے ہیں۔ یعنی چھوٹے بڑوں کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور بڑے اُنہیں دُعا دیتے ہیں۔

یہ تو ہُوا ہولی کھیلنے کا اصلی طریقہ۔ باقی جس طرح پر گنوار اور بے سمجھ لوگ ہولی کھیلتے ہیں۔ اس کا ذکر مجھ سے نہ پُوچھو۔ وُہ لوگ تو شرم و حیا کا جوا کندھے سے اُتار کر رکھ دیتے ہیں۔ نہ عورتوں کو چھوڑتے ہیں نہ بچّوں کو۔ گایوں اور بچھڑوں تک کو رنگ دیتے ہیں۔ رنگ کی بجائے کیچڑ تک پھینکنے سے بھی باز نہیں آتے۔ ان کا تو مارشل لاء والا حساب ہے نہ اپیل کارگر ہوتی ہے نہ دلیل اور نہ منت و سماجت ہی سے کام نکلتا ہے۔ بہت سے گنوار ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ہولی کے بعد ایک ہفتہ تک رنگدار کپڑے اپنے تن سے نہیں اُتارتے۔

بیوہ عورتوں کو ہولی سے کوئی سرو کار نہیں۔ یا جن گھروں میں اُسی سال کوئی ماتم ہو گیا ہو۔ وہاں بھی ہولی نہیں کھیلی جاتی۔ بیوہ عورتوں کی تو زندگی ہی وبال ہے۔ اُن بچاریوں کو زندگی کے دن پُورے کرنے کی مہلت دی جاتی ہے۔ ورنہ اُنہیں کسی خوشی میں شریک ہونے کی اجازت نہیں۔

اس تہوار کی مذہبی رسم فقط یہ تھی کہ اس روز کرشن کی پُوجا ہوتی تھی۔ کرشن کا ایک چھوٹا سا بُت جھولے میں بٹھا دیا جاتا تھا اور اُسے پھُولوں کے ہار پہنائے جاتے تھے۔ اور اس پر طرح طرح کے رنگوں سے گلکاریاں کی جاتی تھیں۔ لیکن آجکل بہت کم لوگ اس رسم پر عمل کرتے ہیں۔ ہاں کہیں کہیں کرشن کی ہولی کے گیت ضرور گائے جاتے ہیں۔

ہولی کے متعلق ایک قدیمی رسم یہ بھی ہے کہ صبح کے وقت سُورج نکلنے سے گھنٹہ آدھ گھنٹہ پہلے ہر محلے کے چوک میں آگ جلائی جاتی ہے۔ اس رسم کی وجہ یوں بیان کرتے ہیں کہ

پہلے وقتوں میں ایک بے رحم ڈائن تھی جس کا نام ہولکا تھا۔ یہ ڈائن ارد گرد کے دیہات سے بچوں کو پکڑ کر لیجاتی تھی۔ اور اُنہیں اپنا لقمہ بنا لیتی تھی۔ لوگوں نے تنگ آکر اُس کے خلاف سازش کی۔ اور اُسے پکڑ کر زندہ جلا دیا۔ یہ کہانی سب کی زبان پر ہے لیکن کسی کو یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ کس ضلع میں یا کس مقام پر ہوا۔

ایک اور کہانی مشہور ہے۔ کہ ہولی یہاں کے ایک راجہ کی بہن کا نام تھا۔ راجہ کا نام ہرنیہ کشیپ تھا۔ یہ راجہ خدا کو نہیں مانتا تھا۔ لیکن اس کا لڑکا پرہلاد بچپن ہی سے خدا کو ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھتا تھا۔ ہرنیہ کشیپ لوگوں سے اپنا نام جپواتا تھا۔ اور اپنے لڑکے کو بھی کہتا تھا کہ "تو خدا کی جگہ میری پرستش کر۔" لیکن اُس بہادر لڑکے کا یقین اس کی دھمکیوں سے کم نہ ہوا۔ آخر اُس نے اپنے بچے کو اذیتیں دینی شروع کیں۔ یہانتک کہ اُسے پہاڑ سے نیچے پھینکوایا۔ دریا میں بہایا۔ لیکن چونکہ خُدا اس کی طرف تھا۔ اُسے کوئی نقصان نہ پہنچا۔

پرہلاد کی خالہ میں یہ وصف تھا کہ آگ اس پر کوئی اثر نہ کر سکتی تھی۔ اس لئے پرہلاد کو وہ اپنی گود میں لے کر آگ میں بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وُہ دونوں اُس آگ سے غائب ہو گئے۔ ہرنیہ کشیپ دل میں خوش ہوا۔ کہ چلو بہن کے ساتھ لڑکا بھی تو مر گیا ہے۔ لیکن جب شعلے مدھم ہوئے۔ اور آگ ٹھنڈی ہوئی تو دیکھنے والوں کو وُہ خُدا پرست لڑکا جیتا جاگتا نظر آگیا۔ کہتے ہیں کہ پرہلاد کی خالہ کے نام پر اس تہوار کا نام ہولی ہے۔ یہ کہانی سچ ہو یا جھُوٹ، اس سے ہر شخص کے دل پر خدا کی بزرگی اور شان نقش ہوتی ہے۔

بعض آدمی خیال کرتے ہیں۔ کہ آگ جلانے کا مطلب یہ ہے کہ اس روز سے ہندوؤں

کا نیا سال شروع ہوتا ہے۔ راجہ بکرما جیت کا سمت چیت کے مہینے سے شروع ہوتا ہے اِس لئے پچھلے سال کو جلایا جاتا ہے۔ مراد یہ کہ پچھلا سال ختم ہو گیا۔ اور نیا سال شروع ہوا۔ اس کے علاوہ ہندو ہر ایک تقریب پر آگ جلاتے اور ہون کرتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ نئے سال کے شروع میں بھی آگ جلاتے ہیں۔

نونہال کے پڑھنے والو۔ ہولی کی بابت جو کچھ مجھے معلوم تھا میں نے لکھ دیا۔ ہاں جب ہے کہ تم بھی اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو یہ باتیں سناؤ۔ اور نہیں تو اتنا ضرور کرنا۔ کہ خُدا کی ذات پر پرہلاد کی طرح بھروسہ اور یقین ضرور رکھنا۔ کہتے ہیں کہ آخر کار اُس کے باپ نے لوہے کا ایک ستون آگ میں رکھ کر خوب سُرخ کیا۔ اور پرہلاد سے کہا۔ اگر تیرا خُدا سچا ہے تو اس سے چمٹ جا۔ پرہلاد نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ تو اُسے ایک چیونٹی اس پر رینگتی نظر آئی۔ اس سے اس کا حوصلہ اور بھی بڑھ گیا اور وہ اُس ستون سے چمٹ گیا۔ کہتے ہیں کہ ستون پھٹ گیا۔ اور اُس میں سے ایک شیر پیدا ہوا جو اُس ظالم راجہ کو چٹ کر گیا۔

ونسنہ پرشاد فدا بی اے

لطیفہ

ایک بڈھے میاں جن کے نہ مُنہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت اپنے کمسن بھولے بچے کو اپنے نوزائیدہ بچے کے پاس لے گئے۔ بھولے بچے نے دیکھتے ہی پوچھا "اباجان یہ دیکھئے اس کے مُنہ میں ایک دانت نہیں۔ آخر اس کے دانت کیوں نہیں۔ اہا، ہم سمجھے چھوٹے میاں بھی آپ ہی کے ایسے بڈھے ہیں۔"

مولانا خیر رحمانی

قیمت سالانہ پانچ روپے رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۴۱۵ قیمت ششماہی ۳/ فی پرچہ ۶/

نونہال

آنریری ایڈیٹرز:۔

حکیم احمد شجاع بی۔اے (علیگ) سیّد غلام رسول طاہر جالندہری

ایڈیٹرز

محمد اسمٰعیل عبدالرشید

جلد (۸) فہرست مضامین بابت ۱۵ مارچ ۱۹۲۶ء نمبر (۱۰)

(مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام گوپال داس پرنٹر چھپا اور دارالاشاعت ادب لطیف کیلئے محمد اسمٰعیل لکھیسر پبلشر و پروپرائیٹر نے چیمبرلین روڈ لاہور سے شائع کیا)

دلچسپ معلومات

آج سے ۴۷۲۵ برس پہلے :- (۱) مسٹر سوحجن نے گھاس کی رسیاں اور مٹی کے برتن ایجاد کئے۔ (۲) مسٹر پاؤ ہی نے مچھلیاں پکڑنے کے جال۔ سن کے کپڑے اور علم موسیقی کے متعلق باجے اور بانسری وغیرہ ایجاد کئے۔ (۳) مسٹر شین ننگ نے گھاس کی چٹائی لکڑی کے ہل۔ بانس کی کنگھی اور لوہے کی کلہاڑی ایجاد کی۔

آج سے ۴۶۲۲ برس پہلے :-

(۱) مسٹر ہوانگ ٹی نے چاول کی مشین چرخہ۔ آئینہ۔ قینچی۔ چھتری۔ رنگ اور مقناطیسی سوئیاں ایجاد کیں (۲) مسٹر ہواوؔ دنے کشتی کو ایجاد کیا۔ (۳) مسٹر ٹسوچی نے لکڑی کی پچکاری کا کام مکمل کیا (۴) مسٹر یونگ چنگ نے علم نجوم کے متعلق نامکمل آلات ایجاد کئے۔

آج سے ۴۲۸۲ برس پہلے :-

کارچوبی۔ شراب اور سنگ تراشی ایجاد ہوئی۔

آج سے ۴۱۸۰ برس پہلے :-

مصوری کا کام اور مردوں کو کفنانے کی ایجاد مسٹر سنگ نے کی۔

آج سے ۴۱۳۵ برس پہلے :-

(۱) مسٹر ہنوار نے معدنیات کو پگھلانے اور ان کے صاف کرنے کا کام۔ کرسیاں میزیں ایجاد ہوئیں (۲) مسٹر یو نے بادبان ایجاد کئے۔

آج سے ۳۷۵۸ برس پہلے :- موم بتیاں تانبے کے کھانا پکانے کے برتن۔ سونے کڑے۔ بالیاں اور خوشبودار پوڈر ایجاد ہوئے

آج سے ۳۴۷۵ برس پہلے مسٹر چاؤ کنگ نے چلنیں ایجاد کیں۔

خدا بخش مہجور

وقت کی صدا

جو مجھ کو مفت گنوائے گا غم کھائے گا پچتائے گا
روئے گا رنج اُٹھائے گا کچھ اس کے ہاتھ نہ آئے گا
جو سیدھے رستے جائے گا دُنیا میں راحت پائے گا
مَیں وقت ہوں جس دم جاؤنگا پھر ہرگز ہاتھ نہ آؤں گا

جس قوم میں میری عزّت ہے اس قوم میں دولت حشمت ہے
جس قوم کو مجھ سے اُلفت ہے اس قوم میں قوت طاقت ہے
جس قوم میں مجھ سے غفلت ہے وہ قوم مجسم ذِلّت ہے
مَیں وقت ہوں جس دم جاؤنگا پھر ہرگز ہاتھ نہ آؤں گا

یہ عالم سارا فانی ہے یہ ہستی ایک کہانی ہے
دل اس پر پانی پانی ہے تو کھوئے مجھے حیرانی ہے
جو بات کہ دل میں ٹھانی ہے اب کر لے تو آسانی ہے
مَیں وقت ہوں جس دم جاؤنگا پھر ہرگز ہاتھ نہ آؤں گا

تو کب تک مجھ کو کھوئے گا یوں کب تک اشک پروئیگا
وہ کاٹے گا جو بوئے گا تو یاد کرے گا روئے گا
غم کھائے گا جو سوئے گا پچتائے گا جو کھوئے گا
میں وقت ہوں جس دم جاؤنگا پھر ہرگز ہاتھ نہ آؤں گا

احسن

گلیور کا بحری سفر

(گزشتہ سے پیوستہ)

راستے میں اتفاقیہ طور پر انجن کا کوئی پرزہ اپنی جگہ سے سرک گیا۔ تو انہوں نے اس کی مرمت کرنے کے لئے اسے کھڑا کیا۔ اس وقت دو تین باشندے مجھے سوتا ہوا سمجھ کر دیکھنے کے لئے انجن پر چڑھ کر آہستہ آہستہ میرے چہرے کی طرف آئے۔ ان میں سے ایک نے جو محافظوں کا افسر تھا۔ اپنے بھالے کا تیز سرا میرے بائیں نتھنے کے اندر ڈالا۔ یہ میرے ناک میں تنکے کی طرح چبھ گیا۔ اس سے مجھے بہت زور کی چھینک آئی۔ لیکن وہ تینوں آدمی چپ چاپ بغیر دکھائی دیتے بھاگ گئے۔

تمام دن ہم سفر کرتے رہے۔ رات کو ایک جگہ قیام کیا۔ میری نگرانی کے لئے پانچ سو آدمی بطور محافظ کے مقرر کئے گئے۔ ان میں سے آدھے اپنے ہاتھوں میں مشعلیں اُٹھائے ہوئے تھے۔ اور آدھوں کے پاس تیر و کمان تھے۔ وہ اس لئے کہ میں بھاگنے کی ناجائز کوشش نہ کروں۔ دوسرے دن ہم نے سورج نکلتے ہی پھر اپنا سفر شروع کیا۔ اور دوپہر کے قریب شہر کے اندر پہنچ گئے۔ بادشاہ تمام درباریوں کے ہمراہ میرے استقبال کو آیا۔ اس کے اہلکاروں نے بادشاہ کو میرے جسم پر چڑھنے اور اپنی جان خطرے میں ڈالنے سے منع کر دیا۔ جس جگہ میری گاڑی کھڑی ہوئی۔ اُس کے نزدیک ایک پرانا مندر تھا۔ اور کسی خاص وجہ سے لوگوں کے اعتقاد کے بموجب ناپاک سمجھا جاتا تھا۔ بادشاہ نے دوسرے لوگوں سے اتفاق کر کے یہ عمارت میرے قیام کے لئے منتخب کی۔ اس مندر کا شمالی دروازہ ۴ فٹ اونچا اور ۲ فٹ چوڑا تھا اور دروازے کے ذریعہ میں مندر کے اندر رینگ کر داخل ہو سکتا تھا۔ دروازے کے

پاس ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی۔ جو زمین سے چھ انچ اُونچی تھی۔ اس کھڑکی کے بائیں طرف شاہی لوہار ۹۱ زنجیریں جو کہ یُورپ کی لیڈیوں کی گھڑیوں کی زنجیروں جتنی لمبی اور موٹی تھیں لئے کھڑا تھا۔ یہ میرے پاؤں میں ڈال کر ۲۶ قفل لگا دِتے گئے۔

اس مندر کے مقابل دوسری طرف ۲۰ فٹ کے فاصلے پر ایک پانچ فٹ اُونچا بُرج تھا۔ اس بُرج پر بادشاہ مع اپنے اہلکاروں کے مجھے دیکھنے کے لئے چڑھ گیا۔ حساب لگانے سے معلوم ہُوا کہ ایک لاکھ سے زیادہ آدمی مجھے دیکھنے کے لئے شہر سے آئے تھے۔ اور بعض دفعہ کئی آدمی سیڑھیوں کے ذریعے میرے اُوپر چڑھ جاتے تھے۔ اس کی روک تھام کے لئے بادشاہ کی طرف سے ایک اعلان جاری ہُوا اور اس کی خلاف ورزی کرنے والے کے لئے سزائے موت تجویز کی گئی۔ میرے پاؤں میں زنجیریں ڈال کر باقی تمام رسّیاں جن سے مَیں بندھا ہُوا تھا۔ کاٹ دی گئیں۔ اس کے بعد مَیں اُٹھا۔ لیکن اتنا افسردہ خاطر تھا کہ اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں ہُوا تھا۔ زنجیریں جن سے مجھے باندھا گیا تھا۔ دو گز لمبی تھیں۔ اور یہ دروازے سے ۴ انچ کے فاصلے پر گاڑی ہُوئی تھیں۔ اس لئے مَیں رینگ کر مندر کے اندر داخل ہو سکتا تھا۔ اور پُوری طرح لیٹ سکتا تھا۔

باب دوم

مَیں نے اپنے ارد گرد نگاہ دوڑائی۔ تو ایک دلفریب نظارہ دیکھا۔ ایسا دلکش نظارہ مَیں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ گرد و نواح کا مُلک ایک سبزہ زار دکھائی دیتا تھا۔ ہری ہری گھاس کھیتوں کے گرد احاطہ کئے ہُوئے تھی۔ اور

پھولوں کی کیاریوں کی مانند نظر آتی تھی۔ میرے بائیں طرف ایک بستی آباد تھی۔ سب سے اونچے اونچے درخت تقریباً سات فٹ لمبے معلوم ہوتے تھے۔

بادشاہ برج سے اترا۔ اور گھوڑے پر سوار ہو کر میری طرف آیا۔ گھوڑا مجھے دیکھ کر ڈرا اور اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ کے نوکروں نے اس کی لگام پکڑ کر بادشاہ کو اترنے کا موقع دیا۔ بادشاہ گھوڑے سے اتر کر بڑی حیرانی کے ساتھ میری طرف دیکھتا رہا۔ اس نے اپنے باورچیوں اور خانساموں کو مجھے خوراک اور پانی دینے کے لئے حکم دیا۔ انہوں نے یہ چیزیں ایک گاڑی میں رکھ کر میری طرف دھکیل دیں۔ میں نے ان کھانے کی بھری ہوئی گاڑیوں کو آناً فاناً خالی کر دیا۔ یہ گاڑیاں بیس قسم کے گوشت اور دس قسم کی شراب سے بھری ہوئی تھیں۔ میں نے گوشت کی ہر ایک گاڑی کے دو دو تین تین لقمے کئے۔ اور دس برتنوں کی شراب ایک ہی گھونٹ میں ختم کر دی۔

بادشاہ اپنے تمام اہلکاروں سے نصف انچ اونچا تھا۔ یہی بات اس کے دیکھنے والوں میں ڈر پھیلانے کے لئے کافی تھی۔ اس کے نقش اور خط و خال نہایت موزوں تھے۔ اور اس کا ہونٹ آسٹریا کے لوگوں سے ملتا جلتا تھا۔ ناک مڑا ہوا۔ اور رنگ زیتون جیسا تھا۔ وہ اپنی زندگی کے اٹھائیس سال اور نو مہینے گزار چکا تھا۔ اس کی پوشاک بہت سادہ تھی اور وضع قطع میں ایشیا اور یورپ کی پوشاک سے قدرے مشابہت رکھتی تھی۔ اس کے سر پر سونے کا تاج تھا۔ جس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ چوٹی پر ایک پر لگا ہوا تھا۔ اس نے اپنی حفاظت کے لئے ایک ہاتھ میں تلوار پکڑ رکھی تھی۔ یہ تقریباً تین انچ لمبی تھی۔ اس کا دستہ

اور میان سونے کا تھا۔ جس میں بیش قیمت ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ بادشاہ نے مجھ سے کئی باتیں کیں اور میں نے بھی جواب دیا۔ لیکن ہم دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ بادشاہ کے دربار میں بہت سے پنڈت اور وکیل بھی تھے۔ بادشاہ نے ان کو حکم دیا کہ میرے ساتھ گفتگو کریں۔ میں نے اُن کے ساتھ اُتنی زبانوں میں گفتگو کی جتنی کہ میں جانتا تھا۔ مگر سب بے سود۔

دو گھنٹے کے بعد بادشاہ اور تمام اہلکار چلے گئے۔ اور میرے پاس صرف محافظ ہی رہ گئے۔ وہ میرے نزدیک آنے کے لئے بے صبر ہو رہے تھے۔ بعضوں نے مجھ پر تیر بھی چلائے۔ ایک تیر میری بائیں آنکھ کے قریب سے نکل گیا۔ جب کرنیل کو اس بات کا پتہ لگا۔ تو اُس نے ان شریر محافظوں کو پکڑ لیا۔ جو میری طرف تیر پھینک رہے تھے۔ اور اُن کو رسیوں سے باندھ کر برچھیوں کے دستوں سے میرے پاس دھکیل دیا۔

میں نے ان تمام کو اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیا۔ پانچ کو تو اپنی جیب میں ڈال لیا۔ اور چھٹے کی طرف ایسا مُنہ بنایا، گویا میں اس کو زندہ کھا جاؤنگا۔ وہ بیچارا بُری طرح کانپنے لگا لیکن میں نے اپنا چاقو جیب سے نکال کر اُس کی رسّیاں کاٹ ڈالیں۔ اور وہ بھاگ گیا۔ باقیوں کے ساتھ بھی میں نے ایسا ہی سلوک کیا۔ اور ایسا کرنا میرے واسطے بہت فایدہ مند ہُوا۔ کیونکہ میری اس نیک نیتی کا شہرہ بادشاہ کے کان تک پُہنچ گیا۔　　(باقی آیندہ)

لطیفہ

جج۔ (مجرم سے) "مجھے یاد آتا ہے کہ تم پندرھویں مرتبہ اسی جرم میں میرے سامنے حاضر ہُوئے ہو۔ اب تم کیا کہتے ہو؟" مجرم بولا۔ "بجا ارشاد ہُوا مجھے تو امید ہے کہ اتنی ملاقات کے بعد آپسے دوستی ہو جانا چاہیئے"

بلیک پرنس

(۱)

شاہ ایڈورڈ سوم کے ایک بیٹے کا نام بلیک پرنس (سیاہ شہزادہ) تھا۔ وہ ہمیشہ سیاہ زرہ پہنتا تھا۔ اسی لئے اُسے اس نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

ابھی بلیک پرنس چھوٹا ہی تھا کہ فرانس میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان ایک عظیم الشان جنگ چھڑی۔ شاہ ایڈورڈ بھی اس جنگ میں موجود تھا لیکن وہ بذاتِ خود نہ لڑا۔ کیونکہ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ شہزادہ کس طرح اکیلا جنگ کرتا ہے۔ اس لئے وہ ایک پہاڑی پر کھڑا ہوکر نظارہ دیکھنے لگا۔ وہاں سے وُہ جنگ کا تمام نظارہ دیکھ سکتا تھا۔

جنگ شروع ہُوئی پہلے فرانسیسی آگے بڑھے۔ انگریزوں نے اُن پر اِسقدر تیروں کی بوچھاڑ کی کہ بہت سے آدمی مر گئے۔ اور باقی پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن پھر دوبارہ تندی سے اس طرف بڑھے۔ جہاں بلیک پرنس کھڑا تھا فرانسیسی سپاہیوں نے ایکے اس زور سے حملہ کیا۔ کہ انگریز بھاگنے لگے۔ شہزادے نے ایک قاصد اپنے والد کے پاس مدد لانے کو بھیجا۔ بادشاہ نے قاصد کو جواب دیا۔ "کیا میرا بیٹا مر گیا ہے یا اسقدر زخمی ہو گیا ہے کہ وُہ اپنی مدد آپ نہیں کر سکتا؟

قاصد نے کہا۔ "نہیں، لیکن وُہ مدد کو از حد ضروری سمجھتا ہے۔"

بادشاہ کہنے لگا۔ "جاؤ اور جب تک میرا بیٹا زندہ ہے، میرے پاس مت آؤ۔ خُدا کے فضل سے آج کے معرکے میں اسی کو فتح نصیب ہوگی۔"

جنگ جاری رہی اور شہزادہ ایسی بہادری سے لڑا۔ کہ آخر فرانسیسیوں کو شکستِ فاش

ہوئی۔ وہ اپنے والد کے پاس آیا۔ اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے کہا "شاباش بیٹا! تم نے آج بڑی بہادری دکھائی۔ اب تم ایک سلطنت پر حکومت کرنے کے قابل ہو۔"

(۲)

دلیر اور بہادر ہونا بہت اچھا ہے۔ لیکن یہ اس سے بھی بہتر ہے کہ غریبوں اور کمزوروں پر رحم کیا جائے۔ ہم اس کہانی میں تمہیں بتائینگے کہ جہاں بلیک پرنس بہادر تھا وہاں شریف اور مہربان بھی تھا۔

اس جنگ کے بعد جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اُس نے ایک اور جنگ میں فتح پائی۔ اور جان شاہِ فرانس کو قید بھی کر لیا۔ اب اگر بلیک پرنس بے رحم اور ظالم ہوتا تو شاہِ فرانس سے بُرا سلوک کرتا لیکن اُس نے ایسا نہ کیا۔ بلکہ اُس کی بہت خاطر کی۔ اور اُسے ایک دعوت دی۔ جبتک شاہِ فرانس دسترخوان پر نہ بیٹھا بلیک پرنس کھڑا رہا۔

جب شہزادہ اور اُس کی سپاہ انگلستان میں پہنچی، تو شاہ ایڈورڈ اور بہت سے لوگ اُنہیں دیکھنے شہر سے باہر آئے، فوج کے آگے سفید گھوڑے پر ایک آدمی سوار تھا۔ اور اُس کے پہلو میں ایک خچر پر ایک اور آدمی سوار تھا۔ جو سیاہ زرہ پہنے تھا۔ پہلا جان، شاہ فرانس تھا۔ اور دوسرا بلیک پرنس تھا۔ جس نے اپنے لئے ایسی معمولی جگہ چُنی تھی۔

لوگوں نے اس کی یہ بات بڑی پسند کی۔ لیکن افسوس وہ زیادہ دیر زندہ نہ رہا۔ کہ تخت پر بیٹھتا، بلکہ جوانی میں ہی فوت ہو گیا۔ اور ایک عظیم الشان گرجے میں دفن کیا گیا۔ آج تک اُس کی قبر پر وہی سیاہ زرہ لٹکی ہوئی ہے۔ جسے پہن کر وہ جنگ کیا کرتا تھا۔

نظامی

طلسمی انار

پُرانے زمانہ میں ایک بادشاہ تھا۔ بڑا عقلمند اور سمجھدار۔ اس کی عقلمندی اور انصاف کی شہرت دُور دُور تک پھیلی ہُوئی تھی۔ اُس کی سلطنت میں جو کچھ ہوتا اُسے معلوم ہو جایا کرتا تھا۔ کوئی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات ایسی نہ تھی جو اُس سے چھپی رہتی۔ کوئی کچھ کرتا اور بادشاہ کو معلوم ہو جاتا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہوا اُس کی مخبر ہے۔ اور سب خبریں اُسے پُہنچایا کرتی ہے۔

بادشاہ کا معمول تھا۔ جب وہ کھانا کھا چکتا دسترخوان اُٹھا لیا جاتا۔ امیر اور وزیر رخصت ہو جاتے۔ تو بادشاہ اپنے خاص معتمد غلام کو آواز دیتا۔ یہ غلام ایک طلائی طشت زرّیں خوان پوش سے ڈھنکا ہُوا لے کر حاضرِ خدمت ہوتا بادشاہ خود ہی یہ طشت لیکر خلوت میں چلا جاتا۔ اور غلام باہر منتظر رہتا۔

تھوڑی دیر کے بعد جب بادشاہ آواز دیتا تو غلام اندر آتا۔ اور اسی طرح ڈھکا ہُوا طشت اُٹھا کر لے جاتا۔ اور ایک محفوظ کمرے میں مقفّل کر دیتا۔ کسی کو حکم نہ تھا کہ خوان پوش اُٹھا کر طشت کو دیکھے۔ حتّےٰ کہ اس معتمد غلام کو بھی اجازت نہ تھی کہ کبھی خوان اُٹھاتے۔

بادشاہ کے اس عجیب انداز اور طریقہ سے سب کو حیرت تھی۔ غلام بھی متحیّر تھا۔ اس کا جی بے اختیار چاہتا تھا کہ خوان پوش اُٹھا کر طشت کو دیکھے لیکن ہمیشہ بادشاہ کی خفگی سے ڈرا کرتا تھا۔ ایک دن جب وہ طشت رکھنے کے لئے جا رہا تھا، اُسے موقع مِل گیا اور اُس کی حیرت بادشاہ کی خفگی کے ڈر پر غالب آ گئی۔ بجائے اس طشت کو مقفّل کرنے کے اپنے کمرے میں لیتا گیا۔ کمرہ کا دروازہ بند کر لیا۔ اور خوان پوش اُٹھا کر دیکھا۔ اس میں ایک خوبصورت

سُرخ دانوں والا انار رکھا تھا۔

اب تو اُسے اس انار کے کھانے کی ترغیب ہوئی۔ اُس نے چند دانے چھڑا کر مُنہ میں رکھ لئے۔ ان دانوں کا اُس کے مُنہ میں جانا ہی تھا کہ اُسے عجیب و غریب آوازیں سُنائی دینے لگیں۔ اور یہ معلوم ہونے لگا کہ قریب ہی کوئی باتیں کر رہا ہے۔ پہلے تو اُس نے سمجھا کہ کسی نے اُسے انار کھاتے ہوئے دیکھ لیا۔ اور ڈر گیا۔ اور یہی معلوم کرنے کے لئے کہ کون باتیں کر رہا ہے۔ کھڑکی کے قریب گیا۔ اُس نے دیکھا کہ گڑیا کا ایک جوڑا بیٹھا ہوا باتیں کر رہا تھا۔ یہ اُن کی باتیں سُننے لگا۔ اور سمجھتا جاتا تھا۔ اب تو وہ جانوروں کی باتیں سمجھنے لگا

اُسی دن اتّفاق سے شاہی محلوں میں چوری ہوگئی۔ یک بیک ملکہ کی انگوٹھی غائب ہوگئی۔ ملکہ کو اپنی انگوٹھی کے گم ہونے کا بہت صدمہ ہوا۔ بادشاہ نے انگوٹھی بہت تلاش کرائی لیکن کہیں پتہ نہ لگا۔ سب مایوس ہو گئے۔ بادشاہ نے خفا ہو کر غلام سے کہا۔ "اگر تم نے کل تک ملکہ کی انگوٹھی کا پتہ نہ لگایا تو قتل کر دیئے جاؤ گے۔"

یہ نادری حکم سُنتے ہی اس غریب کے ہوش و حواس غائب ہو گئے۔ اپنی جان سے نا امید ہو کر اِدھر اُدھر پریشان پھرنے لگا۔ یونہی پھرتا ہوا وہ ایک نالے کے قریب جا پہنچا۔ اس نالے میں شاہی بطیں تیرا کرتی تھیں، وہ پریشان تو تھا ہی وہیں ایک پتّھر پر بیٹھ گیا۔ اور اُن بطوں کا تماشہ دیکھنے لگا۔ جو کنارے پر کھڑی ہوئی اپنے پر کھجلا رہی تھیں۔ اور دُھوپ لے رہی تھیں۔ یہ بطیں آپس میں باتیں کرتیں اور جو اُن پر بیتی تھی ایک دوسرے سے کہتی جاتی تھیں۔

انہی میں ایک بہت فربہ اور بڑی سی بط تھی۔ وہ سب سے کچھ فاصلہ پر الگ سُست سی

کھڑی تھی۔ جب چند بطخوں نے اس کا حال پُوچھا، تواس نے جواب دیا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ میرے پیٹ میں کچھ چیز پتھر سی دھری ہُوئی ہے۔ اس سے کچھ درد بھی ہو رہا ہے۔ آج صبح جب مَیں آرہی تھی۔ تو مَیں نے محلوں کے نیچے کوئی چیز پڑی ہُوئی دیکھی۔ اور جلدی میں نگل لی۔ نگلتے وقت معلوم ہوا۔ کہ وُہ انگوٹھی سی ہے اسی وقت سے شکم میں درد سا ہو رہا ہے۔

(باقی پھر) عبدالستار خاں

بھیلنی کے بیر

سری رام بن باس کو جب گئے
تو جنگل میں اک بھیلنی سے مِلے
یہ عورت حقیقت میں تھی نیک ذات
نہایت شریف اور عالی صفات
نہ دُنیا سے کوئی سروکار تھا
بسا دِل میں ہر وقت کرتار تھا
مگر ظلم لوگوں کا دیکھو ذرا
اُسے کوئی بھی شخص چھوتا نہ تھا
کہ یہ بھیلنی ذات کی ہے اچھوت
بدکتے تھے جیسے وہ ہو کوئی بھُوت
خبر جب سُنی رام بن باس کی
تو اُن کے لئے بیر چُننے لگی!
کہ آئینگے تو مَیں کھلاؤں گی کیا
یونہی اُن پہ بلہار جاؤں گی کیا

سری رام نے جب سُنی یہ خبر
روانہ ہُوئے سب سے پہلے اُدھر
بڑے شوق سے بیر کھانے لگے
حقیقت کا رستہ دکھانے لگے
عمل سے یہ دُنیا کو دکھلا دِیا
کہ جو شخص ہے پاک صاف اور بھلا
اچھوت اُس کو کہنا بڑی بھُول ہے
وُہ سنسار کا خوشنما پھُول ہے

سُدرشن

دوست کے نام خط

اس خط کے لکھنے والے عزیزی اطہر حسین ہیں جو پانچویں جماعت میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں لیکن اندازِ تحریر ایسا اچھا ہے کہ بڑی جماعتوں کے طالب علم ایسا نہیں لکھ سکتے۔ گو شب برات کا دن گزر گیا ہے لیکن ہم نونہال بچوں کی دلچسپی کے لئے اس خط کو اس پرچے میں شائع کرتے ہیں۔ "آنریری ایڈیٹر"

حلیم مسلم ہائی سکول کانپور
۲۵۔ جنوری ۱۹۲۶ء

محبی!

السلام علیکم

کھاؤ بھائی۔ خوب کھاؤ۔ شب برات کا حلوا کھاؤ۔ پھلجھڑی چلاؤ۔ گھر پھونک تماشہ دیکھو۔ ہاتھ۔ ٹانگ۔ ناک۔ آنکھ۔ کان اور منہ جلاؤ۔ ڈاکٹر صاحب کے پاس جاؤ۔ وہاں بھی کچھ رقم ڈھیلی کرو۔ خدانخواستہ اگر کانے یا اندھے ہو گئے، تو عمر بھر شب برات کے پٹاخے یاد آئینگے۔ بھائی! تم میرے دوست ہو۔ برا نہ ماننا۔ یہ پھلجھڑی تمہارے خوش کرنے کے لئے بھیجتا ہوں، نہ کہ خفا ہونے کے لئے۔ ہاں غریبوں کو کھلاؤ تاکہ اُن کے منہ سے دُعا کے پھول جھڑیں۔ فقط والسلام۔

اطہر حسین

ایک ایماندار کاشتکار

عبداللہ پور میں کریم نامی نہایت غریب مگر ایماندار کاشتکار رہتا تھا۔ پچاس روپیہ سالانہ لگان کی زمین اس کے پاس تھی۔ ایک سال خشک سالی ہوگئی۔ اور اس کے کھیت میں پیداوار نہایت کم ہوئی۔

وصولی لگان کا زمانہ آیا۔ زمیندار نے

کریم سے تقاضے پر تقاضے کرنا شروع کر دئے نالش کی دھمکی دی۔ کریم نے ہر چند اپنی غریبی اور لاچاری کا حال زمیندار سے کہا۔ مگر وہ نہ مانا۔ اور بدشواری تین چار آدمیوں کی سفارش سے زمیندار نے کریم کو چھ دن کی مہلت دی۔ پانچ دن گزر گئے۔ اور چھٹا دن آگیا۔ کریم اپنے کھیت میں ہل چلا رہا تھا۔ وہ اپنے دل میں خیال کر رہا تھا۔ کہ آج کونسی ترکیب ایسی کروں جس سے لگان کا روپیہ ادا ہو جائے۔ مگر اس کی سمجھ میں بجز اس کے اور کچھ نہ آیا کہ دونوں بیل فروخت کر کے روپیہ ادا کر دیا جائے۔ وہ بیل فروخت کرنے کو گھر جا ہی رہا تھا کہ دفعتاً اس کا ہل کسی چیز سے ٹکرایا۔ کریم نے بیلوں کو روک کر دیکھا، تو زمین میں ایک لوہے کا گھڑا اشرفیوں سے بھرا گڑا ہوا تھا۔ اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جلدی جلدی گھڑے کو اپنی چادر میں باندھ کر سر پر رکھا۔ اور بیلوں کو لیکر گھر پہنچا۔ اور اپنی بیوی سے تمام ماجرا بیان کیا۔ روپیہ شمار کیا، تو دس ہزار کی اشرفیاں تھیں۔ بیوی نے خوش ہو کر کریم سے کہا۔

بیوی۔ چھ دن سے تم بڑے پریشان تھے۔ کہ زمیندار کا روپیہ کہاں سے ادا ہوگا۔ آج خدا نے تمہاری سن لی ہے۔ اور گھر بیٹھے دس ہزار کی اشرفیاں دیدیں۔

کریم۔ "تو اس روپیہ سے کیا ہوتا ہے؟"

بیوی۔" اس سے تو سب کچھ ہو جائے گا۔ اسقدر روپیہ تو ہم نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔ تم پچاس روپیہ تو اس میں سے زمیندار کو دیدو۔ کچھ بیل خرید کر کھیتی باڑی کا کام بڑھا لو۔ اور بقیہ جمع رکھو۔ لڑکے اور لڑکی کے بیاہ میں کام آئیگا۔"

کریم۔"کیسی باتیں کرتی ہو۔ تم یہ جانتی ہو کہ یہ روپیہ میرا ہے؟"

بیوی۔" تمہارا نہیں تو پھر کس کا ہے؟"
کریم۔" میرا کیسے ہو سکتا ہے، زمیندار کا ہے۔"
بیوی۔" روپیہ تو تمہارے کھیت سے نکلا ہے۔ پھر زمیندار کا کیونکر ہو سکتا ہے؟"
کریم۔" لیکن کھیت کا مالک تو مَیں نہیں ہوں۔ بلکہ زمیندار ہے۔"
بیوی۔" ہُوا کرے۔ کھیت تو تمہارے پاس لگان پر ہے۔"
کریم۔" بیشک تم نے سچ کہا، کہ کھیت میرے پاس لگان پر ہے۔ لیکن اگر کوئی چیز زمین کے اندر سے نکلے، تو وہ میری ملکیت نہیں ہو سکتی۔ مجھے تو صرف اس میں کاشت کرنے کا حق حاصل ہے۔"
بیوی۔ پھر تم اس روپیہ کا کیا کرو گے؟"
کریم۔" ابھی تھوڑی دیر میں جا کر کریم کو دے آؤں گا۔"

بیوی۔" معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ گھر آئی ہُوئی دولت بھی کوئی پھیرتا ہے"
کریم۔" تمہاری خواہش یہ ہے کہ میں اپنا ایمان بگاڑ لوں۔ یہ تو مجھ سے کبھی نہ ہو گا۔"
بیوی۔" تو پھر یہ ہی کرو کہ کم از کم زمیندار کے لگان کے موافق نکال لو۔"
کریم۔" یہ بھی نہیں کر سکتا۔ ان میں سے اگر ایک اشرفی بھی نکال لونگا، تو وُہ چوری ہو جائے گی۔
بیوی۔" پھر آج زمیندار کا لگان کیسے ادا کرو گے۔ آج تو وعدہ کا آخری دن ہے۔"
کریم۔" مَیں نے سوچا ہے کہ دونوں بیل فروخت کر کے حساب بیباق کر دوں۔ اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہیں۔"
بیوی۔" کہیں ایسا غضب نہ کر بیٹھنا۔ اگر بیل بیچ دِئے، تو پھر کھیتی باڑی کا کام کیونکر چلے گا؟"

کریم :- جو کچھ بھی ہوں، مجھے تو آج روپیہ ادا کرنا ہے۔ وعدہ خلافی تو مجھ سے نہ ہوگی۔"

یہ کہکر کریم باہر گیا۔ اور اپنے دونوں بیل پچاس روپیہ میں ایک دوسرے کاشتکار کے ہاتھ فروخت کر دیئے۔ گھر آیا۔ اور گھڑے کو چادر میں باندھ کر سر پر رکھا۔ اور پچاس روپیہ ہاتھ میں لیکر زمیندار کے پاس پہنچا۔

جاتے ہی سب سے پہلے زمیندار کے روپے ادا کئے۔ اس کے بعد اشرفیوں کا گھڑا زمیندار کے حوالہ کر کے اُس کے دستیاب ہونے کا تمام واقعہ بیان کیا۔

زمیندار کریم کی ایمانداری دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ اور اُس نے نہایت خوش ہو کر وہ تمام اشرفیاں کریم ہی کو واپس کر دیں۔ اور یہ ہی نہیں۔ بلکہ اُس کی زمین کا لگان بھی ہمیشہ کے لئے معاف کر دیا۔

ہشام میرٹھی

لطیفے

(۱)

مالک مکان (غُصّہ ہو کر) تم نے کمرے میں یہ رنگ کیوں دیا۔ اور کس کے حکم سے دیا۔ کمرے کا ستیاناس کر دیا۔

رنگساز :- "آپ کی بی بی کے حکم سے۔"

مالک مکان۔ "اہا کیسا خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ کیوں ہیں نا؟"

(۲)

لطیف۔ "بڈّھا سرفراز تو عجیب الخلقت آدمی ہے۔ کل اس نے چوہے دانی میں ایک چوہا پکڑا۔"

قربان۔ "تو کیا اُس نے مار ڈالا؟"

لطیف۔ "نہیں، دیکھو اس چوہے سے اس نے جج ہونے کا فایدہ اُٹھایا۔ چوہے کو چوبیس گھنٹے قید تنہائی کی سزا دی اور پھر چھوڑ دیا۔"

مولٰنا خیر رحمانی

قیمت سالانہ پانچ روپے | رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۴۱۵ | قیمت ششماہی ۳/ فی پرچہ ۲/

نونہال بہار نمبر

آنریری ایڈیٹرز:-

حکیم احمد شجاع بی اے (علیگ) — سیّد غلام رسول طاہر جالندہری

ایڈیٹرز:-

محمد اسمٰعیل — عبدالرشید

جلد ۸ | فہرست مضامین بابت ۱۵ اپریل ۱۹۲۶ء | نمبر ۱۴

(مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ گوپال داس پرنٹر چھپا اور دارالاشاعت ادب لطیف کے لئے محمد اسمٰعیل پبلشر و پروپرائیٹر نے چیمبرلین روڈ لاہور سے شائع کیا)

دلچسپ معلومات

امریکہ کے سائنسدانوں نے تجربوں سے یہ بات دریافت کی ہے۔ کہ ذرّوں میں بہت زیادہ بجلی کی قوّت موجود ہے۔ اور اُن سے بڑے بڑے کام لئے جا سکتے ہیں۔ کوئلہ اور تیل کے ذرّوں میں بھی یہ طاقت ہوتی ہے لیکن اس طاقت کو حاصل کرنے کے لئے کوئلہ کو جلانے سے اس کی کچھ قوت گھٹ جاتی ہے۔ یورینیم کے ذرات خود بخود خارج ہوتے ہیں۔ یہ خیال کیا جا رہا ہے کہ آفتاب کی نہ گھٹنے والی گرمی انہی ذرات کی تحلیل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

آج کل ایسی کلیں ایجاد ہوئی ہیں جن کے ذریعہ سے زمین کو کھودنے کے بغیر اس کے اندر کے معدنیات دریافت کر سکتے ہیں۔ اس قسم کی کلیں تیل اور معدنیات کی کمپنیاں استعمال کر رہی ہیں۔

مشرقی افریقہ میں چیونٹیوں نے بڑے بڑے مٹی کے تودے مینار کی شکل کے بناتے ہیں۔ یہ تودے بیس فیٹ اُونچے ہیں۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ سوا انچ لمبا جانور بیس فیٹ اُونچی عمارت بناتے۔ پنسلوانیا کے پہاڑوں میں دنیا کے سب سے بڑے چیونٹیوں کے شہر ہیں۔ سب سے بڑا شہر تیس ایکڑ رقبہ گھیرے ہوئے ہے۔ چیونٹیوں کے گھر کو کدالی سے توڑ کر دو ٹکڑے کریں تو وہ پھر اس کے بنانے میں لگ جاتے ہیں ایک بچوں کو اُٹھا کر اندھیرے تہ خانوں میں لے جاتی ہے۔ دوسری ریت کے دانے لیکر ٹوٹے ہوئے حصّوں کی ترمیم کرتی ہے۔ تیسری اس کچرے کو الگ کرتی ہے۔ جو غاروں میں گر گیا ہے۔

سیّد برہان الدین احمد

بہار

نکھار ہے بہار ہیں چمن میں لالہ زار ہیں
ہر ایک گل میں خار ہیں
نظر اُٹھی ذرا جدھر سماں عجب پڑا نظر ہرے بھرے ہیں سب شجر
یہاں وہاں اِدھر اُدھر بہار ہی بہار ہے

عجیب رنگ رل گئے چمن میں پھول کھل گئے
لباس ان کے سل گئے
خمیدہ شاخسار ہیں ہر ایک برگ و بار میں نہالِ زر نگار ہیں
درختِ باردار ہیں بہار ہی بہار ہے

تمام پھول ڈالیاں شگوفے اور ٹہنیاں
یہ سبز سبز پتّیاں
چمن کی شاہزادیاں نزاکت ان سے ہے عیاں کروں میں کس طرح بیاں
کچھ اس طرح کا ہے سماں بہار ہی بہار ہے

نسیم خوشگوار سے ہوائے مشکبار سے
نمود لالہ زار سے

کھلی ہوئی ہے نسترن گلاب موتیا سمن سب اپنے رنگ میں مگن
سمن سمن چمن چمن بہار ہی بہار ہے

چمن سے جو نظر اُٹھی فرازِ کوہ پر جمی
گلوں کی دیکھئے ہنسی
وہ لہلہا رہے ہیں گل وُہ مُسکرا رہے ہیں گل وہ کھلکھلا رہے ہیں گل
خوشی منا رہے ہیں گل بہار ہی بہار ہے

پہاڑیوں کے گیت بھی ہیں ایک سحرِ سامری
ہے ان میں ایسی دلکشی
کہ رُوح کھنچ گئی اِدھر وہ وادیوں میں گونج کر اِدھر اُدھر گئی بکھر
مگر یہ اُس کا ہے اثر بہار ہی بہار ہے

یہ سارا کھیل خواب ہے طلسم ہے سراب ہے
الم سے زہرہ آب ہے
خزاں جب آئے گی یہاں تو کب رہے گا یہ سماں مگر ہے کیا غم خزاں ؟
نظر تو کر۔ یہاں وہاں بہار ہی بہار ہے

غلام رسول

عید

مغرب کی سمت افق پہ وہ نکلا ہلالِ عید
پھر اک برس کے بعد وہ چمکا ہلالِ عید

چھوٹے بڑے ہر ایک نے دیکھا ہلالِ عید
خوش ہے زمانہ دیکھ کے کیسا ہلالِ عید

شاداں ہیں دیکھ دیکھ کے سارے ہلالِ عید
روزوں کی کلفتوں کا بدل ہے ہلالِ عید

ہو روزہ دار کے لئے فرخندہ فالِ عید
باغ ادب میں پھولے پھلے نونہالِ عید

مشرق سے آفتاب کی چمکی ضیائے عید
باغ ادب میں چلنے لگی ہے ہوائے عید

ہر شاخسار جھوم کے مژدہ سنائے "عید"!
ہر اک طرف سے آنے لگی ہے "صدائے عید"

کس شان سے جہان میں آیا ہے روزِ عید
صد شکر پھر خدا نے دکھایا ہے روزِ عید

پیغام انبساط کا لایا ہے روزِ عید
کیا خوب مسلموں نے منایا ہے روزِ عید

پیڑوں پہ طائروں نے سنایا پیامِ عید
اشجار جھومنے لگے آیا جو نامِ عید

شبنم نے آکے منہ سے لگایا جو جامِ عید
سب پھول جھک کے کرنے لگے ہیں سلامِ عید

ہر گھر میں آج ہوتے ہیں سامان عید کے
ہر گھر میں آج پکتے ہیں پکوان عید کے

ہر گھر میں آج آئے ہیں مہمان عید کے
سب دوستوں کو بھیجتے ہیں خوان عید کے

یوں تو ہر ایک شخص کو رغبت ہے عید سے
بچّوں کو سب سے بڑھ کے محبت ہے عید سے

پھولے نہیں سماتے مسرت ہے عید سے
آزاد۔ شاد کام ہیں الفت ہے عید سے

کپڑے پہن کے بچّے دکھاتے ہیں عید کے
آپس میں مل کے گیت وہ گاتے ہیں عید کے

کیا مل کے کھانے شوق سے کھاتے ہیں عید کے
ہر اک کو تحفے دیتے دلاتے ہیں عید کے

طاہر

بچّوں کی حکومت

امریکہ میں بچّوں کی تربیّت کا ایک نیا طریقہ نکالا گیا ہے۔ اسے "بچّوں کی حکومت" کہتے ہیں۔ بچّوں کی حکومت سے مراد یہ ہے۔ کہ بچّے اپنے سارے معاملے خود ہی طے کریں۔ اور اب سے پہلے جن باتوں کی دیکھ بھال اُستادوں کو کرنی پڑتی تھی، وُہ اب طالب علم خود کرتے ہیں۔ یہ طریقہ مدرسوں میں جاری کیا گیا ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ ایک سکول کے سارے طالبعلم مل کر چند قاعدے بنا لیتے ہیں۔ ان قاعدوں کے مطابق لڑکوں ہی میں سے ایک پولیس کا افسر، ایک انسپکٹر، ایک جج چُن لئے جاتے ہیں۔ پھر سب ساتھ بیٹھ کر انتظام کے لئے قانون بناتے ہیں۔ یہ قانون روزانہ کی معمولی باتیں ہوتی ہیں۔ جو سب لڑکے جانتے ہیں۔ کلاس میں شور و غل کرنا۔ دیواروں پر لکیریں کھینچنا، کھیل کے میدان میں شرارت کرنا یا صاف نہ رہنا۔ اپنی سب چیزیں صاف نہ رکھنا یا دھوکا دینا۔ سکول میں دیر سے آنا۔ جھُوٹ بولنا، ان سب باتوں کے لئے سزائیں مقرر کر دی جاتی ہیں۔

جب پولیس کا افسر کسی لڑکے کو کسی قانون کے خلاف کوئی کام کرتے دیکھتا ہے، تو اُسے روک دیتا ہے۔ اوّل تو یہی کافی ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہ کافی نہ ہو، تو پھر وُہ اس لڑکے کو حکم دیتا ہے کہ تم فلاں وقت جج کے سامنے حاضر ہونا اور گواہ سے بھی موجود رہنے کو کہہ دیتا ہے۔ جب مقدمہ جج کے سامنے پیش ہوتا ہے، تو جج پولیس کے افسر سے پوچھتا ہے کہ اس نے کیا کیا۔ اور مجرم کو اس کا جواب دینے کی اجازت دیتا ہے۔ اور گواہ کی شہادت

سُنتا ہے۔ اس کے بعد فیصلہ سُناتا ہے۔

سزائیں مختلف قسم کی ہوتی ہیں۔ کبھی تو جج سارے اسکول کے لڑکوں کے سامنے مجرم کو ملامت کرتی ہے۔ یہ کافی سخت سزا سمجھی جاتی ہے۔ اور لڑکے اس سے بہت گھبراتے ہیں۔ جس کو یہ سزا ملتی ہے وہ پھر آئندہ بہت کم کسی قانون کے خلاف کوئی کام کرنے کی جُرأت کرتا ہے کبھی مجرم سے کہا جاتا ہے کہ سب کے سامنے توبہ کرے۔ کہ اب کبھی ایسی حرکت نہ کریگا۔ اگر کسی لڑکے نے کوئی زیادہ بُرا کام کیا ہے۔ یا بار بار اس سے خطا سرزد ہوتی رہتی ہے۔ تو اُسے رائے کے حق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ حکومت میں شریک نہیں رہتا اور نہ کبھی اس کا عہدہ دار بن سکتا ہے۔ کبھی کبھی اس سزا کے ساتھ ہی یہ بھی ہوتا ہے، کہ جج تمام لڑکوں کو حکم دیتا ہے کہ مجرم لڑکے سے بات نہ کریں کوئی سزا اس سے زیادہ سخت نہیں سمجھی جاتی

تھوڑے ہی دن کے تجربہ سے یہ معلوم ہوا کہ "بچّوں کی حکومت" ہر حیثیّت سے بہت مفید ثابت ہوئی۔ کیونکہ بچّے خود ہی سارے قانون بناتے ہیں۔ اِس لئے انہیں توڑنا بھی نہیں چاہتے۔ بہت سے لڑکے جو پہلے اپنے ماں باپ کو اور اُستادوں کو تنگ کرتے تھے۔ اب سیدھے ہو گئے۔ جو لڑکا کوئی کام قانون کے خلاف کرتا ہے، اُسے سب بُری نظر سے دیکھتے ہیں اور سب یہ سمجھتے ہیں کہ جو لڑکا حکومت کے کسی قانون کو توڑتا ہے، وہ سب کو نقصان پُہنچاتا ہے۔

"بچّوں کی حکومت میں اُستاد کا بھی کافی حصّہ ہوتا ہے۔ سارے قانون بنا کر اُسے دِکھائے جاتے ہیں۔ اور اُسے اختیار

حاصل ہے۔ کہ چاہے جس قانون کو منسوخ کر دے۔ یا چاہے کوئی نیا قانون بنائے وہ جج کے کام کو بھی دیکھتا ہے اور اُسے کبھی کبھی رائے بھی دیتا رہتا ہے۔ اُستاد اور افسروں کے کام کی دیکھ بھال بھی کرتا رہتا ہے۔ اور اس طرح "بچّوں کی حکومت" قائم ہونے سے اُستاد کے حقوق میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

انتظام کے اس طریقہ میں بچّے بہت خوش رہتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ ان کا برتاؤ اچھا رہتا ہے، وہ کچھ حکومت کے طریقوں سے بھی واقف ہو جاتے ہیں۔ اور یہ سمجھنے لگتے ہیں۔ قانون کیوں بنائے جاتے ہیں۔ آجکل ممالک متحدہ امریکہ، جنوبی امریکہ، جاپان وغیرہ ملکوں کے اکثر اسکولوں میں "بچّوں کی حکومت" قائم ہے۔ مسٹر ولسن ایل گل اس طریقہ کے موجد ہیں، کیا اچھا ہو کہ ہمارے وطن کے اسکولوں میں بھی بچّوں کی حکومت قائم ہو جائے

حامد اللہ افسر (میرٹھی)

انمول موتی

۱۔ ہر ایک شیریں زبان کو دوست خیال کرنا سخت غلطی ہے۔

۲۔ دوست کو تکلیف کے وقت آزمانا چاہیئے۔

۳۔ عقلمند کو نیک اور دُور اندیش سے صلاح لینی چاہیئے۔

۴۔ جو تیری قدر کرے، اُس کی تو قدر کر۔

۵۔ جو کام اپنے سے نہ ہو سکے، اُسے سب کے لئے ناممکن خیال کرنا سخت غلطی ہے۔

۶۔ طلوع آفتاب کے وقت سونا نہیں چاہیئے۔

۷۔ اس نیّت سے عیب کرنا کہ صرف دو چار مرتبہ کر کے چھوڑ دونگا سخت غلطی ہے۔

بہار کے دِن

آیا ہے بہار کا زمانہ
باغوں کے نکھار کا زمانہ

کلیاں کیا کیا چٹک رہی ہیں
ساری روشیں مہک رہی ہیں

ہلکی ہلکی یہ اُن کی خوشبو
پھیلی ہُوئی ہے چمن میں ہر سو

چڑیاں گاتی ہیں گیت پیارے
سُنتے ہیں چمن میں پھول سارے

شاخوں کا بنا لیا ہے جھولا
پھولوں سے لدا ہُوا ہے جھولا

کونپل ہر اک ہے کیسی پیاری
سبزی میں جھلک رہی ہے سُرخی

کتنی راحت فزا ہوا ہے
گویا جنّت کا در کھلا ہے

خوش خوش ہر ایک آدمی ہے
ہر شے میں بلا کی دِلکشی ہے

یہ صبح کا دِلفریب منظر
یہ شام کا حُسن رُوح پرور

یہ رات کو چاندنی کا عالم
اللہ رے بیخودی کا عالم

کیسی دلچسپ چاندنی ہے
چادر اک نور کی تنی ہے

ہر دِل میں امنگ کس قدر ہے
سب پر ہی بہار کا اثر ہے

سڑکوں پہ جو لوگ جا رہے ہیں
غزلیں افسرؔ کی گا رہے ہیں

حامد اللہ افسرؔ (میرٹھی)

چوں اور چاں
"چوں چوں" اور "چاں چاں" کی چچی تھکی ہوئی تو تھی ہی۔ کرسی پر بیٹھی
بیٹھی اُونگھنے لگی۔ چلبلے "چوں چوں" اور "چاں چاں" خود چین سے کب
بیٹھنے تھے کہ اپنی چچی کو چین سے بیٹھنے دیتے۔ لگے زور زور سے
چیں چیں کرنے اور چلانے۔ سارے گھر کو سر پر اٹھا لیا۔
چچی نے تنگ آکر کہا: "یہ کیا چائیں چائیں لگا رکھی ہے بھاگو
یہاں سے شریرو۔" "چوں چوں" اور "چاں چاں" اپنی چڑچڑی
چچی کی چپتیوں کے ڈر سے دم دبا کر چٹ سے بھاگ گئے۔
باہر گئے تو سوچنے لگے۔ کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ جی چاہا کہ
دریا پر چلیے۔ شاید کوئی چٹپٹا شکار ہاتھ آئے۔ زبان
اس خیال سے چٹخارے لینے لگی۔ بنسی لے کر دریا پر پہنچے۔
کینچوا کنڈی سے لگا کر دریا میں ڈال دیا۔ اور مچھلی کا شکار
کھیلنے لگے۔
چپ چاپ
بیٹھے مچھلی کا انتظار کر رہے
تھے کہ ہاتھوں کو کچھ دھکا سا محسوس ہوا
سمجھے کوئی شکار آیا ہے جلدی سے
کنڈی کو باہر کھینچا دیکھا تو بھدے میاں
ٹرٹر کھینچے چلے آرہے ہیں۔ ان کی
گھناؤنی صورت دیکھ کر ان کا دم
فنا ہو گیا۔ سب کچھ وہیں چھوڑ چھاڑ
گھر کو بھاگے۔ اور گھر آکر دم لیا۔
نہ جانے ان کی چچی نے ان کے منچلے پن
کی کیا داد دی ہوگی!
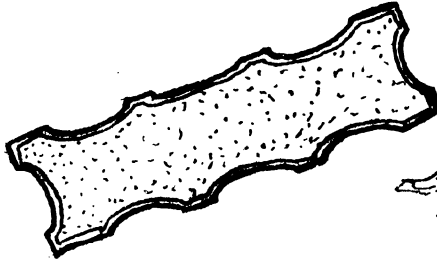
کام اور آرام

سب سے پہلے آدمی کو کام کرنا چاہیے
کام جب ہو جائے تو آرام کرنا چاہیے

کام ہو ایسا کہ جس میں ہو کسی کا فایدہ
یا پھر اپنے فایدہ کا کام کرنا چاہیے

کام کرنے میں ہے راحت اور راحت میں خوشی
خوش اگر رہنا ہے ہم کو کام کرنا چاہیے

کام کرنا ہے ہمارا فرض پہلا دوستو!
صبح سے تا شام ہم کو کام کرنا چاہیے

کام کرنے میں خوشی ہے اور ہے نام آوری
کام کر کے ہم کو پیدا نام کرنا چاہیے

کارنامے یہ بڑے لوگوں کے دیتے ہیں سبق
نام کی ہو آرزو تو کام کرنا چاہیے

کام کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے آدمی
آدمی کا فرض ہے یہ کام کرنا چاہیے

لازمی آرام کرنا ہے مگر یہ شرط ہے
کام کرنے کے لئے آرام کرنا چاہیے

ہے مقدم کام پھر آرام کا ہے مرتبہ
کام پہلے بعد میں آرام کرنا چاہیے

نیاز رازی

لطیفہ:- خان بہادر کی قیمتی گھڑی بند ہو گئی۔ جھنجھلا رہے ہیں کہ "آج اس کو کیا ہو گیا ہے۔" مخدومی صاحب نے کہا "صاف نہیں کرائی ہو گی۔" میاں اصغر (وہیں پر بیٹھے تھے بول اٹھے) "جی نہیں صاف کرانے کی کیا ضرورت ہے۔ کل ہی تو ہم نے اور منجھلے بھیا نے صابون سے اس اس کو دھویا ہے۔"

قدرت اور نقاشی

کھیت کی معمولی جھاڑیاں اور پھول بھی اپنے
اندر خوبصورتی رکھتے ہیں۔ اور ہم کو کچھ نہ کچھ
سبق سکھاتے ہیں۔ (رسکن)

اگر ہم غور سے دیکھیں، تو قدرت کا
کارخانہ کئی مفید چیزوں سے بھرا ہوا ہے
اس کی ہر ایک چیز خدا نے کسی مطلب کے
لئے بنائی ہے۔ قدرت ہماری ماں ہے۔
وہ ہم کو ماں کی طرح پیار اور محبت کی نظروں
سے دیکھتی ہے۔ ہمارے لئے اناج پیدا
کرتی ہے۔ پھل اور پھولوں کو نشو و نما دیتی
ہے۔ اور گرمی اور سردی میں جو کپڑے پہنتے
ہیں، وہ بھی قدرت ہی کے خوبصورت اور
مفید پودوں کی بدولت حاصل ہوتے ہیں
قدرت ہماری اُستاد بھی ہے۔ اگرچہ وہ اپنی
زبان سے کچھ نہیں بولتی لیکن خاموش رہنے
پر بھی کئی اچھے اچھے سبق سکھاتی ہے۔

آج ہم تم کو یہ بتائینگے کہ قدرت ہم
کو نقاشی یا تصویریں بنانا کس طرح سکھاتی
ہے۔ تم نے سکولوں میں اکثر نقشے اور
تصویریں بنائی ہونگی۔ مگر تم نے یہ خیال
کبھی نہیں کیا۔ کہ تصویر اور خاکہ کھینچنے کے
جو طریقے تمہیں ماسٹر بتاتا ہے، وہ قدرت
زیادہ وضاحت سے تمہارے ذہن نشین
کرتی ہے۔ تم قدرت کے طریقوں کی طرف
غور نہیں کرتے بس یہی تمہارا قصور ہے۔
قدرت ایک کتاب کی مانند ہے۔ اُس
کے پھولوں کی پنکھڑیاں اور پتے اُس کے
کے سنہری اور سبز ورق ہیں۔ اور ہر ورق پر
ہمارے لئے سبق لکھے ہوئے ہیں تم نے
کھیتوں میں کسانوں کو بیج بوتے دیکھا ہوگا
کسان زمین میں ہل پھیرنے کے بعد بیجوں
کو بکھیر دیتا ہے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد

کونپلیں پھوٹتی ہیں۔ اور آہستہ آہستہ لمبے لمبے پودے کھیت سے اپنا سر اٹھاتے ہیں۔ کسان کھیت میں پانی دیتا ہے۔ اور وقت آنے پر فصل پک کر تیار ہو جاتی ہے۔ اور پودوں کے سروں پر اناج سے لدے ہوئے بُھٹّے اس طرح دکھائی دیتے ہیں۔ گویا پودوں نے دھانی رنگ کا تاج پہنا ہوا ہے۔

اب اگر تم غور سے دیکھو۔ تو بیج بونے کے وقت سے لے کر فصل تیار ہونے تک قدرت نے تم کو ساری مصوری اور نقشہ کشی کی تعلیم دے دی ہے۔

قدرت اور نقاشی کے طریقے آپس میں بہت ملتے جلتے ہیں۔ ہم ان تصویروں کے ذریعہ ساری بات تمہارے ذہن نشین کرتے ہیں۔

جس طرح قدرت کے طریقوں کے مطابق کسان چھوٹے چھوٹے بیجوں کو

کھیت میں بکھیرتا ہے۔ اسی طرح کسان یا مصور بھی کاغذ پر ہلکے ہلکے نقطے ڈالتا ہے۔ بیج اور نقطے آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ دونوں چھوٹی چھوٹی گول سی چیزیں ہیں۔ پس ڈرائنگ کا سب سے پہلا سبق یہ ہے کہ جس طرح کسان چھوٹے چھوٹے بیجوں کو جہاں وہ چاہتا ہے، کھیت میں بکھیرتا ہے۔ ہم بھی سفید کاغذ پر چھوٹے چھوٹے

نقطوں کو جہاں ہم چاہیں ڈالنا سیکھیں۔

نقاش کا پہلا سبق

نقطہ
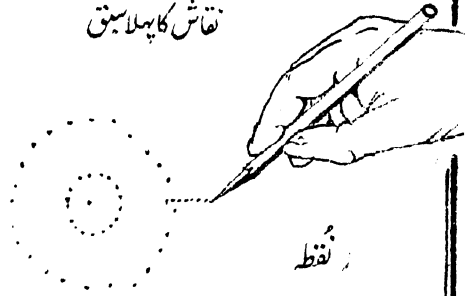
جب ہم نقطوں کو نہایت خوبصورتی سے کاغذ پر ظاہر کرنا سیکھ جائیں۔ اور کسی سادہ چیز کو دیکھ کر اس کے مختلف حصّوں کو نقطوں میں

قدرت کا دوسرا سبق

ظاہر کر سکیں، تو اس کے بعد سیدھی لکیریں کھینچنے کی مشق کرنا چاہیے۔

جس طرح کھیت میں بوئے ہُوئے بیج اپنا سر باہر نکال لیتے ہیں، اور لمبی لمبی شاخوں یا تنوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اُسی طرح ہم کو بھی اپنے نقطوں سے سیدھے خط کھینچنے چاہئیں۔ مثلاً دو نقطوں کو سیدھے خط کے ذریعے سے ملانا یا تین یا تین سے زیادہ نقطوں کو خطوں میں گھیرنا وغیرہ

تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ قُدرت سیدھے ہی خطوں کی تعلیم نہیں دیتی۔ بلکہ ٹیڑھے اور پیچیدہ خط بھی کھینچنا سکھاتی ہے۔ کھیتوں کے بیج بالکل سیدھے تنوں میں ہی نہیں پھُوٹتے بلکہ ٹیڑھے تنوں میں بھی پرورش پاتے ہیں۔

قُدرت کے اس طریقے کے مطابق ہم کو چاہیے کہ ہم سیدھی لکیروں کے ساتھ ساتھ ٹیڑھی لکیریں یا پیچیدہ خط بھی کھینچنا سیکھیں۔

نقاشی کا دوسرا سبق
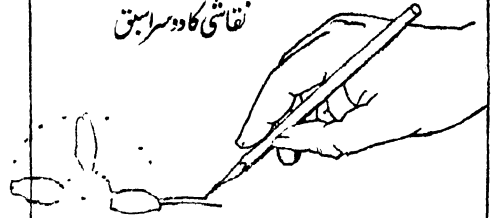
خط اور محدود خط

اگرچہ نقطوں اور خطوں کے علاوہ اور
کوئی ایسی چیز نہیں، جو تصویر کو مکمل کر دے
مگر کسی تصویر کو اچھی طرح بنانے کے لئے
ان نقطوں اور خطوں کو اُن کی سادہ صورت
سے پیچیدہ صورت میں لانا پڑتا ہے۔ نقطوں
اور خطوں کی مشق کے بعد ان دونوں کو استعمال
میں لانا چاہئے۔

قدرت کا تیسرا سبق

کھیتوں میں بیج کے بعد شاخیں یا تنے
اور اُن کے بعد اناج سے بھرے ہوئے سٹّے
لگتے ہیں۔ اور پودا اپنی زندگی کا سارا سفر طے
کر لیتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح نقّاشی بھی
نقطوں اور خطوں کے بعد چیزوں کی اصلی
بناوٹ کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ اور اُن کو
مکمل کر دیتی ہے۔

نقاشی کا تیسرا سبق
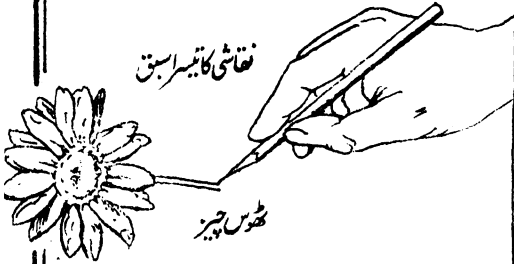
ٹھوس چیز

اب تُم نے دیکھ لیا۔ کہ قدرت اور
مُصوّری کے طریقے آپس میں کس طرح
ملتے جُلتے ہیں۔ تم کو چاہئے کہ جب تم کسی
چیز کا خاکہ کھینچنا چاہو، تو اُس کے مختلف
حصّوں کو کسی سفید کاغذ پر پہلے نقطوں میں
ظاہر کرو۔ بعد میں نقطوں کو ملا دو۔ اور پھر

دوسرے ضروری نقطے اور سیدھے ٹیڑھے خط کھینچ کر اُس کو مکمل کر لیا کرو۔ قُدرت کا یہ طریقہ نہایت آسان ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ اِس پر عمل کرو۔ آہستہ آہستہ کچھ عرصہ مشق کرنے کے بعد تم ایک اچھے مُصوّر یا نقاش بن جاؤ گے۔ اور اپنی کتابوں۔ سکول کی بنچوں۔ دروازوں، پتّوں، پھُولوں اور دوسری چیزوں کی تصویریں کھینچنا تمہارے لئے معمولی بات ہو گی۔

گیان چند طالب

علم

تجھ سے ہوتی ہے حاصل تہذیب اور حکمت
عقل و ہُنر کی آنکھوں میں آئی ہے بصارت[1]
تنہائی کی وجہ سے دِل کو ہوتی جو وحشت
تیرے سبب سے اپنی خلوت[2] ہوتی ہے جلوت[3]
تیری بدولت ہم آج اپنے گھروں میں بیٹھے
واقف ہُوئے جہاں سے اے جان واقفیّت
تیرے سبب سے انساں انساں بنے ہُوئے ہیں
تُو نے انہیں سکھائی تہذیب اور حکمت
گنجینۂ ہُنر ہے مخزن[4] ہے علم و فن کا
کونین[5] میں ہے حاصل تیرے سبب سے عزّت
اِس لائق ہم کہاں تھے کہلائے جاتے انساں
تیری بدولت اِتنی آئی ہے قابلیّت
تجھ سے ہُوا ہماری آنکھوں میں نور پیدا
تجھ سے ہٹی جہاں سے تاریکیِ جہالت
تیری طلب[6] سے پہنچے مقصد کو تیرے طالب
تجھ سے کسی کو ہرگز پہنچی نہیں مضرت[7]
بے شک خلیلؔ دولت ہے علم ہی جہاں میں
کیا اس سے بڑھ کے دولت ہے اور کوئی دولت

محمد عبدالاحد خاں خلیلؔ

---

[1] بینائی [2] تنہائی [3] مجلس محفل [4] خزانہ [5] دونوں جہان [6] جستجو۔ تلاش [7] نقصان۔

وطن کی یاد

اس طرح آج اشکبار ہے کیوں — اے مرے دل تو بیقرار ہے کیوں
یاد کس کی تجھے رُلاتی ہے — کس کی فرقت تجھے ستاتی ہے
چند ہی روز میں یہ حالت ہے — لب پہ فریاد جاں پہ آفت ہے
کبھی آتا ہے دوستوں کا خیال — اور بڑھتا ہے میرا رنج و ملال
ہے شب و روز تیری یاد ہی بس — دل میں ہے تیرے دیکھنے کی ہوس
دل بہلتا نہیں یہاں زنہار — کوئی مونس نہ کوئی ہے غمخوار
دل بہت اس جگہ ہے گھبراتا — زندگی کا مزا نہیں آتا
چین دِل کو یہاں نہیں دم بھر — یاد ہے بس وطن کی شام و سحر
سخت آفت میں دل یہ میرا ہے — اس کو رنج و الم نے گھیرا ہے
دیس اپنا جو یاد آتا ہے — دردِ دِل اور بڑھتا جاتا ہے
ہم کہیں کس سے اپنا رازِ نہاں — ہے یہاں کون حال کا پرساں
جب مرا کوئی ہم خیال نہ ہو — کیوں مرے دِل کو پھر ملال نہ ہو

مجھ کو بھاتی نہیں ہے کوئی چیز
کوئی ہمدرد ہے نہ کوئی عزیزؔ

سیّد عبدالعزیز عزیزؔ نظامی

ایک عجیب خرگوش

کسی جنگل میں ایک خرگوش رہتا تھا۔ ایک روز صبح کے وقت درختوں کے جھنڈ میں لیٹے لیٹے اس کے دل میں یہ خیال گزرا۔ کہ اگر خدانخواستہ یہ زمین کسی نہ کسی روز دھس گئی تو پھر میرا کیا حال ہوگا۔ اتنے میں امرود کے درخت سے ایک پھل گرا۔ جس کی آواز سے خرگوش کے کان کھڑے ہوئے۔ اور وہ چونک پڑا۔ اور خوفزدہ ہو کر چلاتا ہوا بھاگا۔ "ارے اللہ زمین دھسنا شروع ہو گئی۔ زمین دھسنا شروع ہو گئی۔"

راستہ میں اس کو ایک اور خرگوش ملا۔ پوچھا کہ آج اتنے کیوں بدحواس ہو گئے ہو۔ خیر تو ہے۔ خرگوش نے بھاگتے ہوئے جواب دیا۔ "کچھ نہ پوچھو۔ ارے صاحب کچھ نہ پوچھو۔" یہ سن کر وہ خرگوش پیچھے دوڑا۔ اور پکڑ کر کہنے لگا "تمہیں میری جان کی قسم سچ بتاؤ۔ کہ کیا معاملہ ہے" خرگوش نے کانپتی ہوئی آواز سے کہا۔ "خدا کے لئے بھاگو جلدی بھاگو، زمین دھسنا شروع ہو گئی"۔ یہ سنکر دونوں خرگوش بڑی تیزی سے بھاگنے لگے۔ راہ میں اور خرگوش بھی ملے۔ جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ زمین دھس رہی ہے تو وہ بھی ان کے ساتھ بھاگنے لگے۔ غرض تھوڑی دیر میں ہزاروں خرگوش بھاگتے ہوئے نظر آئے۔ جنگل کے دوسرے جانوروں نے جب یہ وحشتناک خبر سنی، تو انہوں نے بھی ان کا

ساتھ دیا۔

اتفاق سے ایک شیر کا اس طرف گزر ہوا۔ جب اس نے ان سب کو بھاگتے ہوئے دیکھا، تو بڑے زور سے چلّا کر بولا۔ "ٹھہرو۔ ٹھہرو۔ مجھے بتاؤ کہ کیا معاملہ ہے سب جانور سہم کر تھم گئے۔ اور ان میں سے ایک نے بڑھ کر نہایت ادب سے سلام کیا۔ اور کہا۔" جہاں پناہ بڑا غضب ہوا۔ زمین دھسنا شروع ہو گئی۔ اب ہم سب پل کے پل میں تباہ ہو جائینگے۔" یہ سن کر شیر بولا۔" ایسا کون کہتا ہے، کس نے دیکھا ہے۔" اس نے جواب دیا۔ کہ" یہ خبر اونٹ کی زبانی سنی ہے۔" اونٹ کی طلبی کا حکم ہوا۔ جب وہ سامنے آیا، تو شیر نے ڈانٹ کر پوچھا۔" کیوں رے۔ بیوقوف، زمین کہاں دھس رہی ہے۔" اس نے جوابدیا۔ کہ" حضور یہ تو مجھے نہیں معلوم، کہاں۔ لیکن بہن لومڑی ایسا کہتی تھیں۔ جب لومڑی آئی تو اُس نے بھی اپنی لاعلمی ظاہر کی، اور جس سے یہ سنا تھا، اُس کا نام بتا دیا۔ ہوتے ہوتے میاں خرگوش کی باری آئی۔ ان سے بھی وہی سوال ہوا۔ جواب دیا کہ" خداوندِ نعمت اس خاکسار کی گنہگار آنکھوں نے خود زمین کو دھستے ہوئے دیکھا ہے۔ تھوڑی دیر میں سب زمین دھس جائیگی۔ اور ساری دنیا تباہ ہو جائیگی۔" یہ سنکر شیر نے کہا۔" اچھا! میرے ساتھ چل کر وہ جگہ بتاؤ۔" خرگوش شیر کو اسی مقام پر لے گیا۔ جہاں صبح کے وقت درختوں کے جھنڈ میں لیٹا ہوا تھا۔ اور دور سے کھڑا ہو کر بتانے لگا۔ کہ" سرکار، وہاں زمین دھس رہی ہے۔" شیر نے کہا۔" ڈرو نہیں قریب آکر بتاؤ۔ کس جگہ۔" خرگوش اور دو قدم پیچھے ہٹ کر بولا۔" حضور امرود کے درخت کے نیچے۔" جب شیر درخت کے نیچے پہنچا، تو اُسے

ایک پکّا امرود ملا سمجھ گیا اور اُس کو اُٹھا کر کہنے لگا۔ " زمین نہیں دھس رہی ہے۔ شاید اس نے تم کو چکر میں ڈالا ہے۔"

شیر فوراً واپس ہُوا۔ اور جا کر سب جانوروں سے کل واقعہ بیان کیا۔ اور کہا۔ خبردار جب تک کسی بات کی پوری تحقیق نہ کر لیا کرو، ایسی بیہودہ حرکت نہ کر بیٹھا کرو۔ ورنہ سوائے ندامت کے اور کچھ ہاتھ نہ آئیگا۔

سید محسن عباس

لطیفے

(۱)

ایک بُڑھیا ریل گاڑی میں سوار ہوئی جب گاڑی چلنے کا وقت آیا، تو اُس نے گارڈ سے پُوچھا کہ "راستہ میں گاڑی کہیں ٹکرائیگی تو نہیں۔"

گارڈ نے جواب دیا۔" نہیں امّاں! اطمینان رکھو۔ گاڑی کہیں نہیں ٹکراتی۔"

بُڑھیا نے کہا۔"ہاں بیٹا گاڑی کو احتیاط سے چلانا۔ میرے پاس دو درجن انڈے ہیں۔ ڈرتی ہوں، کہیں یہ ٹُوٹ نہ جائیں۔"

(۲)

مولوی صاحب لڑکوں کو سبق پڑھا رہے تھے۔ کسی لڑکے نے لفظ رُستم کو غلطی سے رُس مت پڑھ دیا۔ مولوی صاحب اپنی عینک سنبھال کر بولے۔" نالائق کہیں کا جاہل۔" حمیدؔ نے صحیح لفظ بتانے کے لئے ہاتھ اُٹھایا۔ مولوی صاحب امید بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر بولے۔" بتاؤ بیٹا تم" حمیدؔ نے جلدی سے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ اور گلا پھاڑ کر بولا۔" سُر تُم۔" مولوی صاحب نے جھنجلا کر کتاب پھینکدی۔ اور بگڑ کر بولنے لگے۔" سُر تُم سُر تُم جاؤ میں تُمہیں نہیں پڑھاتا۔

وعدہ

بچّو کرنا سچّا وعدہ سچّا وعدہ پکّا وعدہ
تم سے پُورا ہو نہ سکے جو عیب ہے کرنا ایسا وعدہ
ڈینگ میں آکر کر دیتے ہیں لمبا وعدہ چوڑا وعدہ
اب جو وفا کا وقت آ پُہنچا کہتے ہیں کس کا کیسا وعدہ
حشر کے دن ہو شاید پُورا وُہ جو کرتے ہیں کل کا وعدہ
وعدہ کرکے کہہ دیتے ہیں کیسا وعدہ کِس کا وعدہ
بچّو بات کے اپنی دھنی ہو وعدہ ہو تو پکّا وعدہ
وعدہ خلافی بدخصلت ہے کیوں کرے کوئی جھوٹا وعدہ
وعدے کی دو ہی قسمیں ہیں سچّا وعدہ جھوٹا وعدہ
جو وعدہ پُورا نہیں ہوتا کہتے ہیں اس کو جھوٹا وعدہ
وقت پہ جو پُورا ہو جائے کہئے اسی کو سچّا وعدہ
خیؔر تو پورا کرکے رہیں گے
یہ نہیں ایسا ویسا وعدہ

خیر رحمانی دربھنگوی

ہلالِ عید

ہاں، ہاں میری نگاہ کو بھی آگیا نظر
”بیٹی وہی نا؟ گنبدِ مسجد کی سیدھ پر؟

لو ختم آج ماہِ مُبارک بھی ہو گیا
جنّت ہے روزہ دار کو یہ چاندِ عید کا

روزے کرائے پُورے ضعیفہ کے اے خُدا
طاقت کہاں کہ شکر کروں مَیں ادا ترا

کر دے معاف میرے گناہوں کو کبریا
بہرِ جنابِ سیّدِ کونین مصطفےٰ

اس شرمسار کو نہ جہاں میں ذلیل کر
بخشش ہو میری روزِ قیامت میں دادگر

والی کو میرے جنّتِ فردوس کر عطا
رحمت میں قبر اُن کی چھپا لے تو اے خُدا

بچّوں کو میرے عیش جہاں میں نصیب ہوں
جنّت میں مصطفےٰ کے قدم سے قریب ہوں

ہاں عمر ہو دراز ضعیفہ کے لال کی
پُھولے پھلے جہاں میں یہ جوڑا ہنسی خوشی

ننھے شکیل پیاری شکیلہ کی خیر ہو
رکھ سبز میرے لال کے گھر کی بہار کو

لالوں سے میرے دُور رہے چشمِ بد سدا
ہوں نیک و خوش نصیب یہ دُنیا میں اے خُدا

خوش ہو کے میرے چاند بجاتے ہیں تالیاں
مارے خوشی کے گالوں پہ ہیں اُن کی لالیاں

بے چین کر رہی ہے عجب عید کی خوشی
اُٹھیں گے صبحِ عید کو وُہ کیا ہنسی خوشی

پہنیں گے کیسے شوق سے پھر عید کا لباس
آئینگے دوڑتے ہُوئے تیزی سے میرے پاس

قربان دادی جائیگی مکھڑوں کے نور پر
لے گی بلائیں پُھول سے گالوں کو چُوم کر

درگاہِ کبریا میں کرے گی یہ پھر دُعا
بچّوں کو میرے چین ہو کونین میں عطا

عید کا چاند
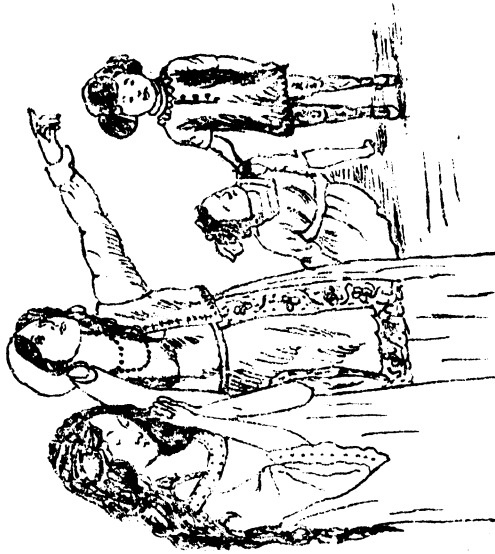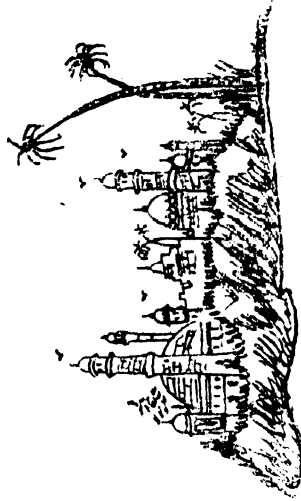
عقبےٰ میں نیک نام ہوں دُنیا میں ہوں سعید ہر شب شبِ برات ہو ہر روز روزِ عید

نیکی کی گودیوں میں یہ بے غم سدا رہیں سایہ میں والدین کے خُرّم سدا رہیں

ایسی ہزاروں عیدیں یہ دیکھیں خدا کرے گھڑیاں ہنسی خوشی کی ہی آئیں خُدا کرے

نیکی کا ان کی ایک زمانہ مرید ہو

ان کے لئے جہاں میں ہمیشہ ہی عید ہو رابعہ پنہاں

خلیفہ مامون کی فراست

مامون جب پانچ سال کا ہوا، تو بڑے اہتمام سے اس کی تعلیم شروع ہوئی۔ کسائی نحوی اور یزیدی قرآن پڑھانے کے لئے مقرر ہوئے۔ مامون کی عمر ہی کیا تھی۔ لیکن ذہانت کے جوہر ابھی سے چمک رہے تھے۔

کسائی کے پڑھانے کا طریقہ یہ تھا۔ کہ مامون سے پڑھنے کو کہتا اور آپ چپکا سر جھکائے بیٹھا رہتا تھا۔ مامون کہیں غلط پڑھتا تو فوراً کسائی کی نگاہ اُٹھ جاتی۔ اتنے اشارہ سے مامون سمجھ جاتا اور عبارت کو صحیح کرلیتا۔ ایک دن سورہ صف کا سبق تھا۔ کسائی اپنی عادت کے مطابق سر جھکائے سُن رہا تھا۔ جب مامون اِس آیت پر پہنچا جس کا ترجمہ یہ ہے۔ (اے ایمان والو، وہ بات کیوں کہتے ہو، جو کرتے نہیں) تو بے اختیار کسائی کی نظر اُٹھ گئی۔ مامون نے خیال کیا۔ کہ شاید مَیں نے آیت کے پڑھنے میں کچھ غلطی کی ہے۔ مگر پھر دوبارہ پڑھا تو

معلوم ہوا کہ صحیح پڑھی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد جب کسائی چلا گیا۔ تو مامون ہارون کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔ "اگر حضور نے کسائی کو کچھ دینے کے لئے کہا ہے تو ایفائے وعدہ فرمایئے۔" ہارون نے کہا۔ "ہاں اُس نے قاریوں کے لئے کچھ وظیفہ مقرر ہونے کی درخواست کی تھی۔ جس کو میں نے منظور بھی کیا تھا۔ کیا اُس نے تم سے بھی کچھ تذکرہ کیا۔"

مامون نے کہا۔ "نہیں"

ہارون نے کہا۔ "پھر تم کو کیونکر معلوم ہوا۔"

مامون نے اس وقت کا ماجرا بیان کیا۔ اور کہا۔ کہ خاص اس آیت پر کسائی کا دفعتاً چونک پڑنا بیوجہ نہیں ہوسکتا تھا۔

ہارون اپنے کم سن بیٹے کی اس فراست پر بہت متعجب اور خوش ہوا۔

عبدالستار خاں

لطیفے

۱ - ایک جاپانی ایک صاف ستھرے بورڈنگ میں رہتا تھا۔ اس نے ایک کاغذ پر "اپنا پاؤں صاف کر لیجئے" لکھ کر اپنے دروازے پر چسپاں کر رکھا تھا۔ ایک دوسرا جاپانی اس سے ملنے آیا۔ (جاپانی علی العموم صفائی پسند مشہور ہیں) اس کاغذ کو دیکھتے ہی اس کے تلوے کی آگ دماغ تک پہنچی۔ اور اس تحریر کے اُوپر "اس گھر سے نکلتے وقت" لکھ کر اُلٹے پاؤں واپس چلا آیا۔

۲ - ایک بڈھے میاں جن کے نہ مُنہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت اپنے ایک کمسن بھولے بچّے کو اپنے نوزائیدہ بچے کے پاس لے گئے۔ بھولے بچّے نے دیکھتے ہی پُوچھا۔ "ابّا جان اسے دیکھئے۔ اس کے مُنہ میں ایک دانت نہیں آخر اس کے دانت کیوں نہیں۔ اہا ہم سمجھے" "چھوٹے میاں بھی آپ ہی کے ایسے بڈّھے ہیں"

سری کرشن

سری کرشن ہے رہنما ہندوؤں کا — ہے گویا خدا با خدا ہندوؤں کا
وہ تصویر اس کی بٹھاتے ہیں دل میں — ہیں رکھتے اُسے اپنی آنکھوں کے تل میں
منوّر ہے جوں چاند ہو چودھویں کا — وُہی نور ہے آسمان و زمیں کا
چھپی اس کی آنکھوں میں سو بجلیاں ہیں — لبوں میں ہزاروں تبسّم نہاں ہیں
سُنہری مکٹ زیب دیتا ہے سر پر — جواہر ستاروں کی صورت منوّر
نہیں عیب اس چاند کے رُخ پہ گہنے — ہیں سُورج کی کرنوں کے ملبوس پہنے
جبیں ایسی خنداں ہوتی ہے نہ ہو گی — ضیا ایسی دیکھی سُنی ہے نہ ہو گی
عقیدہ ہے اپنی جگہ ہندوؤں کا — ہُوا تھا کبھی وہ یہاں جلوہ آرا
ہزاروں برس کی مگر بات ہے یہ — خدا کی پُرانی کرامات ہے یہ
وہی نقش ہے آج تک دل میں تازہ — اُسی پھول کی ہے مہک دِل میں تازہ
لبِ جو بجاتا رہا ہے وہ بنسی — فضا کو سُناتا رہا ہے وُہ بنسی
رہا ہے یہاں کے گوالوں میں شامل — ہُوا ہند کے خستہ حالوں میں شامل
دلاسا دیا سب کو ڈھارس بندھایا — غریبوں کو خوشحال کر کے دِکھایا
خدائی فدا اس کی بنسی پہ سب تھی — سری کرشن کی وہ ہم آہنگِ لب تھی
بہت خوب ہے اُس کا حسنِ دلارا — زباں کو نہیں اُس کے وصفوں کا یارا

ہیلن کیلر سات سال کی عمر میں

ہیلن کیلر اور جمبو

انگلستان کی کہانیاں

نونہال بھائیو! کونسا ایسا شخص ہوگا۔ جس نے اِنگلینڈ۔ اِنگلستان یا کم از کم لنڈن کا نام نہ سُنا ہو (عام لوگ اسے ولایت کے نام سے پُکارتے ہیں) وجہ یہ ہے کہ آجکل ہمارے مُلک پر انگلش یا انگریزی راج ہے۔ اور اس وجہ سے انگریزوں کو بچّہ بچّہ جانتا ہے بعض بھائی اس مضمون کو پڑھنے سے پہلے یہ سمجھیں گے کہ شاید میں برطانیہ کی تاریخ لکھ رہا ہوں۔ نہیں، بلکہ انگریزوں کی نو آبادیوں کی بابت لکھ رہا ہوں۔ کہ فلاں مُلک کب برطانیہ کے قبضے میں آیا، اور کیسے آیا۔ اگر یہ کہانیاں نونہالوں کو پسند آئیں، تو اِن کہانیوں کا سلسلہ بھی شروع کیا جائیگا۔

۱۵۵۸ء میں انگلستان کے تخت پر وُہ عالیشان ملکہ بیٹھی جس کا نام ہر شخص جانتا ہے جس کو الزبتھ کے نام سے لوگ یاد کرتے ہیں اس کے تخت انگلستان پر بیٹھتے ہی انگلستان کی ترقی کا زمانہ شروع ہوگیا۔ یہ ویلز کی بھی حکمراں تھی۔ جو تقریباً تین صدی قبل انگلستان میں شامل ہوگیا تھا۔ ملکہ نے تخت پر بیٹھ کر دیکھا کہ اسپین، پرتگال، فرانس، ڈنمارک اور ہالینڈ والوں (ہالینڈ والوں کو آگے چلکر ڈچ کے نام سے پُکارا جائیگا) میں سے جو کوئی جانتا ہے۔ امریکہ کی دولت (سونا چاندی جواہرات) سے مالامال واپس آتا ہے۔ اور اپنے مُلک کے لئے ایک نو آبادی قائم کرکے قیامت تک

کے لئے اپنا نام دنیا میں چھوڑ جاتا ہے۔ ملکہ نے سوچا۔ اگر میں بھی ایسا ہی کروں، تو کیا اچھا ہو۔ امریکہ کی دولت سے انگلستان بھی مالامال اور ایک آدھ ملک بھی مفت میں ہاتھ آ جاتے۔ چنانچہ اس نے ۱۵۸۲ء میں ایک بہادر جہازران سر ہمفری گلبرٹ کو روانہ کیا۔

سر گلبرٹ نے کیبٹ (یہ ایک سیاح تھا۔ جو اپنا جہاز لے کر ہنری ہفتم شاہ انگلستان کے عہد میں نکلا تھا۔ اس نے امریکہ کا رخ کیا۔ اور یہاں اتفاقیہ طور پر ۱۴۹۷ء میں جزیرہ نیوفاؤنڈلینڈ دریافت کر کے چلا آیا تھا۔ اور اس صلہ میں بادشاہ نے اس کو دس پونڈ انعام دیئے تھے) کا راستہ اختیار کیا۔ یہ اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ میں کیبٹ کی طرح نہ کرونگا۔ کہ زمین دریافت کر کے چھوڑ دی۔ بلکہ اس زمین کو اچھی طرح سے آباد کرونگا اور اسی غرض کے لئے اس نے اپنے ساتھ آدمی بھی رکھ لئے تھے۔ الغرض ۱۵۸۳ء میں اس کا جہاز ایک زمین سے جا لگا۔ تحقیقات کی، تو وہی جزیرہ نیوفاؤنڈلینڈ نکلا۔ اس کے معنی ہیں۔ "وہ زمین جو نئی دریافت ہوئی ہو"۔ چونکہ یہ نئی دریافت ہوئی تھی۔ اس لئے اس کا نام یہی رکھا۔ گلبرٹ نے فوراً انگریزی جھنڈا گاڑ دیا۔ اور آدمیوں کو وہاں آباد کرنے کے لئے اتار دیا۔ لیکن چونکہ اس جزیرے کی آب و ہوا بہت خراب تھی۔ اس لئے انگریزوں کو اسے بہت جلد چھوڑنا پڑا۔ اور یہاں رفتہ رفتہ بہت تھوڑے آدمی رہ گئے۔ چونکہ فرانسیسیوں کی نوآبادی قریب تھی، اس لئے ان کا کچھ کچھ اثر اس جزیرے پر ہو گیا۔ مگر مستقل طور پر نہیں۔ اور آخرکار یہ انگریزوں کا ہی ملک رہا۔ یہ انگریزوں کی سب سے پہلی نوآبادی ہے۔ جو ابھی تک ان کے ماتحت ہے۔

۱۶۰۳ء میں آئرلینڈ کے فتح ہونے
کے ایک سال بعد ملکہ کا انتقال ہوگیا۔ اس
نے تمام عمر شادی نہیں کی۔ چنانچہ اس کے بعد
اسکاٹ لینڈ جو صدیوں سے انگلستان کا
جانی دشمن چلا آتا تھا۔ انگلستان کے ماتحت
آگیا۔ اور اس تاریخ سے انگلستان اور اسکاٹلینڈ
کا حکمراں ایک ہونے لگا۔

۱۶۰۰ء میں لندن کے کئی سو تاجروں
نے یہ ارادہ کیا کہ ہندوستان کے ساتھ تجارت
کی جائے۔ اس لئے اُنہوں نے ایک کمپنی
"انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی" کے نام سے قائم
کی۔ اور الزبتھ سے اجازت مانگی۔ الزبتھ
نے اجازت دے دی۔ چنانچہ ۱۶۱۲ء میں
انہوں نے سورت میں کوٹھیاں بنوائیں۔
اور انگریزوں نے بھی منافع دیکھ کر کمپنیاں
بنالیں (جو ۱۷۰۰ء میں ملا کر ایک کر دی گئیں
اور اس کا نام "ایسٹ اِنڈیا کمپنی رکھا)

۱۶۲۰ء میں مچھلی پٹو میں بھی جہانگیر کے
زمانہ میں کوٹھیاں کھول لیں۔
ایک اور کمپنی نے سوچا کہ ہم افریقہ
سے تجارت کریں۔ چنانچہ اُنہوں نے ۱۶۱۸ء
میں افریقہ کے مغربی ساحل پر گیمبیا کے
ساحل پر کوٹھیاں بنالیں۔ مگر ان کی تجارت
کو کچھ ترقی نہ ہُوئی۔ اور بہت عرصے تک ان
کا یہی حال رہا۔ حالانکہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے
اس زمانہ میں بہت کچھ لے لیا۔ جو آگے چلکر
لکھا جائیگا۔

لطیفہ

ایک شوخ طبع نوجوان نے ٹریم پر سوار ہوکر
ٹکٹ کلکٹر کو ایک اکنّی دی کہ مجھے امریکہ کی ٹکٹ
دو۔ اس نے اکنّی لے لی۔ اور ٹکٹ دیکر کہا۔ کہ
جہانتک مَیں جاؤنگا، وہاں تک تو اسی ٹریم پر
چلے چلو۔ اس کے آگے ٹہلتے ہُوئے چلے جانا۔

اندھی بہری اور گونگی عورت

آج ہم "نونہال" بچّوں کا تعارف ایک ایسی ہستی کے ساتھ کرانا چاہتے ہیں، جو واقعی اس قابل ہے۔ کہ نہ صرف نونہال بچّے ہی بلکہ تمام ہندوستان کے بچّے اس سے واقف ہوں۔ پیشتر اس کے کہ ہم اُس اندھی، بہری اور گونگی عورت کے حالات زندگی مختصر طور پر نونہالوں کے سامنے پیش کریں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اُس کے نام اور جس حالت میں وہ زندگی بسر کر رہی ہے۔ اُس سے نونہال بچّوں کو روشناس کرائیں۔ اس عجیب و غریب عورت کا نام ہیلن کیلر ہے اس وقت اس کی عمر کم و بیش پینتالیس سال ہے۔ اور خُدا کی قُدرت دیکھو۔ کہ اگرچہ اندھی ہے۔ مگر دیکھ سکتی ہے۔ اگرچہ گونگی ہے۔ مگر بول سکتی ہے۔ اور اگرچہ بہری ہے مگر سُن سکتی ہے۔ تم حیران ہو گئے کہ یہ کیسے؟ ہم نیچے کی سطروں میں تمہاری حیرانی کو دُور کرنے کی کوشش کرینگے۔

ہیلن کیلر ۲۷۔ جون ۱۸۸۰ء کو شمالی امریکہ کے ضلع الاباما کے ایک چھوٹے سے گاؤں ٹسکمبیا میں پیدا ہوئی۔ اس کے بُزرگ سوئٹزرلینڈ سے ترکِ وطن کر کے اِس حصّہ میں مُدّتِ مدید سے آباد تھے۔ اس کا باپ امریکہ کی جنگ آزادی میں قومی فوج کا کپتان تھا۔ اُس کی والدہ امریکہ کے ایک معزز خاندان کی رکن تھی۔ ہیلن کیلر اپنے خاندان میں سب سے پہلی لڑکی تھی۔ اس لئے اس کی پیدائش کے موقع پر بہت خوشیاں منائی گئیں۔ اور چونکہ والدین کی چہیتی بیٹی تھی۔ اس لئے خاندان میں اس کا نام تجویز کرنے پر بہت کچھ اختلاف

ہُوا۔ اور یہ بتا دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اس کا باپ اپنے بزرگوں کے نام کی مناسبت سے اس کا نام رکھنا چاہتا تھا۔ اور اسی طرح اُس کی والدہ اپنے خاندان کے بزرگوں کی مناسبت سے اُس کا نام تجویز کرتی تھی۔ آخرکار والدہ کی جیت ہُوئی۔ اور والد کا تجویز کیا ہُوا نام نہ رکھا گیا۔

تمہارا خیال ہوگا۔ کہ عام لوگوں کی طرح ہیلن کیلر بھی بڑی ہوکر کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہُوئی ہوگی۔ اور اس کی وجہ سے اندھی اور گونگی بہری ہو گئی ہوگی۔ مگر نہیں ہیلن کیلر ابھی ڈیڑھ برس کی تھی کہ بخار میں مبتلا ہُوئی۔ بخار ایسا قیامت کا تھا کہ اُس کے اثر سے ہیلن کیلر کے معدے اور دماغ کا خون جم گیا ڈاکٹروں کا خیال تھا۔ کہ یہ لڑکی مر جائے گی۔ اس کے بعد بخار فوراً اُتر گیا۔ اور جب اس کا علم اس کے والدین کو ہوا، تو وہ بہت ہی خوش ہُوئے۔ مگر یہ کوئی نہ جانتا تھا کہ اگرچہ بخار اُتر گیا ہے۔ مگر لڑکی نہ تو آیندہ دیکھ سکیگی، نہ بول سکیگی۔ اور نہ سُن سکیگی۔

تم خود اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہو کہ جب اس کے والدین کو اس حادثے کا علم ہُوا ہوگا۔ تو اُس جگر خراش صدمے کے علاوہ جو کہ ایسے موقع پر ہونا لازمی ہے۔ اُنھوں نے اس کے علاج میں کونسا دقیقہ اُٹھا رکھا ہوگا۔ بلا شبہ انھوں نے ہیلن کے علاج و معالجہ کے لئے تمام امریکہ کو چھان مارا۔ یُورپ کے بڑے بڑے ڈاکٹروں سے مشورہ کیا، مگر فایدہ نہ ہُوا۔ اگر کچھ فایدہ ہُوا، تو یہ کہ بوسٹن کے ایک لائق ڈاکٹر نے بڑی تلاش کے بعد ہیلن کے لئے ایک اُستانی بھیجدی۔ جو کہ اندھوں اور گونگوں کو تعلیم دینے میں بہت مشہور تھی۔ ان اُستانی صاحبہ کا نام مس سلیون تھا۔ اس وقت ہیلن کی عمر تقریباً سات سال کی تھی، جب کہ

اُستانی صاحبہ آ ئیں۔

اب تم سوچ سکتے ہو کہ کیا یہ بات حیرت انگیز نہیں کہ ایک بالکل اندھی، گونگی اور بہری عورت عام انسانوں کی طرح لکھ سکے۔ ہر ایک چیز کو صرف انگلیوں سے محسوس کر کے اُس کی حقیقت پا لے۔ اور اسی طرح انگلیوں کی حرکت اور اشارے سے اپنا مطلب دوسرے کو سمجھا دے۔ فی الواقع جن حیرت انگیز طریقوں سے مس سلیون نے ہیلن کیلر کو ایسی تعلیم دی۔ ان کا سہرا انہی اُستانی صاحبہ کے سر ہے۔

نونہال بچے یہ سُن کر تعجب کریں گے کہ اس لڑکی نے اوائل عمر ہی میں کتنی ہی کتابیں تصنیف کیں، جس کی وجہ سے تمام ملک میں اس کی شہرت ہو گئی۔ جوں جوں عمر بڑھتی گئی اس کے علم اور شہرت میں بھی ترقی ہوتی گئی۔ مس سلیون نے نہایت محنت اور دلی محبت کے ساتھ اُسے پڑھایا۔ اور اُس کی تعلیم کو زندگی کے ہر شعبے کے لئے موزوں تر بنایا۔ اُسے تمام امریکہ کی سیر کرائی گئی۔ اور اُس نے ریل۔ جہاز، سمندر موٹر۔ ہوائی جہاز اور دوسری طرف نمائشیں، جلسے، تھیئٹر، گانا، موسیقی وغیرہ سب چیزوں کو عملی طور پر محسوس کیا۔ جس سے اُس کے علم میں اضافہ ہُوا۔ اور اب یہ حالت ہے کہ اُس کی ملاقات کو بڑے بڑے مصنّف، ایڈیٹر اور ڈاکٹر اپنے لئے فخر کا باعث سمجھتے ہیں ہیلن کیلر نے حال ہی میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "میری سرگزشت حیات" ہے۔ اس میں اُس نے اپنی زندگی کے حالات کو پورے طور پر اور تفصیل سے لکھا ہے۔ کتاب کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں اس میں وہ تمام خُوبیاں موجود ہیں، جو ایک کتاب میں ہونی لازمی ہیں۔ وہاں عبارت کی روانی اور شستگی، اور لفظوں کی موزونیّت کچھ ایسی ہے کہ پڑھنے والے پر اثر کئے بغیر نہیں رہتی۔ خاصکر اُس حصّہ

ہیں کہ جہاں وہ اپنی بیماری اور بیماری کے بعد اندھا، بہرا اور گونگا ہو جانے کا ذکر کرتی ہے بُخار کے بعد فوراً ہی جب بینائی جاتی رہی تو اپنی حالت کی اس اچانک تبدیلی کی وجہ سے جو اذیت اُسے پہنچی ہوگی ہم تم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ مگر جن لفظوں میں اُس نے اپنی اس حالت کو بیان کیا ہے۔ اُس کو پڑھنے سے اُس کی تمام حالت اور کیفیت کا نقشہ پڑھنے والے کی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اور بغیر دل پر اثر کئے نہیں رہتا۔ مثلاً ایک جگہ لکھتی ہے :-

"میرے دماغ میں اس بیماری کی تھوڑی بہت یاد اب تک باقی ہے۔ خصوصاً میری والدہ کی شفقت مادری، کہ جس کے جوش میں بیخود ہو کر وہ میری بیداری کے اذیت اور تکلیف سے بھرے ہوئے چند گھنٹوں میں مجھے بہلانے اور میٹھی میٹھی باتوں سے میرا دل خوش کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ مجھے اپنی والدہ کی وہ محبت بھری پریشانی، اور اضطراب بھی نہیں بھولا۔ جبکہ میں اپنی دیکھنے اور بولنے کی قوت کو کھو چکنے کے بعد گھبراہٹ اور بے چینی کی تھوڑی سی نیند لیکر جان توڑ تکلیف محسوس کرتی ہوئی جاگ پڑتی، اور اپنی پتھرائی ہوئی آنکھوں کو روشنی کی تلاش میں گھبراہٹ کے عالم میں دیوار کی طرف پھیر دیتی لیکن سوائے ان جلدی سے گزر جانے والے خیالوں کے باقی تمام باتیں ایک ڈراونا خواب معلوم ہوتی ہیں۔"

اس کے بعد ایک دوسری جگہ لکھتی ہے:-

"مجھے یاد نہیں، کہ مجھے کب یہ معلوم ہوا کہ میں دوسرے انسانوں کی طرح نہیں لیکن بہرصورت یہ بات مجھے اپنی اُستانی صاحبہ کے تشریف لانے سے پہلے معلوم ہو چکی تھی۔ میں نے معلوم کر لیا تھا کہ میرے ماں باپ اور

رشتہ دار بات چیت کرتے وقت اشاروں کا استعمال نہیں کرتے، جیسے کہ میں کرتی ہوں۔ بلکہ مُنہ سے بولتے ہیں۔ بعض اوقات میں دو آدمیوں کے درمیان کھڑی ہو جاتی، جو کہ آپس میں باتیں کر رہے ہوتے اور اُن کے ہونٹوں پر اپنی انگلیاں رکھ دیتی، اور اُن کی باتوں کو نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے غُصّے میں آجاتی۔ اس کے بعد خود ہونٹوں کو ہلاتی اور اُن کی طرح بات کرنے کی کوشش کرتی۔ مگر بے فایدہ۔ بعض اوقات بات کرنے کی کوشش میں ناکامیاب ہونے پر اس قدر غُصّے میں آجاتی، کہ آپے سے باہر ہو جاتی اور جھنجلا کر آس پاس کی چیزوں کو ٹھوکریں لگاتی۔ اور جب تھک کر چور ہو جاتی، تو رونا شروع کر دیتی۔"

غرض یہ تمام کتاب اس کی حیرت انگیز زندگی کے حالات سے بھری پڑی ہے۔ مگر تمہارے سامنے ہیلن کیلر کی زندگی کا یہ تھوڑا سا حال اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ تم اس کے اندھا بہرا اور گونگا ہونے پر رحم کھاؤ، یا اس کے ماں باپ اور رشتہ داروں سے ہمدردی ظاہر کرو۔ یا اُس کے لئے دُعا کرو کہ خداوند کریم اُسے آنکھیں، کان اور زبان دے۔ بلکہ اس لئے بیان کیا گیا ہے۔ کہ تم اس بات پر غور کرو۔ کہ جب اس درجہ محتاج لڑکی، جو کہ نہ سُن سکتی، نہ دیکھ سکتی اور نہ بول سکتی ہے۔ اسقدر ترقی کر جائے کہ تمام دُنیا میں مشہور ہو جائے اور لوگ اُس سے ملاقات کرنے کو فخر کا باعث خیال کریں، تو پھر تم جو کہ آنکھیں، کان اور زبان رکھتے ہو اور خدا کے فضل و کرم سے تندرست بھی ہو کیوں نہ ترقی کی طرف قدم بڑھاؤ۔ اور خود لائق و فاضل بنکر اپنی قوم و ملک کی بہتری کی تدبیریں سوچو۔

خُدا کرے کہ ہیلن کیلر کا یہ مختصر افسانہ تمہارے لئے ترقی کی راہ میں چراغ ثابت ہو۔

رُباعیات

(۱)

معرفت تیری کس کو حاصل ہے
حمد کا تیری کس کو یارا ہے
شان تیرے کمال صنعت کی
ذرّے ذرّے سے آشکارا ہے

(۲)

کون کہتا ہے آدمی اس کو
دِل میں جس آدمی کے درد نہیں
مردِ میداں کو مرد کہتے ہیں
مردِ میداں نہیں تو مرد نہیں

(۳)

کوئی تجھ کو اگر بُرا کہہ دے
اُس کے کہنے سے تُو نہ مان بُرا
غور سے دیکھ اپنے آپ کو تُو
ہو کہیں سچ نہ یہ گمان بُرا

(۴)

پتّے پتّے پہ ہے ترا فرماں
ذرّے ذرّے پہ حکم جاری ہے
آسماں پر تری حکومت ہے
رُعب تیرا زمیں پہ طاری ہے

(۵)

باد و باراں و برق و شمس و قمر
رات دِن اپنے کام میں مصروف
تو بھی زندوں میں ہے تو سُست نہ بیٹھ
زندگانی عمل پہ ہے موقوف

(۶)

راز تیرا سمجھ سکا نہ کوئی
فلسفی چُپ ہیں انبیاء بھی چپ
تھک گیا جب سخن طرازی سے
ہوگیا میرِ خوشنوا بھی چُپ

میر ولی اللہ

شہد کی مکھّی اور گھریلو مکھّی

کسی مکان کے ایک کونے میں ایک گھریلو مکھّی بھنبھناتی اور اپنے دل سے یہ باتیں کرتی ہوئی اِدھر اُدھر اُڑتی پھر رہی تھی۔" آہ ! میں کیسی خراب زندگی بسر کر رہی ہوں۔ تمام دن اس تنگ جگہ میں اُڑتے پھرنا۔ نہ کوئی نیا کام، نہ کوئی انوکھی بات۔ کوڑے کرکٹ پر بیٹھنا میلے کچیلے برتنوں کو چاٹنا۔ اس پر بھی اطمینان نصیب نہیں۔ ذرا کہیں دو گھڑی بیٹھی، فوراً کسی نے جھاڑو یا رومال جھٹک کر اُڑا دیا۔ ہر وقت جان کا خطرہ الگ۔ ابھی دن ہی کا ذکر ہے کہ میں اپنی کچھ بہنوں کے ساتھ ایک برتن پر بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک لڑکے نے اس زور سے کپڑا مارا کہ وہ بیچارے سب وہیں کی وہیں رہ گئیں۔ اور میں مرتے مرتے بچی۔

میں اب اس زندگی سے اکتا گئی ہوں۔ مجھے چاہیے کہ اب کوئی اور طرزِ رہائش اختیار کروں وہ اس قسم کے خیالات سوچتی ہوئی ذرا اُوپر اُڑی۔ چھت پر نظر پڑی تو دیکھا کہ ایک شہتیر کے ساتھ بہت سی مکھیوں کا جمگھٹا ہے۔ آہا ! یہاں تو کوئی نہایت ہی مزیدار کھانے کی چیز لگی ہوئی ہے۔ اسی لئے اسقدر مکھّیاں جمع ہیں۔ چلو میں بھی اس کا ذائقہ چکھتی جاؤں وہ یہ کہکر اس جمگھٹے کے قریب پہنچی ہی تھی کہ ان میں سے ایک مکھّی نے اس کی طرف گھور کر دیکھا اور نفرت سے چلّا کر بولی" اری اندھی ہے۔ آگے آگے بھاگی چلی آ رہی ہے؟ جان کی خبر نہیں کیا؟ یہ سُن کر گھریلو مکھّی کو سخت تعجب ہوا لیکن وہ سمجھ نہ سکی۔ کہ جب اتنی مکھیاں ایک جگہ

جمع ہیں اسے وہاں سے کیوں روکا جا رہا ہے
وہ ذرا اور آگے بڑھی، اس پر اس دوسری
مکھی نے اسے اور بھی زیادہ سخت الفاظ سے
برا بھلا کہا۔ آخر گھریلو مکھی کہنے لگی۔ "کیوں
بہن میں نے کیا گناہ کیا ہے۔ جو مجھے اس
دعوت سے روکا جا رہا ہے تم میں کیا خوبی
ہے۔ جو اکیلی ہی اس دعوت کا لطف اٹھاؤ۔"
یہ سنکر دوسری مکھی ہنسنے لگی۔ اور جواب دیا۔
" اری احمق کس کی دعوت اور کیسا کھانا۔
دیکھتی نہیں کہ ہم سب شہد کی مکھیاں ہیں۔
اور یہ ہمارا چھتہ ہے۔
گھریلو مکھی۔" چھتہ کیا کوئی بہت اچھی کھانے
کی چیز ہے؟ اور کیا اس کے لئے شہد کی
مکھیوں ہی کا حق ہے؟"
شہد کی مکھی۔" پھر وہی کھانے کی باتیں۔ اری
بیوقوف یہ ہمارا گھر ہے۔ اس میں ہم بچے
دیتی ہیں۔ اور ان کے لئے خوراک جمع کرتی ہیں"

گھریلو مکھی۔" خوراک کیسے جمع کرتی ہو، اور کہاں
سے لاتی ہو؟"
شہد کی مکھی۔" وہ خوراک شہد ہے جو نہایت
ہی میٹھا اور مزیدار ہوتا ہے۔ ہم اسے پھولوں
میں سے نکال کر لاتی ہیں۔ اور چھتے میں
چھوٹے چھوٹے خانے بنا کر ان میں بھرتی جاتی
ہیں۔ اسے ہمارے بچے کھاتے ہیں۔ اور جب
کبھی باغ میں پھول نہیں ہوتے، اور ہم اپنے
لئے کہیں باہر سے خوراک حاصل نہیں
کر سکتیں تو یہ جمع کیا ہوا شہد ہمارے بھی
کام آتا ہے۔"
گھریلو مکھی۔" لیکن پھولوں میں شہد کہاں
ہوتا ہے؟"
شہد کی مکھی۔" میرے پاس اتنا وقت نہیں
کہ تیرے ساتھ بیٹھی فضول باتیں کئے جاؤں
آجکل بہار کی رُت ہے۔ باغوں میں رنگا رنگ
کے بے شمار پھول کھلے ہوتے ہیں اس لئے

ہمیں آجکل سخت کام ہے۔ یہی موسم ہے، کہ جس میں ہم کثرت سے شہد جمع کرسکتی ہیں۔ آ میرے ساتھ چل میں تجھے دکھاؤں کہ پھولوں میں شہد کہاں ہوتا ہے۔"

یہ کہکر دونوں مکھیاں باغ کی طرف اُڑیں۔ راستے میں گھر یلو مکھی کہنے لگی۔ بہن تم شہد کی مکھیاں بڑی خوش نصیب ہو۔ کیسی اچھی زندگی گزارتی ہو۔ دن رات باغوں کی سیر کرنا۔ پھولوں پر بیٹھنا اور شہد کھانا۔ کیا ہی بہتر ہو اگر تم مجھے بھی اپنی قوم میں شامل کرو۔

شہد کی مکھی۔" ہمیں کوئی انکار نہیں بشرطیکہ تم ہماری طرح محنت مشقت کی عادی ہو جاؤ۔ تم جانتی ہو کہ ہمارے یاں بیکاروں کا کام نہیں۔ ہماری اپنی قوم کی بہت سی مکھیاں جو کام نہیں کرتیں اور نکھٹو کہلاتی ہیں ہم انہیں بھی اپنے قبیلے سے نکال دیتی ہیں اور بعض اوقات جان سے مار دیتی ہیں۔ ہمارے ہاں صرف ملکہ مکھی کام سے بری ہے۔ وہ بھی اِس لئے کہ وہ تمام دِن انڈے دیتی ہے۔ وگرنہ ہم اسے بھی بیکار نہ بیٹھنے دیں۔ ہماری قوم میں ملکہ مکھی کے سوا باقی صرف کام کرنے والیوں کی ہی قدر و عزت ہے۔ اور انہیں ہی ہر طرح کی طاقت اور اختیار حاصل ہے۔"

یہ باتیں کرتی ہوئی دونوں مکھیاں باغ میں پہنچ گئیں۔ شہد کی مکھی نے گھر یلو مکھی کو پھول کے درمیان ایک خاص جگہ اشارہ کرکے کہا۔" لو دیکھو یہاں شہد ہے۔ ان باریک چھوٹے چھوٹے ڈنٹلوں میں جہاں جہاں مٹھاس معلوم ہو، اُسے چوس چوس کر نکالتی جاؤ۔ یہ کہکر وہ خود بھی ایک پھول میں سے شہد نکالنے میں مصروف ہوگئی۔ لیکن گھر یلو مکھی، جس کے دماغ میں گندی نالیوں اور کوڑے کرکٹ کی بدبو بسی ہوئی تھی، اور جس کی زبان میں میلی کچیلی اور سڑی ہوئی چیزوں

کا ذائقہ رچا ہوا تھا۔ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو اسے اسقدر سخت اور ناگوار معلوم ہوئی کہ اسے وہاں ایک دم کے لیئے ٹھہرنا بھی دوبھر ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد جب شہد کی مکھی اپنی دونوں تھیلیاں شہد سے بھر کر اس کے آس پاس آئی اور پوچھنے لگی "کیوں بی کچھ ملا" تو وہ سخت جھلّا کر بولی "خاک ملا۔ خواہ مخواہ مجھے یہاں لاکر خراب کیا۔ مَیں ایسے شہد سے باز آئی۔ جہاں سے مجھے لائی ہے وہیں لے چل میرے لیئے وہی جگہ اچھی ہے" یہ سُن کر شہد کی مکھی نے جواب دیا۔ اری بدنصیب تو اس کام کے قابل ہی نہیں۔ تجھے قدرت نے وہ سامان ہی نہیں دیئے۔ کہ جن سے تو شہد پیدا کرسکے۔ نہ ہی تیرے پاس کوئی ایسی چیز ہے کہ جس میں شہد بھر کر لے جاسکے۔ تو تو صرف میل چاٹنے کے ہی قابل ہے۔ جا اُسی طرح اپنے کوڑے کرکٹ پر بھنبھناتی پھر۔

پیارے نونہالو! تم میں سے وہ بچّے جو جہالت اور بے علمی کے کوڑے کرکٹ اور میل کچیل پر بھنبھناتے پھر رہے ہیں، وہ گھر بلو مکھّی کی مانند ہیں۔ اور وُہ بچّے جو علم و فن کے سدابہار پھولوں سے عقل و دانائی کا شہد نکالتے ہیں۔ شہد کی مکھّی کے مشابہ ہیں۔ لیکن خُدا نے گھر بلو مکھّی کو ایسے سامان نہیں دیئے کہ وہ شہد کی مکھّی بن سکے۔ مگر تمہیں اللہ میاں نے ایسی طاقت ایسی عقل اور ایسا دل و دماغ بخشا ہے۔ کہ اگر تم اپنی حالت کو سدھار کر شہد کی مکھّی کی مانند بننا چاہو تو بن سکتے ہو بشرطیکہ تمہارے دل میں شوق۔ تمہارے خیالات میں بلندی اور تمہارے ارادے میں ہمّت ہو۔

محمد شریف شرقی

شہتوت

آکے شہتوت کے سایہ میں مسافر دم لے
دھوپ کے جھیل چکا ہے تو بہت سے حملے
چھاؤں شہتوت کے پتّوں کی ہے ٹھنڈی ٹھنڈی
جس میں دم لینے سے ہو جسم کی گرمی ٹھنڈی
مَیں اسی راہ سے سردی میں ہوں گزرا اک بار
جب پھلوں کی تھی نمود۔ اور نہ پتّوں کی بہار
پتّے جھڑ کر نظر آتی تھیں یہ شاخیں ننگی
دیکھتا تھا مَیں یہ قدرت کی عجب نیرنگی
اس زمانہ میں عجب تھا یہ درختِ شہتوت
جیسے چہرہ پر ملا ہو کسی جوگی نے بھبوت
کونپلیں پھر نکل آئی ہیں جب آئی ہے بہار
رنگ آنکھوں میں کھبا جاتا ہے ان کا ہر بار
سبز پتّوں کی ہے چھتری سی عجب چھائی ہوئی
ساتھ پتّوں کے پھلوں کی ہے بہار آئی ہوئی
مثل کمخواب کے اُوپر سے ہیں چکنے پتّے
کھُردرے نیچے سے ہوں شہد کے جیسے چھتّے
سبز کاہی ہے۔ جو ہر پتّے نے پہنی ہے قبا
حاشیے دیکھئے اس کے۔ تو ہیں دندانہ نما
ریشمی سر پہ ترے ہے جو مسافر! دستار
جانتا ہے کہ یہ کس طرح ہوئی ہے تیار
پتّے شہتوت کے ہیں ریشمی کیڑوں کی غذا
جب وہ کھاتے ہیں انہیں تو اُنہیں آتا ہے مزا
ٹوٹ کر گرتے ہیں کس شوق سے وہ پا کے انہیں
کویہ ریشم کا بناتے ہیں وہ پھر کھا کے انہیں
یہی ریشم ہے۔ امیروں کے جو کام آتا ہے
اسی پوشاک کا جنّت میں بھی نام آتا ہے

اے مسافر! ہیں یہ شہتوت کے پھل ذائقہ دار

اُودے اُودے جو تر سے سر پہ گرے ہیں دو چار
قدرداں ان کے ہمیں تم ہیں کہ جنگل ہے یہاں
ہوتے بستی میں تو پھر دیکھتے تم اور سماں
اس کے نیچے نظر آتی تمہیں لڑکوں کی قطار
لوٹتے آ کے وہ اس میوۂ شیریں کی بہار
ڈالیاں اس کی پکڑ کر وہ ہلاتے پیہم
مزے لے لے کے وہ کھاتے انہیں اور دیکھتے ہم
پھل وہ سب چھانٹ کے شہتوت کے کھاتے اُودے
ہونٹ اور ہاتھ سب اُن کے نظر آتے اُودے
بعض اُودے ہیں مگر بعض ہیں پیلے شہتوت
کیا ہی قدرت نے بنائے یہ رسیلے شہتوت
گھولے شربت شہتوت کو پانی میں اگر
پھر اُسے پیجیے برفا کے تو ٹھنڈا ہو جگر
سچ تو یہ ہے کہ یہ میوہ ہے عجب ذائقہ دار
آگے اس میوہ کے مصری کا نہیں کوئی شمار
لذتِ بادۂ کوثر ہے تو شہتوت میں ہے
شہدِ جنت کا مزا گر ہے تو شہتوت میں ہے
لے چکا سایۂ شہتوت میں آرام بہت
چل مسافر! کہ ہیں درپیش تجھے کام بہت

مولانا وحیدالدین سلیم

لطیفے

۱۔ دو جولاہے کشتی میں سوار تھے۔ کشتی طوفان میں آ گئی۔ ایک بولا: "ایسا نہ ہو، کشتی ڈوب جائے۔"
دوسرے نے جواب دیا "ڈوب جائے، تو ہماری بلا سے کشتی ڈوبنے کا غم کشتی والوں کو ہونا چاہیے نہ کہ ہمیں تمہیں"

۲۔ ایک جیب کترا گرفتار ہو کر حاضرِ عدالت کیا گیا۔ اس نے مجسٹریٹ سے کہا کہ "میرا وکیل بیمار ہے۔ ایک ہفتہ کے لیے مقدمہ ملتوی کیا جائے"
مجسٹریٹ۔ "تم تو ایک شریف آدمی کی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے پکڑے گئے۔ اب تمہارا وکیل صفائی میں کیا کہیگا"
جیب کترا۔ "جی ہاں یہی تو ہے جس کی مجھے حیرت ہے اور میں اس کو معلوم کرنا چاہتا ہوں"

تندرستی کیونکر حاصل ہوسکتی ہے؟

کسی زمانہ میں ایک راجہ تھا، جو بیمار ہونے سے بہت ڈرتا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے محل کی کھڑکیوں کو بند رکھتا تھا۔ اور کبھی محل سے باہر نہ نکلتا تھا۔ باوجود اسقدر احتیاط کے اُس کی صحت اچھی نہ تھی۔ ایک دن اس نے اپنے وزیر سے کہا "میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ باوجود اس کے کہ مَیں نہایت اچھی غذائیں کھاتا ہوں، روزمرّہ کپڑے اور جوتے تبدیل کرتا رہتا ہوں، اور مَیں کبھی اپنے پاؤں پانی سے نہیں بھیگنے دیتا۔ جب سرد ہوا چلتی ہے تو مَیں نہایت گرم کپڑے پہن لیتا ہوں لیکن پھر بھی میری صحت درست نہیں، کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ اس کا سبب کیا ہے؟"

وزیر نے عرض کیا "حضور والا! مَیں اس کا جواب آپ کو دے سکتا ہوں۔ بشرطیکہ جناب میرے ساتھ تکلیف گوارا فرماکر تفریح کے لئے جنگل میں تشریف لے چلیں" راجہ وزیر کے کہنے کے مطابق چلنے پر آمادہ ہوگیا۔ وزیر راجہ کو ایک گڈریا کے پاس لے گیا، جو اپنی بھیڑوں کو پہاڑوں میں چرا رہا تھا۔ گڈریا نہایت غریب تھا۔ اُس کے جسم پر بجز ایک لنگوٹی کے اور کچھ نہ تھا، نہ اُس کے پیروں میں جوتے تھے۔

وزیر نے راجہ سے کہا "جناب آپ نے اس گڈریا کو دیکھا، یہ کبھی بُخار وغیرہ میں مبتلا نہیں ہوتا۔ حالانکہ وہ کوئی خاص احتیاط نہیں کرتا، بجز لنگوٹی کے وہ اور کوئی کپڑا نہیں پہنتا لیکن وہ تمام رات انہیں کپڑوں میں پہاڑوں میں گزار دیتا ہے۔"

راجہ گڈریا کے پاس گیا اور پُوچھا۔

"کیا تم کبھی جاڑے اور بخار میں مبتلا نہیں ہوتے؟ میرا وزیر کہتا ہے۔ کہ تم اسی طرح رات بھی پہاڑوں میں گزارتے ہو۔"

گڈریے نے جواب دیا۔" جی ہاں وُہ درست کہتے ہیں۔ مجھے کبھی جاڑا بخار نہیں آیا۔ میرا باپ بھی ہمیشہ بیماریوں سے محفوظ رہا۔ البتہ ضعیفی کے عالم میں اُسے کھانسی ہوگئی تھی لیکن ابتک میں قطعی طور پر تندرست رہا ہوں۔"

راجہ کو بڑا تعجب ہُوا اور اس نے اپنے وزیر سے مخاطب ہو کر کہا۔" مجھے حیرت ہوتی ہے کہ دُنیا میں اس قسم کے لوگ بھی موجود ہیں"

وزیر نے جواب دیا۔" یہ تو کوئی تعجب کی بات نہیں، آپ اس کا امتحان کر سکتے ہیں۔ گڈریا کو آپ اپنے گرم محل میں کچھ دن رکھئے۔ اچھی پوشاک پہننے کو دیجئے۔ مرغن غذائیں کھلوائیے محل کی کھڑکیاں بدستور بند رہیں، پھر آپ دیکھیں گے کہ ایک ہی ہفتہ میں غریب گڈریا بیمار پڑ جائیگا۔"

چنانچہ راجہ نے ایسا ہی کیا۔ ایک ہفتہ میں گڈریا بیمار پڑ گیا۔ اور گھبرا کر محل شاہی سے پھر جنگل چلا گیا۔ وزیر نے راجہ سے کہا۔ آپ نے مشاہدہ کیا؟ گڈریا کچھ ہی دنوں میں بیمار ہو گیا۔ اس میں ذرا کلام نہیں کہ آپ کا محل صحت کے لئے مضر نہیں ہے۔ لیکن آپ کے اصول مضر صحت ہیں۔ تندرستی اچھی غذاؤں اور زرق برق کپڑوں میں نہیں ہے۔ انسانی زندگی کے لئے صاف ہوا لازمی ہے۔ محل کی کھڑکیاں ہر دم کُھلی رہنی چاہئیں سادہ اور ہلکی غذا بہترین غذاؤں میں سے ہے شام کے وقت تفریح کے لئے جنگل جانا تندرستی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اگر آپ ان اصولوں پر کاربند ہو جائیں، تو پھر یقیناً آپ بیمار نہ رہیں گے۔

ہُشام میرٹھی

سارنگی والا

چوہدری صاحب! اِن مردود چوہوں نے ہماری زندگی وبالِ جان کردی۔ قحط کی وجہ سے کھیتوں میں کچھ نہ مِلا۔ تو گاؤں میں آگئے۔ گھروں کا اناج ختم ہوا، تو اب ہمارے دسترخوان پر حملے کرنے سے نہیں گھبراتے۔ خدا کی مار دیکھتے دیکھتے سامنے رکھی ہوئی چیز اُٹھاکر، ہاتھ سے نوالا چھین کرلے جاتے ہیں۔ آپ گاؤں کے بڑے آدمی ہیں کچھ علاج کیجئے۔"

چوہدری۔ "علاج کروں؟ آخر میں بھی تم جیسا آدمی ہوں۔ اسی گاؤں میں رہتا ہوں۔ جس میں تم رہتے ہو۔ ان چوہوں نے میرا بھی ناک میں دم کردیا ہے۔ کوئی تدبیر نہیں سوجھتی، کوئی علاج نظر نہیں آتا۔"

(یہ باتیں کر رہے تھے کہ باہر سے سارنگی کی آواز آئی)

ایک دیہاتی۔ "سارنگی والا آیا۔ گانا سنو اور خوش رہو۔ کھانے کا وقت آئیگا، تو چوہوں کے حملوں سے محفوظ رہنے کی تدابیر سوچنا۔"

دوسرا۔ "خوب یاد آیا۔ یہ آدمی بہت دانا ہوتے ہیں۔ اس سارنگی والے سے پوچھو۔ اگر یہ ہمیں اس عذاب سے رہا کرسکے۔"

چوہدری۔ "کیوں حکیم جی۔ ہمارے گاؤں میں چوہے بہت ہیں۔ کیا آپ ہمیں کوئی علاج بتا سکتے ہیں۔ جس سے یہ گاؤں چھوڑ کر بھاگ جائیں۔"

سارنگی والا۔ "ہاں! ہاں!! میں تمہارا گاؤں

ان چوہوں سے خالی کر سکتا ہوں۔ مگر اس کے معاوضہ میں مَیں ایک سو روپیہ لونگا۔"

سب کی متفقہ آواز۔ "ایک سو؟ ہم دو سو روپیہ دینے کو تیار ہیں۔"

(۲)

تنا نانا۔ تنا نانا تن تن تن۔ تنن تنن تنا

سارنگی والے نے سارنگی بجانا شروع کی آواز اسقدر دلکش تھی اور کچھ ایسا جادو اس میں تھا کہ اس کی آواز سُننے کو ایک چوہا بھاگ کر سارنگی والے کی طرف آیا۔ اس کے بعد دوسرا تیسرا، چوتھا۔ رفتہ رفتہ چوہوں کا ایسا تانتا بندھا کہ سارے گاؤں کے چُوہے گلی کوچوں میں سارنگی والے کے گرد آموجود ہُوئے۔

سارنگی والے نے دیکھا کہ اب کوچوں میں چوہوں کے لئے جگہ نہیں اور ابھی اور چُوہے آرہے ہیں۔ تو اس نے آہستہ آہستہ گاؤں سے باہر کی طرف قدم بڑھایا۔ باہر آیا تو دریا کی طرف چل دیا۔ دریا کے کنارے کے پاس جاکر کھڑا ہوگیا۔ اور سارنگی کو بجاتا رہا۔ چُوہے سارنگی کی آواز پر اتنے مست ہو چکے تھے۔ کہ وہ نہ ٹھہرے، اور سب کے سب دریا میں ڈُوب کر مر گئے۔

(۳)

گاؤں والے یہ واقعہ دیکھ کر بہت خوش ہُوئے۔ مگر جب روپیہ کی ادائیگی کا سوال آیا تو سب نے انکار کر دیا۔ سارنگی والے نے کہا۔ "آخر جناب آپ کا اس انکار سے مطلب؟"

ایک دیہاتی۔ "تم یہ بتاؤ۔ کہ دو سو روپیہ ہم سے کیوں مانگتے ہو۔"

سارنگی والا۔ "کیوں مانگتا ہوں؟ کیا تم نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا کہ مَیں چوہوں کو نکال دُوں، اور تم مجھ کو دو سو روپیہ دو گے۔"

دوسرا۔ "ہم کیا بیوقوف ہیں کہ اس چھوٹے سے

وحدت میں کثرت ہے بزمِ فطرت
اللہ رے صنعت اللہ رے قدرت
سرسبز یکسر صحنِ چمن ہے

خوش کن نظارا ہے آشکارا
ہر سین پیارا آنکھوں کا تارا
سرسبز یکسر صحن چمن ہے

کیا زندگی ہے کیا تازگی ہے
لب پر ہنسی ہے دِل میں خوشی ہے
سرسبز یکسر صحن چمن ہے

ہیں ڈالیوں پر کیا کیا گُلِ تر
بادِ مُعطّر چلتی ہے اکثر
سرسبز یکسر صحن چمن ہے

گلشن میں جائیں کھائیں ہوائیں
گائیں بجائیں خوشیاں منائیں
سرسبز یکسر صحن چمن ہے

پُورن سنگھ ہُنر

بچّوں کیلئے نہایت ہی دِلکش اور سبق آموز کتابیں

فطرت نگار سُدرشن صاحب کے قلم جادُو رقم سے

پارس } نہایت ہی دِلکش اور دلچسپ کہانیاں ہیں جنہیں بچّے بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ اخبارات و رسائل نے اس پر بہت زبردست ریویو کئے ہیں۔ اس میں تین رنگدار تصویریں بھی ہیں۔ صاحب ڈائرکٹر بہادر نے اسے زائد ریڈر منظور کیا ہے۔ قیمت ۶ر حصّہ دوم ۹ر ✣

بچّوں کے لئے رامائن } ہندوؤں کی مشہور کتاب رامائن کا نام کس نے نہ سُنا ہوگا۔ مگر بچّوں کیلئے آسان عبارت میں کوئی **رامائن** آجتک نہ لکھی گئی تھی۔ اس کمی کو پنجاب کے مشہور ادیب فطرت نگار فسانہ نویس جناب **سُدرشن** صاحب نے پُورا کر دیا ہے۔ اور بچّوں کے لئے رامائن لکھ دی ہے۔ سکی زبان بڑی آسان اور مزیدار ہے۔ اس میں کئی رنگدار تصویریں بھی ہیں۔ اور صاحب ڈائرکٹر بہادر سررشتہ تعلیم پنجاب نے اسے سرکلر نمبر ۱ سیریل نمبر ۱۱۰۸۹ بی مجریہ ۱۵۔ ستمبر ۱۹۲۴ء کی رو سے انعام اور لائبریریوں کیلئے منظور فرمایا ہے ۱۲ر

بچّوں کیلئے مہابھارت } رامائن کے بعد لوگوں کا تقاضا تھا کہ مہابھارت تیار کرو۔ چنانچہ فطرت نگار **سُدرشن** نے بچّوں کے لئے آسان عبارت میں یہ کتاب بھی تیار کر دی ہے بڑی آسان عبارت ہے۔ اور کئی رنگدار تصویریں بھی ہیں۔ قیمت (۱۴ر) ✣

امرت } اس کتاب میں ایسی مزے کی کہانیاں ہیں کہ بچّے پڑھ کر ناچنے لگجاتے ہیں۔ اگر کہانیوں کے سلسلے میں بچّوں کو اخلاق کے سبق سکھانے ہوں تو اُنہیں یہ کتاب دیدیجئے۔ اس میں بھی رنگدار تصویریں ہیں۔ پانچویں چھٹی جماعت کیلئے بہت اچھی کتاب ہے۔ قیمت (۸ر)

دُنیا کے عجائبات } اس کتاب میں قدیم دُنیا کے سات عجائبات کا بڑا ہی پُرلطف بیان ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتوں عجائبات کی تصویریں بھی ہیں۔ صاحب ڈائرکٹر بہادر نے اس کتاب کو بھی سرکلر نمبر ۱ سیریل نمبر ۱۱۰۸۹ بی مجریہ ۱۵۔ ستمبر ۱۹۲۴ء کی رو سے لائبریریوں اور انعام کے لئے منظور فرمایا ہے۔ قیمت (۸ر)

رُستم و سہراب } یہ شاہنامہ کا مشہور قصّہ ہے۔ جسے فطرت نگار **سُدرشن** صاحب نے بچّوں کے لئے آسان زبان میں لکھا ہے۔ اور حق تو یہ ہے کہ لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اور جگہ بہ جگہ اس

قصّہ سے جو سبق ملتے ہیں، وہ بھی نکال کر دکھائے ہیں۔ اور ایسی خوبی سے کہ پڑھ کر جی خوش ہو جاتا ہے لکھائی چھپائی بڑی صاف ہے۔ اور تین رنگدار تصویریں ہیں۔ قیمت آٹھ آنے (۸/) ◆

پھول وتی ایک لڑکی ہمیشہ سچ بولتی تھی اور کبھی جھوٹ نہ بولتی تھی۔ اس پر بڑی بڑی مصیبتیں آئیں لیکن اس بہادر لڑکی نے پھر بھی حوصلہ نہ ہارا۔ آخر سچ کی فتح ہوئی اور اُس لڑکی کے دن پھرے۔ کس طرح؟ یہ پڑھ کر معلوم ہوگا۔ اخلاق کو بنانے کے لئے ایسی کتاب اُردو میں آجتک نہ چھپی ہوگی۔ چار رنگدار تصویریں ہیں۔ قیمت (۸/) ◆

چندن پنجاب کے بہترین افسانہ نویس **سُدرشن** صاحب کی بینظیر کہانیوں کا مجموعہ۔ جس نے قصّہ نویسی کے میدان میں پنجاب کی لاج رکھ لی ہے۔ اس میں عشقیہ کہانیاں نہیں ہیں۔ بلکہ زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آٹھویں جماعت کے طلباء کے لئے بڑے کام کی چیز ہے۔ قیمت صرف (۸/)

بہارستان یہ کتاب بھی **سُدرشن** صاحب کی کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ ادب کے لحاظ سے سُدرشن صاحب کی کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جس کو بہترین کہانیاں پڑھنا ہوں اسے یہ کتاب پڑھنی چاہیئے۔ نویں اور دسویں جماعت کے لئے بہت موزوں ہے۔ قیمت (۱۲/) ◆

محبّت کا انتقام یہ ایک ناٹک ہے جس نے ہندوستانی ناٹک کی دُنیا میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ اسکے ہندی ایڈیشن پر ٹیکسٹ بُک کمیٹی پنجاب نے سُدرشن صاحب کو پانچسو روپیہ انعام دیا ہے۔ اور اس کتاب کی ایک سو پچاس جلدیں قیمتاً خرید کر سکولوں میں تقسیم فرمائی ہیں۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ کتاب طلباء کیلئے کیسی مفید ہوگی۔ (۱۲/)

قوم پرست یہ کتاب تاریخی ناٹک ہے۔ جس کا دورِ حاضرہ کی سیاست سے چنداں علاقہ نہیں بچّوں کو صحت بخش حب الوطنی کے سبق دینا ہو۔ تو یہ کتاب بڑے معرکہ کی ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ (۱۲/) ◆

کُنجِ عافیت۔ ایک مزیدار کہانی۔ نہایت سبق آموز۔ ہر ہندوستانی بچّہ کو پڑھنی چاہیئے۔ قیمت چھ آنے (۶/) ◆

آنریری مجسٹریٹ نہایت ہی دلچسپ مذاقیہ ناٹک ہے۔ جسے پڑھ کر بچّے ہنس ہنسکر لوٹ جائینگے۔ پچاسوں سکولوں میں کھیلا جا چکا ہے۔ بڑے مزے کی کتاب ہے۔ قیمت صرف چار آنے (۴/)

ملنے کا پتہ

پنجاب پرنٹنگ ورکس بُکڈپو لاہور (گنپت روڈ)

چند عجیب و غریب اشیاء

جیبی سگریٹ مشین

ایک گھنٹہ میں ۲۰۰ سگریٹ تیار کرتی ہے۔ ترکیب نہایت سہل ہے۔ تمام کی تمام گلٹ کی ہوئی ہے۔ نہایت ہی مختصر اور چھوٹی سی مشین ہے۔ سفر کے لئے نہایت ہی مفید چیز ہے۔ کیونکہ یہ کوٹ کی جیب میں بھی رکھی جا سکتی ہے۔

قیمت فی مشین صرف چار (۴) روپیہ۔ ڈاک خرچ علاوہ۔

آگ جلانے کی مشین

اس مشین سے کئی کام لئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً بلا مدد دیا سلائی آگ جلانا۔ سگریٹ جلانا وغیرہ وغیرہ

قیمت فی مشین صرف ایک روپیہ آٹھ آنہ علاوہ خرچ ڈاک۔

جیبی چھاپہ خانہ یا مُہر گھر!

یہ انگریزی کا چھاپہ خانہ قابل تعریف ہے۔ اس سے لفافہ۔ ملاقاتی کارڈ اور ہنر میں جو دل چاہیے چھاپ سکتے ہیں۔ قابل خرید ہے

قیمت فی چھاپہ خانہ صرف دو (۲) روپیہ۔ علاوہ خرچ ڈاک۔

ہینڈ کیمرہ

یہ کیمرہ خاص طور پر جرمنی سے تیار کروایا گیا ہے۔ عورت۔ مرد۔ جانور۔ درخت۔ مکان گرجا۔ مسجد۔ مندر اور ریل وغیرہ چلتے پھرتے اور بیٹھتے ہوئے کی خوبصورت اور دلپسند فوٹو اتارنے کے لئے کم از کم ایک بار ضرور منگائیں۔

قیمت چھوٹا سائز پانچ روپیہ (۵)

قیمت بڑا سائز صرف دس (۱۰) روپیہ

علاوہ خرچ ڈاک

کشیدہ کاڑھنے کی مشین!

لڑکیاں اس سے کرسیوں کی گدیاں۔ سرہانوں کے غلاف غالیچے۔ شال۔ چادریں۔ دوپٹے۔ سوٹ وغیرہ وغیرہ غرضیکہ کئی قسم کے گرم سرد اور ریشمی کپڑوں پر اون سوٹ اور ریشم سے ہر قسم کے پھول اور گلکاریاں بنا سکتی ہیں۔ ترکیب نہایت آسان ہے۔ غریب لڑکیوں کے لئے روزگار اور امیروں کے لئے ایک اعلیٰ تحفہ ہے۔

قیمت فی مشین صرف چار (۴) روپیہ۔ علاوہ خرچ ڈاک

منیجر کماس اینڈ کمپنی پوسٹ بکس ۹۹ لاہور

قیمت سالانہ پانچ روپے　　رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۴۱۵　　قیمت ششماہی ۲ عہ فی پرچہ ۲ ر

نونہال
ہفتہ وار

آنریری ایڈیٹرز

حکیم احمد شجاع بی اے (علیگ)　　سید غلام رسول طاہر جالندہری

ایڈیٹرز

محمد اسمعیل　　عبدالرشید

جلد (۸)　　نمبر (۱۵)

فہرست مضامین بابت ۲۲- اپریل ۱۹۲۶ء

(مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ گوپال داس پرنٹر چھپا- اور دارالاشاعت ادب لطیف کے لئے محمد اسمعیل لکھیسر پبلشر و پرائیٹر نے چیمبرلین روڈ لاہور سے شائع کیا)

دلچسپ معلومات

جو ستارے راتوں میں ٹوٹ کر زمین پر گر پڑتے ہیں، اُن کو شہاب ثاقب کہتے ہیں۔ آج کل ایسے مقامات دریافت کرنے کی کوشش کیجا رہی ہے۔ جہاں شہاب ثاقب بکثرت ملتے ہوں۔ اریزونا کے علاقہ میں زمین میں شہابی لوہے کے ٹکڑے بھرے ہوئے ہیں۔ ان ٹکڑوں میں بہت سے چھوٹے چھوٹے ہیرے بھی پائے گئے ہیں اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ شہاب ثاقب کے لوہے میں ہیرے اور دوسری قیمتی دھاتیں بھی ہوتی ہیں۔ مقام کون بٹ میں سطح زمین سے ۱۴۰۰ فیٹ نیچے ایک بہت بڑا شہاب ثاقب دھنسا ہوا پایا گیا ہے۔ اس کا وزن ایک ارب ٹن ہے اور ایک چھوٹا سیارہ معلوم ہوتا ہے۔ اس شہاب ثاقب کے ہر پانچ ٹن میں ایک اونس پلاٹینم نکلی ہے۔ پلاٹینم ایک کمیاب دھات ہے۔ اس لحاظ سے $\frac{1}{5}$ اونس بہت بڑی مقدار ہے۔ کون بٹ کے اطراف اور آزمائشی گڑھے کھودے جارہے ہیں۔

امریکہ کے دو ڈاکٹروں نے نمونیا کے مریضوں کے لئے ایک آکسیجن کا ڈیرا تیار کیا ہے۔ جس کو جہاں چاہے لے جاسکتے ہیں۔ اس ڈیرے میں ایک آلہ کے ذریعہ ہوا چھوڑتے ہیں۔ نمونیا کا مریض ایسی بہت سی ہوا لے سکتا ہے جس میں آکسیجن کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ اس ترکیب سے اُس کو بہت فایدہ پہنچتا ہے۔

ایک کپڑا نچوڑنے کا آلہ ایجاد ہوا ہے جس کو فریم پر چڑھا کر کام میں لاتے ہیں۔ اور ہر جگہ منتقل کر سکتے ہیں۔ یہ آلہ بجلی کی طاقت سے کام کرتا ہے۔

سید برہان الدین احمد

نظم معرّا

ہمدردی

خُدا کی نعمتوں میں سے عجب نعمت ہے ہمدردی
نہیں انسان وہ ہرگز جو اس نعمت سے ہو خالی
عزیزو نیکنامی کی اگر تم کو تمنّا ہو
بنالو زندگی کا اپنی دستور العمل اس کو
کہ دُنیا میں یہی اِک چیز ایسی ہے کہ جس سے تم
پُہنچ سکتے ہو عزّت کی بلندی پر اگر چاہو
غریبوں بیکسوں کے ساتھ ہمدردی جو کرتے ہیں
خُدا خوش ہو کے اُن کے کام آتا ہے مصیبت میں

پڑوسی کی خبر گیری کو اپنا فرض تم سمجھو
اور اس کے رنج و غم کو خاص اپنا رنج و غم جانو
نظر آجائے تم کو راستے میں گر کوئی اندھا
تمہارا فرض ہے اس وقت اس کی رہبری کرنا
مرے بچّو ہمیشہ کام آؤ تم غریبوں کے
کہ دُنیا میں یہی اک چیز ہے سب سے بڑی دولت

شیام کشور نور کانپوری

اسلام کا چھٹا رکن روٹی

(۱)

ایک دن ایک مولوی صاحب حضرت بابا فرید الدین صاحب گنج شکرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو حضرت بابا صاحب نے مولوی صاحب سے سوال کیا۔ کہ "مولوی صاحب اسلام کے کتنے رکن ہیں؟"

مولوی صاحب نے عرض کی: "حضرت بچہ بچہ جانتا ہے۔ کہ اسلام کے پانچ رکن ہیں۔"

"کون کونسے؟"

کلمہ۔ نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوٰۃ۔

اچھا! میں نے تو سُنا تھا۔ اسلام کے چھ رکن ہیں۔

حضرت چھٹا کونسا؟

حضرت بابا صاحب نے فرمایا:۔

"روٹی"

مولوی صاحب آجکل کے اکثر مولوی صاحبان کی طرح خُوب غُصّے میں آئے۔ اور کہا۔ "حضرت آپ ہمیشہ شریعت میں رخنے ڈالتے ہیں۔ اسی لئے میں آپ کے پاس نہیں آتا۔"

حضرت بابا صاحب، مولوی صاحب کو دیکھ کر مُسکرائے۔ اور مولوی صاحب غُصّے میں بھرے اُٹھ کر چل دئے۔

(۲)

کئی سال گزر گئے۔ مولوی صاحب نے اس عرصہ میں سات حج کئے، کئی نمازیں ادا کیں، زکوٰۃ دی، روزے رکھے۔ مولوی صاحب کو اپنی تابعداری اور عبادت پر گھمنڈ تھا۔

ساتویں حج سے فارغ ہو کر جہاز میں بیٹھے ہندوستان کو آرہے تھے۔ دل میں اُمنگ تھی، عزیز و اقربا کو ملنے کی۔ گھمنڈ تھا اپنی اطاعت شعاری کا۔ لوگ استقبال کو آئیں گے۔ سات حج۔ روزے۔ زکوٰۃ یقیناً لوگوں کے دلوں میں میری عزّت پیدا کر دینگے۔

مولوی صاحب انہیں خیالات میں محو تھے کہ ایک دھماکے کی آواز آئی۔ جہاز کے آدمیوں میں کھلبلی مچی۔ جہاز چٹان سے ٹکرایا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

مولوی صاحب جب ڈوب رہے تھے، لکڑی کا ایک تختہ ان کے ہاتھ آگیا۔ تختے کا سہارا ملا تو اُچک کر اس پر ہو بیٹھے۔

صبح سے شام تک ہوا لکڑی کے تختے کو ایک بدقسمت انسان کی طرح ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر لئے پھری۔ کوئی کنارہ نظر نہ آتا تھا۔

خدا خدا کر کے مغرب کے بعد تختہ خشکی سے ٹکرایا۔ خشکی کو دیکھ کر مولوی صاحب کی جان میں جان آئی۔ تختے سے اُتر کر خشکی پر ہو لئے۔

(۳)

مولوی صاحب نے کہا۔ جان بچی لاکھوں پائے، مگر چند منٹ کے بعد بہت سٹپٹائے۔ چاروں طرف پہاڑ۔ کالے دیو کی طرح کھڑے ڈرا رہے تھے۔ درندے بولتے تھے۔ اژدھے اور مگرمچھ آوازیں لگاتے تھے۔ نہ کوئی مکان تھا، نہ انسان کی شکل دکھائی دیتی تھی۔ جوں توں کر کے چٹانوں پر لیٹ کر رات گزاری۔

سورج نظر آیا تو مولوی صاحب کی آنتیں قل ہو اللہ پڑھ رہی تھیں۔ مگر وہاں کوئی درخت بھی دکھائی نہ دیا کہ اس کے

پتّوں سے پیٹ کے جہنّم میں آگ جھونکتے۔
بہت تلاش کی۔ پھرتے پھرتے پاؤں چھل
ہو گئے۔ مگر کھانے کے لئے کچھ نہ ملنا تھا،
اور نہ ملا۔

بہت گھبرائے، پیاس سے جان
ہونٹوں پر آئی۔ سمندر کی طرف بڑھے کہ چلّو بھر
پانی پی کر دوزخ کی آگ کو ٹھنڈا کریں۔ مگر
پانی اتنا کھاری تھا کہ پہلا گھونٹ حلق کو چیرتا
ہوا نکل گیا۔ اور اجازت نہ دی کہ دوسرا
گھونٹ پی لیں۔

رات ہو چکی تھی پڑ کر سو رہے۔ دِن
کی تکان نے چٹانوں پر مولوی صاحب کو
خوب نیند بھر کر سُلایا۔

(۴)

آنکھ کھُلی تو پھر اسی مصیبت کا سامنا
تھا۔ تین دن کے بھوکے تھے۔ اب کمزوری
اور بھوک سے ہل بھی نہ سکتے تھے۔ خدا کی
قُدرت، ایک آدمی نظر آیا۔ جھولی ڈالے ہُوئے
" روٹی لے لو " " روٹی لے لو " کی صدائیں
لگاتا ہُوا مولوی صاحب کے پاس سے گزر گیا۔
بھُوک سے مولوی صاحب کی جان کے
لالے پڑے ہُوئے تھے۔ چلّاتے۔ " بھائی
خُدا کے لئے مجھے روٹی کھلاؤ۔ "

روٹی بیچنے والا مولوی صاحب کے پاس
آیا۔ اور کہا۔ " کتنے کی روٹی درکار ہے۔ "
" تمہارا مطلب شاید قیمت سے ہے۔
آہ۔ میرے پاس قیمت کہاں ؟ بھائی میں
نے سات حج کئے ہیں۔ زکوٰۃ دی ہے۔
روزے رکھے ہیں۔ میں ساتویں حج سے
واپس آ رہا تھا۔ جہاز چٹان سے ٹکرایا۔ اور
ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ میں ایک تختے پر
بیٹھ کر یہاں تک پہُنچا۔ میرا مال و اسباب سب
جاتا رہا۔ اس وقت میرے پاس ایک پائی
بھی نہیں کہ تم کو دُوں۔

روٹی والے نے یہ سُنا تو چل دیا۔ مولوی صاحب نے کہا۔ "بھائی خُدا کے لئے میری حالت پر رحم کرو۔ مَیں تین دن سے بُھوکا ہُوں"

روٹی والے نے کہا۔ "میں تو تاجر ہوں۔ روٹی بیچتا ہوں۔ معاوضہ دو۔ اور روٹی لے لو۔"

"مگر سوال یہ ہے کہ مَیں تم کو کیا دوں۔"

"کیا واقعی تمہارے پاس کچھ نہیں؟"

"خدا کی قسم میرے پاس ایک پائی بھی نہیں۔"

"اگر تم نقدی دے کر روٹی نہیں لے سکتے، تو مجھے ایک حج کا ثواب بخش دو۔ اور روٹی لے لو۔

ایک حج۔ توبہ توبہ مَیں نے بہت مشکل سے حج کیا۔ مَیں ایک روٹی کے لئے نہیں بخش دُوں، یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔

روٹی والے نے یہ سُنا تو وہ آگے کو چلدیا۔

مولوی صاحب کے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ آخر مجبور ہو کر اس کو بُلایا۔ ایک حج کا ثواب بخش دیا۔ اور روٹی لے لی۔

(۵)

تین دن گزر گئے۔ اس عرصہ میں روٹی والا نظر نہ آیا۔ جب مولوی صاحب کا بُھوک سے بہت بُرا حال ہُوا، تو روٹی والا پھر آیا۔ اور دوسرے حج کا ثواب لے کر مولوی صاحب کو روٹی دے گیا۔

اسی طرح وہ تیسرے دن آیا۔ اور حج بخشوا کر روٹی دے گیا۔ مولوی صاحب نے رفتہ رفتہ ساتوں حج۔ سب روزے نمازیں، زکوٰۃ وغیرہ اس کو بخش دیا۔ اب مولوی صاحب حیران تھے کہ روٹی کس طرح حاصل کریں۔

روٹی والے نے کہا۔" مجھے لکھ دو۔ کہ روٹی کے معاوضہ میں مَیں نے تمہیں سب کچھ

بخش دیا۔ اس تحریر کے معاوضہ میں میں تمہیں روٹی دیتا ہوں۔"

مولوی صاحب نے کہا۔" میرے پاس نہ قلم ہے نہ دوات، نہ کاغذ میں تمہیں کس طرح لکھ دوں ؟"

روٹی والے نے قلم دوات کاغذ اس کے سامنے رکھ دیا۔ اور اس سے لکھا لیا کہ روٹی کے بدلہ میں اس نے سب کچھ بخشدیا۔

(۶)

خُدا کی قدرت دیکھئے۔ وہ ہر روز سمندر کی طرف دیکھتا رہتا تھا۔ کہ کوئی جہاز آئے۔ دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھیں پتھرا جاتیں۔ مگر کوئی جہاز دکھائی نہ دیتا تھا۔ جس وقت اُس نے روٹی والے کو یہ کاغذ لکھ کر دیا۔ اسی وقت دُور سے ایک جہاز آتا ہوا دکھائی دیا۔ مولوی صاحب نے جہاز کو دیکھ کر چیخنا، چلّانا اور اشارے کرنا شروع کیا۔

قسمت دیکھئے، اتنی دُور سے کپتان کی نظر اس پر پڑی۔ اور اُس نے ایک کشتی مولوی صاحب کو لینے کے لئے بھیجی۔ مولوی صاحب اس کشتی میں بیٹھ کر جہاز میں چلے گئے، اور خدا خُدا کر کے گھر پہنچے۔

(۷)

مولوی صاحب کو گھر آئے ہوئے عرصہ گزر گیا۔ تو ایک دن حضرت بابا فریدالدینؒ صاحب گنج شکرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور حضرت بابا صاحب نے پھر وہی سوال کیا۔

" مولوی صاحب اسلام کے کتنے رکن ہیں ؟"

مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرتؒ بچّہ بچّہ جانتا ہے کہ اسلام کے پانچ رکن ہیں۔"

حضرت بابا صاحب نے فرمایا:۔

" اچھا مَیں نے تو کہیں لکھا دیکھا ہے۔ کہ چھ ہیں۔ مَیں جھوٹ نہیں کہتا۔ لانا بھئی وُہ کتاب مَیں دِکھاؤں کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے۔"

کتاب لائی گئی۔ اور حضرت بابا صاحب نے جو بہت بُوڑھے ہو چکے تھے۔ اپنی بھویں ہاتھوں سے اُٹھا کر آہستہ آہستہ اس کتاب کے ورق اُلٹنے شروع کئے۔ آخر اس کتاب میں سے ایک کاغذ نظر آیا۔ جس پر انہیں مولوی صاحب کے ہاتھوں کا لکھا ہُوا ایک پرچہ موجود تھا۔

" من فلاں۔ ابن فلاں ساکن فلاں قوم . . . . نے اپنے سات حج۔ سب روزے۔ زکوٰۃ وغیرہ سب کچھ روٹی کے معاوضہ میں فلاں روٹی والے کو بخش دئے۔"

حضرت بابا صاحب نے مُسکراتے ہُوئے فرمایا:۔

" مولوی صاحب اسلام کے کتنے رُکن ہیں۔"

مولوی صاحب کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ پاؤں پر گرے اور شرم سے جواب نہ دے سکے۔ وہ خاموش تھے۔ مگر ان کے آنسو اور ان کا چہرہ زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ " واقعی اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے۔"

احمد وجودی

لطیفہ

ایک چور کسی فقیر کے گھر میں چوری کرنے گیا۔ بہت تلاش کیا۔ لیکن کچھ نہ ملا۔ اتنے میں فقیر کی آنکھ بھی کھُل گئی۔ کہنے لگا۔ کہ " تم اندھیرے میں کیا ڈھونڈ رہے ہو۔ مجھے تو اجالے میں بھی کوئی چیز یہاں نظر نہیں آتی۔

شیخ اسمٰعیل

سب سے اچھّا لڑکا

ایک دِن مَیں اپنے محلّہ کے مدرسہ میں گیا۔ اور چند لڑکوں سے مخاطب ہو کر مَیں نے پُوچھا:"تم میں سب سے اچھا لڑکا کون ہے؟"

سب لڑکے مُسکرا کر ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔ مَیں نے اپنا سوال پھر دُہرایا۔ اور ایک لڑکے نے جواب دیا۔

"ہم سب سے اچھّا لڑکا اختر ہے۔"

مَیں نے اختر کو اپنے پاس بُلا کر کھڑا کر لیا۔ اور پھر باری باری سے ہر لڑکے سے پُوچھا کہ وہ اختر کو کیوں سب سے اچھا لڑکا سمجھتا ہے۔ جس کا جواب ہر ایک لڑکے نے اس طرح دیا۔

پہلا۔ اختر محنتی اور ذہین ہے۔ وہ پڑھنے لکھنے میں دِل سے محنت کرتا ہے۔ اور امتحان میں ہمیشہ اول نمبر کامیاب ہوتا ہے۔

دوسرا۔ وہ وقت کا پابند ہے۔ اور ہمیشہ ٹھیک وقت پر مدرسہ میں حاضر ہو جاتا ہے۔

تیسرا۔ وُہ نیک ہے اور ہم سب کے ساتھ محبّت اور ہمدردی سے پیش آتا ہے۔

چوتھا۔ وُہ ہمیشہ خوش و خرّم رہتا ہے۔ اور ہم سب کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

پانچواں۔ وہ کبھی کسی سے جھگڑا نہیں کرتا، بلکہ ہمیشہ سب کے ساتھ محبت سے گفتگو کرتا ہے۔

چھٹا۔ وہ دوسروں کی مدد کرتا ہے جس لڑکے کو سبق یاد نہیں ہوتا' وہ اُس کو یاد کرا دیتا ہے۔

ساتواں۔ میرے نزدیک سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اختر بڑوں کا ادب کرتا ہے۔ برابر والوں سے محبت اور ہمدردی سے پیش آتا ہے۔ اور چھوٹوں پر مہربانی کرتا ہے۔

مَیں نے کہا"بیشک بیشک اختر سب سے اچھا لڑکا ہے تم کو چاہیے کہ تم بھی اُس کی تقلید کرو۔ اور اس کی طرح سب سے اچھے لڑکے بن جاؤ۔"

دُنیا میں کسی کا اعتبار نہیں

کسی جنگل میں ایک خرگوش رہتا تھا۔ جو نہایت شریف اور خوش اخلاق تھا۔ اور انہیں خُوبیوں کی وجہ سے جنگل کے اور جانور اپنے کو اُس کا دوست گنتے تھے اور اُن جانوروں نے آپس میں یہ معاہدہ کیا تھا کہ اگر ہم میں سے کوئی جانور کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے، تو سب اُس کی مدد کریں۔

ایک روز شکاریوں نے جنگل میں خرگوش پکڑنے کے لئے اپنے خونخوار کُتّے چھوڑے خرگوش نے جب کُتّوں کو تعاقب کرتے ہُوئے دیکھا، تو اُس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ مجھے اپنے دوستوں کے پاس مدد کے واسطے جانا چاہیے۔

سب سے پہلے وہ گھوڑے کے پاس گیا۔ اور اُس سے کہا " تم دیکھتے ہو کہ میں کیسی سخت تکلیف میں مبتلا ہوں۔ مہربانی کر کے مجھے اپنی پیٹھ پر چڑھا لو، اور یہاں سے بھاگ چلو۔" گھوڑے نے جواب دیا۔ " میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ مَیں تُمہیں مدد دے سکوں۔ اس لئے کہ مجھے ابھی اپنے آقا کے کام کو جانا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اور دوست ضرور تمہاری مدد کریں گے۔"

خرگوش گائے کے پاس پُہنچا۔ اور اس سے کہا " میری زندگی نہایت خطرہ میں ہے کیونکہ کُتّے مجھے پکڑنے کے لئے دوڑ رہے ہیں۔ مہربانی کر کے اپنے تیز سینگوں سے ظالم کتّوں کو بھگا دو۔" لیکن گائے نے جواب دیا " مجھے افسوس ہے کہ مَیں تمہاری مدد نہیں کر سکتی، اس لئے کہ مجھے ابھی دودھ دُھوانے جانا ہے۔ میرے خیال میں تمہارے دوسرے دوست تمہیں امداد پُہنچا سکیں گے۔"

یہاں سے بھی مایوس ہو کر خرگوش بھیڑ کے پاس گیا اور مدد کا خواہاں ہوا۔ بھیڑ نے جواب دیا۔ "چونکہ اکثر کُتّے بھیڑوں کو بھی چیر ڈالتے ہیں۔ اس لئے مَیں اس معاملہ میں تمہاری مدد کر کے کُتّوں کو اپنا مخالف نہ بناؤنگی۔ مجھے امید ہے کہ تم مجھے معذور خیال کرتے ہُوئے معاف کرو گے۔"

کُتّے خرگوش کے بالکل نزدیک آ چکے تھے۔ اس نے اپنے دل میں کہا۔ چونکہ میرے دوست میری مدد نہیں کرتے، اس لئے مجھے خود ہی کچھ کرنا چاہئیے۔ وہ دفعتاً نہایت تیزی سے بھاگنے لگا۔ اور تھوڑی دیر کی محنت کے بعد خطرہ سے باہر نکل گیا۔

خرگوش نے کہا۔ افسوس مَیں سمجھتا تھا کہ میرے بہت سے دوست ہیں لیکن تجربہ کرنے پر ثابت ہُوا۔ کہ میرا کوئی دوست نہیں"

نونہال بچّو! تمہیں خود ہی کوشش کرنی چاہئیے۔ اور ہمیشہ اپنے ہی بھروسہ پر کام کرنا چاہئیے۔

ہشام میرٹھی

لطیفے

(۱)

ایک شخص کے بال ایک ہی مہینہ میں سفید ہو گئے۔ کسی دوست نے پُوچھا " اس قدر غم "

" نہیں مَیں بالوں کو خضاب لگانا بھُول گیا تھا۔"

(۲)

ایک شخص نے کسی دوست سے پُوچھا " کلکتے کب جاؤ گے ؟"

اُس نے کہا " اُس نے کہا " آج ہی رات کو بمبئی میل سے جاؤں گا۔"

پُورن سنگھ ہنر

گلیور کا بحری سفر

(گزشتہ سے پیوستہ)

باب تیسرا

میری شرافت اور نیک نیتی نے بادشاہ اور اُس کی رعایا پر اتنا اثر کیا کہ مجھے آزادی ملنے کی پُوری توقع ہو گئی۔ آہستہ آہستہ اس مُلک کے لوگ بھی مجھ سے کم ڈرنے لگے۔ بعض اوقات میں لیٹ کر ان میں سے پانچ یا چھ آدمیوں کو اپنے ہاتھ پر نچاتا تھا۔ اور کئی دفعہ لڑکے لڑکیاں آکر میرے بالوں میں آنکھ مچولی کھیلا کرتے تھے۔ اب میں اُن کی زبان بخوبی بول اور سمجھ سکتا تھا۔ ایک دن بادشاہ نے اپنے مُلک کے کئی کھیل دکھا کر مجھے خوش کرنے کا ارادہ کیا۔ ان کھیلوں میں چالاکی اور صفائی کے لئے وہ دُنیا کی تمام قوموں سے بڑھ کر تھے۔ سب سے زیادہ خوش کن کھیل رسّے کا ناچ تھا۔

یہ کھیل ایک پتلی رسّی پر جو کہ دو فٹ لمبی ہوتی ہے۔ اور زمین سے ایک فٹ اُونچی ہوتی ہے، کیا جاتا ہے۔ یہ کھیل صرف وُہ آدمی کرتے ہیں، جو کہ دربار کے اعلیٰ مرتبوں کے امیدوار ہوتے ہیں۔ وہ شروع ہی سے اس ناچ کی مشق کرتے ہیں۔ جب کبھی موت یا کسی اور وجہ سے کوئی اسامی خالی ہوتی ہے، تو ان میں سے پانچ یا چھ امیدوار رسّے پر ناچ دکھا کر بادشاہ اور اہل دربار کو خوش کرنے کے لئے درخواست کرتے ہیں اور جو امیدوار ناچتے وقت رسّے پر سے نہیں گرتا، اس اسامی پر مامور کیا جاتا ہے

اکثر دفعہ وزیر اعظموں کو اپنے ہُنر دکھلانے اور بادشاہ کو یہ یقین دِلانے کے لئے کہ وہ اپنی طاقت تو نہیں کھو بیٹھے، یہ کھیل دِکھلانا پڑتا ہے۔ ان کھیلوں میں اکثر موت تک کے حادثے ہوجاتے ہیں۔ اس قسم کی مثالیں رجسٹروں میں بہت درج ہیں۔ مَیں نے خود اپنی آنکھوں سے دو تین امیدواروں کے سر ٹُوٹتے دیکھے ہیں۔ اور سب سے زیادہ خطرہ اس وقت ہوتا ہے۔ جب وزیروں کو اپنا ہُنر دکھلانے کے لئے حکم ملتا ہے۔ کیونکہ وُہ اپنے ساتھیوں سے سبقت لے جانے کی کوشش میں اس قدر زور لگاتے ہیں کہ ان میں سے شاید ہی کوئی ہو۔ جو کہ ایک دفعہ نہ گرے۔ اور ان میں سے بعض تو دو دو تین تین دفعہ گر پڑتے ہیں۔

باتوں باتوں میں مجھے معلوم ہوا کہ میرے آنے سے ایک سال پیشتر انہی کھیلوں میں وزیر اعظم کا سر ضرور ٹوٹ جاتا۔ اگر بادشاہ کا ایک گدیلا جو اس وقت نیچے زمین پر پڑا تھا اس کے گرنے کی طاقت کو کمزور نہ کر دیتا۔

اسی طرح ایک اور کھیل ہے۔ جو کہ خاص خاص موقعوں پر بادشاہ، ملکہ اور وزیر اعظم کے سامنے کیا جاتا ہے۔ بادشاہ میز پر تین ریشمی دھاگے جو کہ لمبائی میں چھ انچ ہوتے ہیں۔ اور جن کا رنگ نیلا، سُرخ سبز ہوتا ہے رکھ دیتا ہے۔ یہ دھاگے اُن آدمیوں کے واسطے بطور انعام تجویز کئے جاتے ہیں۔ جن پر بادشاہ خاص مہربانی کرنا چاہتا ہو۔ اور یہ کھیل بادشاہ کے بڑے شاہی کمرے میں کیا جاتا ہے۔ یہ کھیل مندرجہ ذیل طریقے سے کیا جاتا ہے۔

بادشاہ اپنے ہاتھ میں ایک چھڑی لیتا ہے۔ چھڑی کے دونوں سرے افق کے متوازی ہوتے ہیں۔ امیدوار ایک ایک

کر کے چھڑی کے اُوپر سے کُودتے ہیں۔ اور
بعض وقت چھڑی کے نیچے سے بھی نکلتے
ہیں۔ اور لگاتار اسی طرح کئے جاتے ہیں۔
اور جو امیدوار سب سے دیر تک اُوپر سے
کُودتا اور نیچے سے نکلتا رہتا ہے۔ اُس کو
نیلے رنگ کا دھاگہ انعام میں دیا جاتا ہے
اور دوسرے درجے والے کو سُرخ اور
تیسرے درجے والے کو سبز دھاگہ انعام
میں ملتا ہے۔ اور ان دھاگوں کو وہ کمر کے
گرد لپیٹ لیتے ہیں۔ اس دربار میں بہت کم
اہلکار ایسے ہیں، جن کی کمر کے گرد یہ دھاگے
نہ لپیٹے ہوئے ہوں۔

فوج اور شاہی اصطبل کے گھوڑے
ہر روز میرے سامنے لائے جاتے تھے۔
اور وہ بغیر کسی خوف و خطر کے میرے پاس
آجاتے تھے۔ یہ گھوڑے میرے ہاتھوں کے
اُوپر سے چھلانگیں لگاتے تھے۔ بادشاہ کا
ایک سوار بڑے گھوڑے پر سوار ہو کر میرے
پاؤں اور جُوتے کے اُوپر سے کُودتا تھا۔ اور
وہ ایک بڑی بھاری چھلانگ خیال کی جاتی
تھی۔ ایک دن مجھے بھی بادشاہ کو ایک
عجیب طریقہ سے خوش کرنے کا موقع ہاتھ آیا۔
مَیں نے کہا۔ کہ آپ بید کی معمولی چھڑیاں
جن کی لمبائی دو فٹ ہو، مہیّا کریں۔ اس پر
بادشاہ نے محکمۂ جنگلات کے افسر کو چھڑیاں
لانے کا حکم دیا۔ اور اگلے دن چھ لکڑ ہارے
چند گاڑیوں پر، ہر ایک گاڑی کو آٹھ گھوڑے
کھینچتے تھے، آپہنچے۔ مَیں نے ان چھڑیوں
میں سے نَو کو انتخاب کیا۔ اور ایک مستطیل
کی شکل میں جس کا ہر پہلو اڑھائی فٹ تھا۔
مضبوطی سے زمین میں گاڑ دیا۔ اور اس کے
بعد چار اور چھڑیاں لیں، اور زمین سے
تقریباً دو فٹ کے فاصلے پر ہر ایک کونے
پران کو متوازی باندھ دیا۔ اور تمام طرف

پھیلا دیا۔

جب میں اپنا کام ختم کر چکا میں نے بادشاہ کو کہا کہ آپ اپنے گھوڑوں کی سب سے اچھی پلٹن کو یہاں آنے اور اس میدان میں کھیلنے کا حکم دیں۔ میں نے ہر ایک گھوڑے کو معہ اس کے سوار کے اپنے ہاتھ میں اُٹھالیا اور ان افسروں کو جنھوں نے اُن کو قواعد کرانا تھی، بالترتیب کھڑے کرا کر دو حصّوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ سوار آپس میں جھوٹی لڑائی لڑتے، تیر چلاتے، تلواریں نکالتے، اور دوسروں کا تعاقب کرتے تھے۔

متوازی چھڑیوں نے ان کو اور ان کے گھوڑوں کو سٹیج پر سے گرنے سے بچا رکھا۔ اس کھیل سے بادشاہ اتنا خوش ہوا کہ یہ کھیل کئی دن تک دربار میں ہوتا۔ جس وقت دربار میں یہ کھیل کھیلا جا رہا تھا، تو بادشاہ کے پاس ایک ایلچی خبر لیکر آیا۔ اور کہا۔ کہ "جس جگہ پر یہ قوی ہیکل انسان پایا گیا تھا۔ اُس جگہ ایک بڑی سیاہ چیز زمین پر پڑی پائی گئی ہے۔ وہ چیز بہت عجیب شکل رکھتی ہے۔ اور اُس کے کنارے ہر طرف سے چوڑائی میں اتنے پھیلے ہُوئے ہیں جتنا کہ حضور کے سونے کا کمرہ۔ اور بیچ میں سے ایک آدمی جتنی اُونچی ہے۔ اور یہ کوئی زندہ مخلوق نہیں ہے۔ بلکہ یہ گھاس پر بے حس و حرکت پڑی پائی گئی ہے۔" (باقی پھر)

غلام مصطفےٰ

کتابیں

اگر یُوروپ کی تمام سلطنتوں کے تاج میری کتابوں اور شوقِ مطالعہ کے بدلے میرے قدموں میں ڈال دئے جائیں، تو میں ان کو ٹھکرا دُونگا۔

(آرچ بشپ فلنی سن)

جرمنی کا نایاب تحفہ

یعنی

خود بخود لکھنے والا قلم جسمیں ایکدفعہ سیاہی ڈالنے سے کئی کئی دن بغیر سیاہی ڈالنے کے آپ اپنا کام کر سکتے ہیں۔ گھر۔ بازار۔ دفتر دوکان سفر غرضیکہ ہر جگہ یہ آپ کا ہمکنار و مددگار رہے گا لطف یہ کہ دوسری طرف سے پنسل کا کام بھی لے سکتے ہیں۔ . . . . قیمت صرف بارہ آنے ۱۲؍

نوٹ گھر بیٹھے بٹھلائے دور دراز کی چیزیں ایکدم میں منگوانے اور اپنے بزرگوں کی زیارت کرنے کا آسان نسخہ حاصل کریں قیمت صرف ایکروپیہ آٹھ آنہ (عہ):

ملنے کا پتہ

مینیجر بی۔ ار۔ اس اینڈ کمپنی چوک متی لاہور۔

جرمنی کی ایک حیرت انگیز ایجاد

جیبی چھاپہ خانہ یعنی سٹڈ کے انگریزی حروف کامکمل جیبی چھاپہ خانہ جو عام کاروبار کیلئے بھی ازحد مفید اور کارآمد چیز ہے۔ دستہ دل جسمیں ایکقسم کی چٹھیاں کارڈ بلایٹرلیس نمبر تاریخ۔ نام جسٹر اور برائے سجاوٹ تصویرات پھول بیل بوٹے وغیرہ وغیرہ جو دل چاہے فوراً چھاپ لیجیے کچھ لطف یہ ہے۔ کہ آپ خود ہی ہر ایک نام کی مہر بھی حسب مرضی بنا سکتے ہیں۔ ایک نادر تحفہ ہے جسکی طالب علموں جنٹلمینوں کلرکوں کمپنیوں کارخانوں سوداگروں غرضیکہ ہر اہل حرفہ کو اسکی ضرورت رہتی ہے قیمت صرف دو روپیہ آٹھ آنے (عہ) محصولڈاک معاف

ملنے کا پتہ

مینیجر بی ار اینڈ کمپنی چوک متی لاہور

گراموفون آٹھ آنہ میں کس طرح حاصل کر سکتے ہیں!

(۱) آپ مبلغ دو روپے آٹھ آنہ بذریعہ منی آرڈر بھیجکر اپنا نام درج رجسٹر کرالیں (۲) آپکے روپیہ وصول ہوتے ہی ہم آپ کو پانچ عدد ٹکٹ روانہ کردیں گے۔ آپ ان میں سے چار عدد ٹکٹ آٹھ آنہ میں اپنے چار دوستوں میں فروخت کردیں۔ ان سے ان چار ٹکٹوں کی قیمت آپ کو دو روپے وصول ہوجائے گی (۳) آپ جس شخص کے ہاتھ ٹکٹ بیچیں اس سے کہیں کہ وہ مبلغ دو روپے مع اس ٹکٹ کے جو اس نے آپ سے آٹھ آنہ میں خریدا ہے ہمیں بذریعہ رجسٹری روانہ کردے (۴) آپ کے فروخت شدہ چاروں ٹکٹ اور آپ کے دوستوں کے روپے وصول ہوتے ہی آپ کی خدمت میں نو گراموفون روانہ کردیا جائیگا۔ اور آپ کے ان چار دوستوں کو جنہوں نے ایک ایک ٹکٹ آپ سے خریدا تھا۔ اور دو روپے اپنے پاس سے ڈال کر ہمیں بھیجے تھے۔ پانچ پانچ نئے ٹکٹ روانہ کردیں گے اب آپ کی طرح وہ بھی چار عدد ٹکٹ مبلغ دو روپے میں اپنے دوستوں میں فروخت کرکے ہم سے گراموفون آٹھ آنہ میں حاصل کرلیں۔

المشتہر

جے بی برادرز اینڈ کمپنی (کوپن ڈیپارٹمنٹ) بیڈن روڈ نزد دل لاہور

بچّوں کیلئے نہایت ہی دلکش اور سبق آموز کتابیں

فطرت نگار سُدرشن صاحب کے قلم جادُو رقم سے

پارس — نہایت ہی دلکش اور دلچسپ کہانیاں ہیں۔ جنہیں بچے بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ اخبارات و رسائل نے اس پر بہت زبردست ریویو کئے ہیں۔ اس میں تین رنگدار تصویریں بھی ہیں۔ صاحب ڈائرکٹر بہادر نے اسے زائد ریڈر منظور کیا ہے۔ قیمت ۸/ حصہ دوم ۹/

بچوں کے لئے رامائن — ہندوؤں کی مشہور کتاب رامائن کا نام کس نے نہ سُنا ہوگا۔ مگر بچوں کیلئے آسان عبارت میں کوئی رامائن آجتک نہ لکھی گئی تھی۔ اس کمی کو پنجاب کے مشہور ادیب فطرت نگار فسانہ نویس جناب سُدرشن صاحب نے پورا کر دیا ہے۔ اور بچوں کے لئے رامائن لکھ دی ہے اسکی زبان بڑی آسان اور مزیدار ہے۔ اس میں کئی رنگدار تصویریں بھی ہیں۔ اور صاحب ڈائرکٹر بہادر سررشتہ تعلیم پنجاب نے اسے سرکلر نمبر ۱ سیریل نمبر ۱۱۰۸۹ بی مجریہ ۱۵ ستمبر ۱۹۲۴ء کی رو سے انعام اور لائبریریوں کیلئے منظور فرمایا ہے۔ (۱۲/)

بچوں کیلئے مہابھارت — رامائن کے بعد لوگوں کا تقاضا تھا کہ مہابھارت تیار کرو۔ چنانچہ فطرت نگار سُدرشن نے بچّوں کے لئے آسان عبارت میں یہ کتاب بھی تیار کر دی ہے۔ بڑی آسان عبارت ہے۔ اور کئی رنگدار تصویریں بھی ہیں۔ قیمت (۱۴/)

امرت — اس کتاب میں ایسی مزے کی کہانیاں ہیں۔ کہ بچے پڑھ کر ناچنے لگ جاتے ہیں۔ اگر کہانیوں کے سلسلے میں بچّوں کو اخلاق کے سبق سکھانے ہوں تو انہیں یہ کتاب دیدیجئے۔ اسمیں بھی رنگدار تصویریں ہیں۔ پانچویں چھٹی جماعت کیلئے بہت اچھی کتاب ہے قیمت (۸/)

دُنیا کے عجائبات — اس کتاب میں قدیم دُنیا کے سات عجائبات کا بڑا ہی پُرلطف بیان ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتوں عجائبات کی تصویریں بھی ہیں۔ صاحب ڈائرکٹر بہادر نے اس کتاب کو بھی سرکلر نمبر ۱ سیریل نمبر ۱۱۰۸۹ بی مجریہ ۱۵ ستمبر ۱۹۲۴ء کی رو سے لائبریریوں اور انعام کے لئے منظور فرمایا ہے۔ قیمت (۸/)

رُستم و سُہراب — یہ شاہ نامہ کا مشہور قصّہ ہے۔ جسے فطرت نگار سُدرشن صاحب نے بچوں کے لئے آسان زبان میں لکھا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اور جگہ جگہ اس

اس قصے سے جو سبق ملتے ہیں۔ وہ بھی نکال کر دکھلائے ہیں۔ اور ایسی خوبی سے کہ پڑھ کر جی خوش ہو جاتا ہے۔ لکھائی چھپائی بڑی صاف ہے۔ اور تین رنگدار تصویریں ہیں قیمت آٹھ آنے (۸ر)

پھول وتی ایک لڑکی ہمیشہ سچ بولتی تھی اور کبھی جھوٹ نہ بولتی تھی۔ اس پر بڑی بڑی مصیبتیں آئیں۔ لیکن اس بہادر لڑکی نے پھر بھی حوصلہ نہ ہارا۔ آخر سچ کی فتح ہوئی۔ اور اس لڑکی کے دن پھرے کس طرح یہ پڑھ کر معلوم ہوگا۔ اخلاق کو بنانے کے لئے ایسی کتاب اردو میں آج تک نہ چھپی ہوگی۔ چار رنگدار تصویریں ہیں قیمت (۸ر)

چندن پنجاب کے بہترین افسانہ نویس سُدرشن صاحب کی بینظیر کہانیوں کا مجموعہ جس نے قصہ نویسی کے میدان میں پنجاب کی لاج رکھ لی ہے۔ اس میں عشقیہ کہانیاں نہیں ہیں۔ بلکہ زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آٹھویں جماعت کے طلبا کے لئے بڑے کام کی چیز ہے۔ قیمت صرف (۱۲ر)

بہارستان یہ کتاب بھی سُدرشن صاحب کی کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ ادب کے لحاظ سے سُدرشن صاحب کی کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ جس کو بہترین کہانیاں پڑھنا ہوں اسے یہ کتاب پڑھنی چاہئے۔ نویں اور دسویں جماعت کے لئے بہت موزون ہے قیمت (۱۲ر)

محبت کا انتقام یہ ایک ناٹک ہے جس نے ہندوستانی ناٹک کی دُنیا میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ اس کے ہندی ایڈیشن پر ٹیکسٹ بک کمیٹی پنجاب نے سُدرشن صاحب کو پانچسو روپیہ انعام دیا ہے۔ اس کتاب کی ایک سو پچاس جلدیں قیمتاً خرید کر سکولوں میں تقسیم فرمائی ہیں۔ اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ کتاب طلبا کیلئے کیسی مفید ہوگی (۱۲ر)

قوم پرست یہ کتاب تاریخی ناٹک ہے۔ جس کا دورِ حاضرہ کی سیاست سے چنداں علاقہ نہیں۔ بچوں کو صحت بخش حب الوطنی کے سبق دینا ہو۔ تو یہ کتاب بڑے معرکہ کی ہے قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

کنج عافیت :۔ ایک مزیدار کہانی۔ نہایت سبق آموز ہر ہندستانی بچے کو پڑھنی چاہئے۔ قیمت چھ آنے (۶ر)

آنریری مجسٹریٹ نہایت ہی دلچسپ مذاقیہ ناٹک ہے جسے پڑھ کر بچے ہنس ہنس کر لوٹ جائیں گے۔ پچاسوں سکولوں میں کھیلا جاچکا ہے۔ بڑے مزے کی کتاب ہے قیمت صرف چار آنے (۴ر)

ملنے کا پتہ

پنجاب پرنٹنگ ورکس بک ڈپو لاہور گنپت روڈ

قیمت سالانہ پانچ روپے   رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۴۱۵   قیمت ششماہی عا/ فی پرچہ ۲ر

نونہال

ہفتہ وار

آنریری ایڈیٹرز:-

حکیم احمد شجاع بی اے (علیگ)   سید غلام رسول طاہر جالندہری

ایڈیٹرز:-

محمد اسمٰعیل   عبدالرشید

جلد (۸)   فہرست مضامین بابت ۲۹- اپریل ۱۹۲۶ء   نمبر (۱۶)

پتہ:- دفتر نونہال لاہور

دلچسپ معلومات

انگلستان میں ایک آلہ ایجاد ہوا ہے جس کے ذریعہ بڑے سے بڑا ڈوبا ہوا جہاز بالکل تھوڑی سے لاگت سے نکالا جا سکتا ہے۔ لوسی ٹینیا جیسے جہاز کو تین سو ڈالر کے صرف سے نکال سکتے ہیں۔

کئی سائنسدان اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ دراصل سیارۂ مریخ میں انسانی آبادی ہے۔ اس کے متعلق وہ یہ ثبوت پیش کرتے ہیں کہ اب مریخ جس حالت میں ہے، رفتہ رفتہ زمین بھی وہی حالت اختیار کریگی یعنی ہوا اور دوسرے قدرتی اثرات سے پہاڑ اور دریا غائب ہوکر زمین لق و دق صحرا ہو جائیگی۔ سائنسدانوں کا یہ بھی خیال ہے۔ کہ مریخ میں ذی فہم اور مہذب مخلوق ہے۔ جو ہر حیثیت سے ہم سے بدرجہا زیادہ شائستہ ہے۔

کپڑے سینے کی برقی مشین ایجاد ہوئی ہے۔ جو فی منٹ دو گز کپڑا سینی ہے۔

سیّد برہان الدین احمد

کتابیں

کتابیں الماریوں سے نکالے بغیر بھی تم سے بولتی چالتی معلوم ہوتی ہیں، تمہارا خیر مقدم کرتی معلوم ہوتی ہیں، اور یہ کہتی معلوم ہوتی ہیں کہ ان کی جلدوں کے اندر ایسی چیزیں ہیں، جو تمہارے لئے مفید ہونگی (گلیڈسٹون)

کتابوں نے انسان کے لئے مسرّت بہم پہنچانے میں کچھ کم حصّہ نہیں لیا۔

(فریڈرک اعظم)

وہ کتاب کچھ بھی قابلِ وقعت نہیں، جو بیش قیمت نہ ہو۔ (رسکن)

صادق ایوبی (دیروی)

پیسہ اور مزدور

پیسے کی شیخی پر دُنیا یہ رنگ اور رُوپ بدلتی ہے
پیسے سے نہریں جاری ہیں پیسے سے گاڑی چلتی ہے
پیسے سے دُنیاداریاں ہیں مذہب بھی ہے ایمان بھی ہے
پیسا ہے اگر تو حج بھی ہے اور گنگا کا اشنان بھی ہے
دُنیا کی عزّت ہے پیسا یہ رونق ہے بازاروں کی
ہے پیسا پاس تو چاندی ہے چاندی سرمایہ داروں کی
سب نعمتیں اچھی سے اچھی ہیں ان کے دسترخوانوں پر
پڑتا ہے ہاتھ امیروں کا ہر وقت مرغن کھانوں پر
ہم ان کے جھوٹے ٹکڑوں سے یہ پیٹ کا دوزخ بھرتے ہیں
اور اکثر یہ بھی نہیں ملتے فاقوں پر فاقے کرتے ہیں
ہر روز یہاں اِک فاقہ ہے ہر رات وہاں دیوالی ہے
گو شہر میں لاکھ چراغاں ہو مزدور کی دُنیا کالی ہے
مزدور کی دُنیا پیٹ اس کا گُزران ہے کھانے پینے پر
کیا یہ بھی کوئی جینا ہے لعنت ہے ایسے جینے پر
دُنیا ہے امیروں کی دُنیا مزدور کی دُنیا فانی ہے
ہے اُن کا پسینہ بھی عنبر اور اس کا لہو بھی پانی ہے

حضرت افلح کا صبر و استقلال

حضرت افلح بڑے سچے اور پکے مسلمان اور ہمارے پیغمبر علیہ السلام کے صحابی تھے۔ انھوں نے اپنے سچے مذہب کے لئے بڑے بڑے دُکھ سہے، اور اذیتیں اُٹھائیں، یہ بیچارے غلام تھے۔ اور ان کے ظالم مالک کا نام صفوان تھا۔ یہ اُمیّہ کا بیٹا تھا۔ اور بڑا سنگدل کافر اور مسلمانوں کا سخت دُشمن تھا۔ افلحؓ بیچارے جب مسلمان ہوئے، تو یہ کمبخت بہت بگڑا۔ اُسے اسقدر غُصّہ آیا کہ اُن کے پاؤں میں ایک رسّی باندھی۔ اور اپنے دوسرے غلاموں کو حکم دیا کہ ان کو گھسیٹتے گھسیٹتے پھریں۔ اِن بیدردوں نے ایسا ہی کیا۔ غریب افلح اس تکلیف سے بہت زخمی ہوئے۔ سارا جسم لہولہان ہوگیا۔ مگر زبان سے اُف تک نہ کی۔ اُن کا یہ صبر و استقلال دیکھ کر ظالموں نے جلتے ہوئے پتھر پر ڈال دیا۔ اب بھی نالائقوں کو چین نہ آیا۔ اور دل ٹھنڈا نہ ہوا تو خود ظالم صفوان نے اُٹھ کر ان کا گلا گھونٹنا شروع کیا۔ اس وقت صفوان کا بھائی اُبیّ بھی موجود تھا۔ مگر وہ بیرحم بھی ایک بیکس مُصیبت زدہ کو اس حالت میں دیکھ کر ذرا نہ پسیجا۔ بلکہ کہنے لگا۔ کہ بھائی صفوان اسے اور زیادہ سخت سزا دو۔ دیکھیں کب تک یہ محمدؐ کا کلمہ پڑھتا ہے۔ اور دیکھیں وہ کس طرح اسے اپنے جادو سے چھڑا کر لے جاتا ہے (نعوذ باللہ) غرض اس بیرحمی اور ظلم کا برتاؤ یہاں تک ہوا کہ افلحؓ بیہوش ہو گئے۔ اور صدمے کی تاب نہ لا سکے لیکن نہ زبان سے کچھ کہا، اور نہ اپنے سچے اور پاک مذہب اسلام کو چھوڑنا گوارا کیا۔ صبر و استقلال سے ذرا بھی قدم نہ ہٹایا۔ جب دیر تک

حضرت افلح کو ہوش نہ آیا، تو یہ ظالم کافر سمجھے کہ افلح مرگیا (شہید ہوگئے) کچھ دیر کے بعد اُن کو ہوش آگیا۔ خدا کی رحمت اور شان دیکھئے، کہ اتفاق سے اس اثنا میں اِدھر سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا گزر ہوا۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت افلح بیچارے پر سخت ظلم ہو رہا ہے۔ اور وہ بھی صرف اس خطا میں کہ وہ مسلمان ہوگئے ہیں۔ آپ کو افلح کی حالت زار پر بہت رحم آیا۔ اور اپنی عادت کے موافق اُسی وقت اُن کو ظالم صفوان سے خرید کر آزاد کردیا۔ حضرت افلح نے صدیقؓ کی بدولت ہمیشہ کے لئے نجات پائی۔ سبحان اللہ۔ اللہ کے نیک بندے اور سچے مسلمان ایسے ہوتے ہیں رحم و کرم ہو، تو ابوبکر صدیقؓ جیسا۔ اور صبر و استقلال ہو تو حضرت افلحؓ جیسا۔

محوی صدیقی

غریب لڑکا

تاریخ کے ورق اچھے اچھے سبقوں سے بھرے پڑے ہیں۔ اگر ہم میں ان باتوں سے سبق حاصل کرنے کی قابلیّت ہے، تو آؤ! ہم ایک غریب لڑکے کی زندگی کو سامنے رکھیں۔ اور اس جیسا بلند ہمّت بننے کی کوشش کریں۔

یہ وہ لڑکا ہے جس کی تمام دنیا احسانمند ہے۔ یہی وہ لڑکا ہے۔ جس نے زمین پر لوہے کی لکیریں کھنچوائیں۔ یہ اُسی کی ہمّت اور محنت کا نتیجہ ہے۔ کہ ہفتوں کا سفر گھنٹوں میں طے ہوتا ہے۔ اور یہ اُسی لڑکے کی کوشش کا نتیجہ ہے کہ آج ہمیں ریل میں بیٹھ کر آرام و مسرت سے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے آنے میں آسانیاں ہوگئی ہیں۔ اس کو دُنیا جتنی چاہے تھوڑا ہے۔ اس کا نام جارج سٹیفن ہے

یہ ایک غریب باپ کا لڑکا تھا۔ اور بچپن میں مویشی چراتا تھا۔ جب پندرہ برس کا ہوا تو اپنے باپ کے ساتھ کام پر جانے لگا۔ اللہ میاں کو اُسے دُنیا میں مشہور کرنا تھا۔ جس کے لئے جارج ہر طرح بلند ہمت ثابت ہوا۔ کسی کو کوئی کام کرتے دیکھتا تو پوری توجہ کے ساتھ۔ خصوصاً کل کے کاموں کی طرف اس کا زیادہ دھیان تھا۔

پہلے پہل جب اُس نے لکھنا پڑھنا سیکھا، اس زمانہ میں اس کی عمر سترہ سال کی تھی۔ کیسا اچھا لڑکا تھا کہ دن بھر کے کام کاج سے جب فراغت ملتی، تو رات کی فرصت کی گھڑیوں میں اپنے اَن پڑھ باپ کو لکھنا پڑھنا سکھاتا۔

پیٹ پالنے کی خاطر اس نے جوتوں کی مرمت کا کام بھی کیا ہے۔ جو ہمارے ہاں پرلے درجہ کی بے عزتی ہے۔ اور جسے ہم ذلیل دھندا خیال کرتے ہیں۔ مگر بھائیو۔ دیانتداری کے ساتھ کسی ذلیل سے ذلیل دھندے سے دو پیسہ کمانا، بے ایمانی کی عزت والی نوکری سے بدرجہا بہتر ہے اور یہ عیب نہیں ہے۔ یُورپ کے لوگ بھی اگر ہماری جہالت کی پیروی کرتے، تو آج ان کی حالت کبھی ہم سے اچھی نہ ہوتی۔

ہم اُوپر بتا چکے ہیں کہ جارج اولوالعزم تھا۔ تقدیر بھی اُس کا ساتھ دے رہی تھی۔ اُس نے گھڑی کے پرزوں کو الگ الگ کرکے نئے سرے سے جوڑنا شروع کیا۔ بہت دفعہ گھڑی کو ٹھیک طریق سے جوڑ نہ سکا۔ کبھی کوئی پُرزہ توڑ ڈالتا۔ جس سے لوگوں کے طعنے سہتا۔ مگر لوگوں کی پھبتیوں کی پروا نہ کرتا۔ ہمت کا تھا پکّا۔ ناکامی سے ہتھیار نہ ڈالے۔ بلکہ آگے کو چلتا رہا۔ آخر وہ دن بھی آیا کہ گھڑی سازی میں اس کا کوئی حریف نہ نکلا۔ اور اس طرح

ہمّت کا پھل اُسے مِل گیا۔

اس کے بعد اس نے ایک قسم کی گیس کا چراغ ایجاد کیا۔ جو اُس زمانہ میں کانوں میں جلایا جاتا تھا۔ اور جارج کے اس چراغ نے بہت آسانیاں پیدا کیں۔ کیونکہ یہ ہوا کے بڑے جھونکوں سے بھی بجھنے نہیں پاتا تھا۔ اس لئے لوگوں نے اسے بہت پسند کیا۔

جارج کان میں انجن کے کام پر مامور ہوا۔ روزانہ اس کا یہی مشغلہ رہا، کہ انجن کے پرزوں کو الگ کرنا اور پھر صحیح طور پر انہیں جوڑنا۔ اُس وقت اس کے دماغ میں یہی خیال ہوا کرتے تھے کہ "کوئی ایسا انجن بنایا جائے، جو پہیّوں پر کھڑا رہے۔ اس کی طاقت سے پہیّے خود بخود چلیں۔ اور بڑے بڑے وزن کھینچے، اور دھکیلے" خیالات کا دماغ میں چکّر لگاتا تھا کہ اس مطلب کے لئے کچھ پُرزے ڈھونڈ نکالے۔ باقی خود تیار کئے۔ ہنسنے والوں اور ایسے لوگوں کو جو خود تو کچھ کر نہیں سکتے لیکن دوسروں کو کام کرتے دیکھ کر ہنستے ہیں۔ بن پیسے کا تماشہ ہو گیا۔ وُہ جارج کے اس مجنونانہ فعل پر ٹھٹّھا لگاتے۔ اُسے دیوانہ کہتے۔ مگر شاباش جارج۔ ہمّت اسی کا نام ہے۔ وہ ہنسنے والوں کی ہنسی کی پروا نہ کرتا تھا۔ اور ایسوں کی اس کے پاس کچھ وقعت نہ تھی۔ ہمّت والے کی مدد کرنے والا خدا۔ خُدا نے جارج کی مدد کی۔ اور چند سالوں کی لگاتار کوشش کے بعد اس کی خیالی باتوں نے اُسی کے ہاتھ سے عملی جامہ پہنا جو آج ریل گاڑی کی صورت میں دن میں کئی کئی بار نظر آتا ہے۔

بشیر سرودھنی

گلیور کا بحری سفر

(گزشتہ سے پیوستہ)

مَیں اُن کی باتوں سے سمجھ گیا۔ کہ یہ میری ٹوپی ہے۔ جو کہ جہاز سے اُترتے وقت اسی جگہ رہ گئی تھی۔ مَیں نے بادشاہ کو عاجزی سے کہا۔ کہ "یہ چیز میرے استعمال کی ہے۔ اس کو جتنی جلدی ہو سکے لانے کا حکم دیں۔" بادشاہ کے حکم کے مطابق میری ٹوپی ایک پانچ گھوڑوں والی گاڑی سے لائی گئی۔ مجھے دیکھنے سے معلوم ہُوا کہ میری ٹوپی اچھی حالت میں نہیں ہے۔ کیونکہ بادشاہ کے خادموں نے ڈیڑھ ڈیڑھ انچ کے فاصلے پر سوراخ کر کے اُن میں رسّیاں ڈال کر گاڑی سے باندھ دیا تھا۔

اس کام کے دو دن بعد بادشاہ نے اپنی فوج کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ اور ایک بہت ہی عجیب کھیل سے اپنا دِل خوش کرنے کا ارادہ کیا۔ بادشاہ نے چاہا۔ کہ مَیں اپنی ٹانگوں کو اتنا چوڑا کر لوں جتنا کہ مَیں بآسانی کر سکتا ہوں۔ پھر اس نے اپنے جرنیل (جو کہ ایک بُوڑھا تجربہ کار اور میرا بڑا حامی اور مددگار تھا) اور فوجوں کو میرے نزدیک کھڑا کرنے اور میرے نیچے سے گزرنے کا حکم دیا۔ ہر ایک قطار میں چوبیس پیادے اور سولہ سوار تھے۔ ہر ایک فوجی آدمی نے اپنا اپنا بھالا سنبھالا ہُوا تھا۔ ڈھول بج رہے تھے۔ تین ہزار فوج کے تمام آدمی باری باری سے گزرنے لگے۔

مَیں نے اپنی آزادی کے واسطے اتنی درخواستیں کیں۔ کہ آخرکار بادشاہ نے اس معاملے کا ذکر اپنے خاص وزیروں کی مجلس اور پھر پوری کونسل میں کیا۔ اس کونسل میں سکائی ایش لوگولام کے کسی

نے بھی میری مخالفت نہ کی۔ خدا معلوم وہ کیوں میرے برخلاف تھا۔ یہ شخص وزیر سلطنت کا سارک تھا۔ اور بادشاہ کے معتبر آدمیوں میں سے تھا۔ ریاست کے کاموں میں ماہر ہونے کے علاوہ بڑا تجربہ کار اور ہوشیار آدمی تھا لیکن اس کی شکل منحوس تھی۔

آخر کار اُس کو بھی رضامند ہونے کی ترغیب دی گئی۔ لیکن اس نے کہا کہ اُن شرطوں کو جن پر وہ رہا کیا جائیگا میں تیار کرونگا۔ ان شرطوں کو سکائی ریشن خود میرے پاس لایا۔ اس کے ساتھ دو نائب سیکرٹری اور کئی بڑے عہدے دار تھے۔ مجھے وہ شرطیں پڑھ کر سُنائی گئیں۔ اور اُن کو پورا کرنے کی قسم کھانے کے لئے کہا گیا۔ اور قسم کھاتے وقت مجھے ایک عجیب شکل بنانی پڑی۔ جیسا کہ اُن کے ملک میں رواج تھا۔ وہ طریقہ یہ تھا۔ کہ میں اپنے دائیں پاؤں کو اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑوں۔ اور دائیں ہاتھ کی درمیانی اُنگلی کو اپنے سر کی چوٹی پر رکھوں اور اپنا انگوٹھا اپنے دائیں کان کے سرے پر۔ چونکہ نونہالوں کو ان لوگوں کے خاص بیان کے طریقے کا کچھ حال معلوم کرنے اور ان شرطوں کو جن پر میں آزاد کیا گیا تھا معلوم کرنے کا شوق ہوگا۔ اس لئے میں نے تمام نوشت کا حرف بہ حرف ترجمہ جتنا کہ میں کر سکا کیا ہے۔ اور میں یہ پیارے نونہالوں کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

للیپٹ کا طاقتور بادشاہ جس کی سلطنت پانچہزار ملسٹرگ تک پھیلی ہوئی ہے (یعنی محیط میں بارہ میل کے قریب) جو کہ شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ جس کے قدم زمین کے مرکز کو چھوتے ہیں۔ اور جس کا سر سورج سے ٹکراتا ہے۔ جس کے اشارے پر دُنیا کے شہزادوں کے گھٹنے کانپتے ہیں۔

بہار جیسا خوشگوار۔ گرمی جیسا آرام دہ۔ اور خزاں جیسا پھلا پھولا۔ اور جاڑے جیسا خطرناک۔ ایسا ہمارا اعلےٰ بادشاہ اِس قوی ہیکل انسان کے لئے جو کہ ہماری بہشت نشاں سلطنت میں آیا ہے۔ مندرجہ ذیل شرائط تجویز کرتا ہے۔ اور جن کی پابندی کے لئے اسے قسم کھانی پڑے گی۔

(۱) وہ بغیر ہمارے خاص حکم کے ہمارے دارالخلافہ میں نہیں آئیگا۔ اور اس وقت باشندوں کو اپنے گھروں کے اندر رہنے کے لئے دو گھنٹے پیشتر آگاہ کیا جائیگا۔

(۲) مذکورہ بالا قوی ہیکل انسان اپنی سیر کو بڑی بڑی شاہراہوں تک محدود رکھے گا۔ اور کسی اناج کے کھیت یا چراگاہ میں نہیں جانے گا۔

(۳) جبکہ وہ مندرجہ بالا سڑکوں پر چل پھر رہا ہوگا، تو اُسے احتیاط رکھنی چاہیئے۔ کہ ہماری پیاری رعایا کا کوئی آدمی اُس کے پاؤں کے نیچے نہ کُچلا جائے۔

(۴) اگر کوئی غیر معمولی کام فی الفور کرنا ہو، تو قوی ہیکل انسان اپنی جیب میں ایک ایلچی کو مع گھوڑے کے ایک مہینہ میں ایک دفعہ چھ دن کے سفر کے لئے لیجائے۔

(۵) بلیفسکو کے جزیرے میں ہمارے دُشمنوں کے برخلاف ہمارا مددگار بنے۔ اور اس بیڑے کو جو کہ ہم پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہو رہا ہے تباہ کرنے کی کوشش کرے۔

(۶) خالی وقت میں یہ انسان ہمارے مزدوروں کو بڑے بڑے پتھر شکارگاہ اور دوسری شاہی عمارتوں کی دیواروں کی طرف لے جانے میں مدد دیگا۔

(۷) دو ماہ کے عرصہ کے اندر ہماری سلطنت

کے محیط کا ٹھیک پیمانہ اپنے قدموں سے
ماپ کر بنائیگا۔

اگر ان تمام شرطوں کو یہ انسان پُورا
کرنے کی قسم کھائے، تو اس انسان کو اتنی
روزانہ خوراک ملے گی، جتنی ہماری رعایا کے
ستارہ سو چوبیس آدمیوں کے گزارے کے
لئے کافی ہے۔"

مَیں نے نہایت خوشی کے ساتھ ان
شرطوں کو پُورا کرنے کی قسم کھائی، اور دستخط
کر دِئے۔ اگرچہ ان میں بعض ایسی باعزت
نہیں تھیں جیسی کہ مَیں چاہتا تھا، یہ تمام
امیر البحر اعظم سکائی ریش کی دشمنی کا نتیجہ تھا
میری سب زنجیریں کھول دی گئیں۔ اور
مَیں آزاد ہوگیا۔ بادشاہ نے خود اس رسم
پر تشریف لاکر مجھے عزت بخشی۔ مَیں نے یہ
تمام باتیں بادشاہ کے قدموں پر گر کر قبول
کیں۔ بادشاہ نے مجھے اُٹھنے کا حکم دِیا۔
اور بہت ہی مہربانی کی باتوں کے بعد کہا۔
"مَیں امید کرتا ہوں کہ تم میرے لئے
ایک مفید نوکر ثابت ہوگے۔ اور میرے
تمام احسان جو کہ مَیں نے تم پر کئے ہیں،
رائگاں نہیں جائینگے۔"

مَیں جس وقت آزاد ہوگیا۔ تو ایک
دن مَیں نے اپنے ایک اہلکار دوست
سے پُوچھا۔ کہ ان لوگوں نے کس طرح میری
خوراک کے بارے میں ایک خاص تعداد
قائم کی۔" اُس نے مجھے بتایا۔ کہ "بادشاہ کے
حساب دانوں نے ایک آلے سے میرے
جسم کی لمبائی ناپی۔ اور اپنی اُونچائی کے مقابلے
میں بارہ اور ایک کی نسبت معلوم کی۔ انہوں
نے اپنے جسم کے مقابلے سے نتیجہ نکالا کہ میرے
جسم میں ان کے ۱۷۲۴ آدمی آسکتے ہیں اور
چنانچہ اتنی ہی خوراک ہوگی جتنی کہ للیپٹ کے
باشندوں کی اتنی تعداد کے گزارے کے لئے

کافی ہو۔ اس بات سے پیارے نونہال بھائیو آپ ان لوگوں کی عقلمندی کا اندازہ لگا سکتے ہو۔ اور خیال کر سکتے ہو کہ وہ لوگ کس قدر عقلمند اور حساب دان تھے۔ (باقی پھر)

سیّد غلام مصطفےٰ عابد

لطیفے

۱- ایک نوجوان دیہاتی گھر سے خفا ہو کر کلکتہ چلدیا۔ گھر پر کیا کیا حادثے ہُوئے، ماں مر گئی، باپ مر گیا۔ مگر اُس نے گھر کا رُخ نہ کیا۔ ایک صاحب کے یہاں نوکری کر لی۔ مسلسل سات آٹھ برس تک گھر نہ آیا۔ اب تو وہ اپنے خیال میں خود بھی صاحب بن گیا تھا۔ جیسے کوئی احمق ایک گرہ ہلدی پا کر پنساری بن گیا تھا۔ اسی طرح اس نے بھی صاحب سے سُنے سُنائے چند لفظ انگریزی کے یاد کر لئے تھے، جو اس کی زبان پر چڑھے ہُوئے تھے۔ اور موقع بے موقع بولا کرتا تھا۔ جب عرصہ کے بعد وہ گھر آیا، تو اپنے بھائی سے کہا۔ کہ باپ کی جایداد تقسیم کر دو۔ اُس نے کہا۔ کہ تقسیم کیسی۔ مَیں باپ کے مرنے کے بعد چھ سات سال سے اس کی حفاظت میں روپے صرف کر رہا ہوں۔ پہلے اس کی صفائی کرو۔ پھر تقسیم کا نام لو۔ بنے ہُوئے صاحب نے کہا۔ "اُ مَین (o man) ہم یہ نہیں مانگتا۔" بھائی نے کہا۔ گالی نہ دو۔ اگر ہم مَین، تو تم بھی مَین اور تمہارا باپ بھی مَین۔ پھر مَین زبان سے نکالا تو ساری میں میں بھلا دُونگا۔

۲- باپ۔ "کیوں کریم تم سکول میں کیا کرتے ہو۔ پڑھنا سیکھتے ہو؟"
کریم۔ "جی نہیں۔" باپ۔ "تو پھر کیا کرتے ہو۔"
کریم۔ "بیٹھا انتظار کرتا رہتا ہوں، کہ کب چُھٹی کا گھنٹہ بجیگا۔" جلیس

ہمدردی اور اُس کا اجر

اسحاق سکول سے خوش و خرّم واپس آ رہا تھا۔ اور خوشی کے جوش میں آہستہ آہستہ گا بھی رہا تھا۔ اُس کا مقصد اس وقت اس کے سوا کچھ اور نہ تھا کہ وہ ٹھنڈی سڑک کے سُہانے منظر کے بعد "پیریڈ" طے کرتا ہُوا اپنے مکان کے عالیشان دروازے میں داخل ہو جائے۔ اور اُس کی ماں اُس کے روبرو ایک سفید دسترخوان پر کھانا چُن دے۔ اسحاق کو شدت سے بھوک لگ رہی تھی اور وہ تیزی سے گھر جا رہا تھا۔ اُس کے ساتھ سکول کے دو تین اور شوخ و شریر لڑکے بھی بیگ ہلاتے ہُوئے آ رہے تھے۔ منظر شام کے سُورج کی زردی مائل دُھوپ سے سُنہرا سا ہو رہا تھا۔ اور سکول کے یہ چار پانچ "ہرن" بے فکری سے سڑک پر چوکڑیاں بھر رہے تھے۔

(۲)

درختوں کے گنجان حصّہ کی جانب سے زور کی آواز آئی۔ اسحاق چونکّا ہُوا۔ لڑکوں نے آپس میں کہا۔ "چلو چلو دیکھیں، کون رو رہا ہے۔" اور سب تیزی سے درختوں کے گنجان حصّہ کی جانب بڑھ آئے۔ کیمل کے درختوں کے پیچھے پھوس کے جھونپڑوں کا سلسلہ پھیلا ہُوا تھا۔ ایک پُرانی سی دیوار کے سہارے ایک غریب اور کم عمر لڑکا کھڑا بے اختیار رو رہا تھا۔ اِدھر اُدھر چلنے پھرنے والے سب اُسے بے پروائی سے دیکھ کر چلے جاتے۔

لڑکوں نے کہا۔ "گھر کو چلو۔ ہمیں کیا! روتا ہو گا۔"

اسحاق کا دل اُس کا برباد حال دیکھ کر بھر آیا۔ وہ لڑکوں سے کہنے لگا۔ "تم سب جاؤ۔

مجھے اس کا حال پوچھنا ہے۔"

لڑکے (ہنس کر) واہ دوست تم تو نرے احمق ہو۔"

اسحاق نے پروا نہیں کی۔ وہ آگے بڑھا۔ اور کتابوں کا بیگ داہنے ہاتھ سے بائیں میں بدل کر کہا:۔

"دوست کیا حال ہے کیوں روتے ہو۔"

لڑکا۔ (سسکی بھر کر) "آپ پوچھ کر کیا کرینگے۔"

اسحاق: "جو کچھ مجھ سے ممکن ہو گا۔"

لڑکا۔ "میرے ماں باپ کا انتقال ہو گیا۔ میرے چچا رئیس آدمی تھے۔ مگر اُنھوں نے مجھے ایک جگہ نوکر کرا دیا۔ میرے آقا کا مزاج بہت سخت تھا۔ وُہ مجھے ایک روپیہ مہینہ اور کھانا دیتے تھے۔ پانچ مہینہ کے پانچ روپیہ اُنھی کے پاس جمع ہیں۔ آج اِتّفاق سے صفائی کے وقت میرے ہاتھ سے اُن کا بلور کا اگالدان ٹُوٹ گیا۔ جس کے دام وہ آٹھ روپے بتاتے ہیں۔ اُنھوں نے مجھے بیس قمچیاں ماریں۔ پانچ روپیہ جرمانہ کاٹا، اور اب یہ کہکر نکال دیا ہے کہ شام تک اُگالدان کے دام لادو۔ نہیں تو سخت سے سخت سزا ملیگی۔ مَیں اپنے چچا کے پاس گیا۔ مگر اُنھوں نے بھی جھڑک دِیا۔"

اسحاق کے آنسو اب اُس کی آنکھوں سے نکل کر گالوں پر بہ آئے۔ اُس نے آہستہ سے کہا۔ "تم ٹھہرے رہو۔"

اور تھوڑی دیر میں آٹھ روپے لڑکے کو لاکر دے دِئے۔

(۳)

اسحاق نے آٹھ روپے جو اُس کے وظیفہ کے جمع تھے۔ اُس لڑکے کو دے تو دِئے۔ مگر وہ اپنے ماموں کے خیال سے بہت خوفزدہ تھا۔ اسحاق کا باپ کانپور میں ملازم تھا۔ اسحاق کی ماں اپنے بھائی کے یہاں رہتی تھی۔ اور اپنی جائیداد کی آمدنی سے اپنا

خرچ چلاتی تھی۔ اسحاق کے ماموں کو بہت جلد معلوم ہو گیا۔ کہ اسحاق نے اپنے وظیفہ کی جمع شدہ رقم تلف کر دی۔ وہ قدرے بدمزاج آدمی تھا۔ اُس نے اسحاق کو بُلوایا۔

اسحاق کا دل دھڑک رہا تھا وہ خوفزدہ تھا کہ اب ماموں یقیناً برہم ہونگے۔

ماموں نے سُرخ آنکھیں کر کے" اسحاق۔ تم اسی طرح فضول خرچیاں کرتے رہو گے۔"

اسحاق۔" ماموں جان مَیں قسمیہ عرض کرتا ہوں، مَیں نے فضولخرچی نہیں کی۔ بلکہ ایک قابلِ امداد لڑکے کی امداد کی ہے۔

ماموں۔" تم زبان بھی چلاتے ہو اور باز بھی نہیں آتے۔ اچھا تمہاری سزا یہ ہے۔ کہ اُس آوارہ لڑکے کو تلاش کر کے اپنا روپیہ واپس لے لو۔ ورنہ تمہیں سکول سے اُٹھا لیا جائیگا۔

میرے پاس اتنا روپیہ نہیں ہے۔ کہ تمہارے ایسے اخراجات برداشت کر سکوں،

اسحاق اپنے ماموں کے کمرے سے سر جُھکائے ہُوئے نِکلا۔ اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگی ہُوئی تھیں۔ وُہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اور بستر پر گر کر بیتابی سے رونے لگا۔

"اے اللہ! مَیں نے تو ہمیشہ سُنا تھا کہ انسانی ہمدردی کا بہترین اجر ملتا ہے۔ مگر اے خُدا مَیں تو اُلٹا مبتلائے عذاب ہو گیا اب مَیں کہاں سے روپیہ پیدا کروں، نہیں تو سکول سے اُٹھنا پڑیگا۔"

اُس کے دل نے کہا۔" اسحاق نیکی کا پھل ہمیشہ میٹھا ہے۔" اور اسحاق کی آنکھ لگ گئی۔

(۴)

کِسی نے اسحاق کے سر پر ہاتھ رکھ کر اُسے جگایا۔ اور اُس کی آنکھیں کُھلتے ہی ماں نے کہا۔" اسحاق دیکھو تو تمہارا نام

لے کر کون پکار رہا ہے۔ اسحاق جلدی سے باہر آیا۔ اور جب واپس لوٹا تو اُس کے گال خوشی سے چمک رہے تھے۔ اُس نے اپنی ماں کے پاس آکر خوشی کے لہجہ میں کہا۔

" امی جان ہمارے ابا کے پاس سے منی آرڈر آیا ہے۔ بیس روپیہ اُنھوں نے مجھے بھیجے ہیں۔ اور رسید پر لکھا ہے کہ میں اتوار کی شام کو پہنچونگا۔"

اسحاق کی ماں اپنے خاوند کی واپسی کی خبر سُنکر بے اختیار رونے لگی۔

اسحاق کا باپ اتوار کی شام کو آگیا۔ اسحاق کا دِل خوشی سے مُسکرا رہا تھا اُس نے کھانے کے بعد رات کو بڑے لطف سے اپنے باپ کو اپنی ہمدردی کا قصّہ سُنایا اور اُس کے اجر کا بیان کرتے ہُوئے جوشِ مسرت سے اُس کی پیشانی دمکنے لگی۔

اور جب اُس نے کہا۔

" میری ہمدردی کی بدولت خدا نے میرے بچھڑے ہُوئے باپ سے ملایا۔" تو اُس کی ماں شدت خوشی سے رونے لگی۔

(۵)

اسحاق کا باپ اُسے اور اس کی ماں کو کانپور لے گیا۔ اسحاق اپنے ماموں کی سختی سے نِکل کر اپنے باپ کی محبتوں میں پرورش پانے لگا۔ اور ایک دن تعلیم پُوری کر کے کلکتہ ہائیکورٹ کا جج مقرر کیا گیا۔

بلقیس جمال

لطیفہ

ماسٹر:" کیوں کدار ناتھ کل کا سبق یاد کر چکے؟"
کدار ناتھ:" کل یاد کر چکا ہوں۔ صرف وہی نہیں یاد ہے، جو آپ پُوچھینگے۔" جلیس

(مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ گوپال داس پرنٹر چھپا اور دارالاشاعت ادب تعلیمی کے لئے محمد اسمٰعیل لکھیسر پبلشر و پروپرائٹر ... لاہور)

بچوں کیلئے نہایت ہی دلکش اور سبق آموز کتابیں

فطرت نگار سُدرشن صاحب کے قلم جادو رقم سے

پارس } نہایت ہی دلکش اور دلچسپ کہانیاں ہیں۔ جنہیں بچے بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ اخبارات و رسائل نے اس پر بہت زبردست ریویو کئے ہیں۔ اس میں تین رنگدار تصویریں بھی ہیں۔ صاحب ڈائرکٹر بہادر نے اسے زائد ریڈر منظور کیا ہے۔ قیمت ۶ر حصہ دوم ۹ر

بچوں کے لئے رامائن } ہندوؤں کی مشہور کتاب رامائن کا نام کس نے نہ سُنا ہوگا۔ مگر بچوں کیلئے آسان عبارت میں کوئی **رامائن** آجتک نہ لکھی گئی تھی۔ اس کمی کو پنجاب کے مشہور ادیب فطرت نگار فسانہ نویس جناب **سُدرشن** صاحب نے پورا کر دیا ہے۔ اور بچوں کے لئے رامائن لکھ دی ہے اسکی زبان بڑی آسان اور مزیدار ہے۔ اس میں کئی رنگدار تصویریں بھی ہیں۔ اور صاحب ڈائرکٹر بہادر سرشتہ تعلیم پنجاب نے اسے سرکلر نمبر ۱ سیریل نمبر ۱۱۰۵۹ بی مجریہ ۱۵ ستمبر ۱۹۲۶ء کی رو سے انعام اور لائبریریوں کیلئے منظور فرمایا ہے۔ (عمر)

بچوں کیلئے مہابھارت } رامائن کے بعد لوگوں کا تقاضا تھا کہ مہابھارت تیار کرو۔ چنانچہ فطرت نگار **سُدرشن** نے بچوں کے لئے آسان عبارت میں یہ کتاب بھی تیار کر دی ہے۔ بڑی آسان عبارت ہے۔ اور کئی رنگدار تصویریں بھی ہیں۔ قیمت (۱۴ر)

امرت } اس کتاب میں ایسی مزے کی کہانیاں ہیں۔ کہ بچے پڑھ کر ناچنے لگ جاتے ہیں۔ اگر کہانیوں کے سلسلے میں بچوں کو اخلاق کے سبق سکھانے ہوں تو انہیں یہ کتاب دیدیجئے۔ اسمیں بھی رنگدار تصویریں ہیں۔ پانچویں چھٹی جماعت کیلئے بہت اچھی کتاب ہے قیمت (۸ر)

دُنیا کے عجائبات } اس کتاب میں قدیم دُنیا کے سات عجائبات کا بڑا ہی پُرلطف بیان ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتوں عجائبات کی تصویریں بھی ہیں۔ صاحب ڈائرکٹر بہادر نے اس کتاب کو بھی سرکلر نمبر ۱ سیریل نمبر ۱۱۰۵۹ بی مجریہ ۱۵ ستمبر ۱۹۲۶ء کی رو سے لائبریریوں اور انعام کے لئے منظور فرمایا ہے۔ قیمت (۸ر)

رُستم و سُہراب } یہ شاہنامہ کا مشہور قصہ ہے۔ جسے فطرت نگار **سُدرشن** صاحب نے بچوں کے لئے آسان زبان میں لکھا ہے۔ اور حق تو یہ ہے کہ لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اور جگہ جگہ اس

اس قصہ سے جو سبق ملتے ہیں۔ وہ بھی نکال کر دکھلائے ہیں۔ اور ایسی خوبی سے کہ پڑھ کر جی خوش ہو جاتا ہے۔ لکھائی چھپائی بڑی صاف ہے۔ اور تین رنگدار تصویریں ہیں قیمت آٹھ آنے (۸ر)

پھول وتی ایک لڑکی ہمیشہ سچ بولتی تھی اور کبھی جھوٹ نہ بولتی تھی۔ اس پر بڑی بڑی مصیبتیں آئیں۔ لیکن اس بہادر لڑکی نے پھر بھی حوصلہ نہ ہارا۔ آخر سچ کی فتح ہوئی۔ اور اس لڑکی کے دن پھرے کس طرح یہ پڑھ کر معلوم ہوگا۔ اخلاق کو بنانے کے لئے ایسی کتاب اردو میں آج تک نہ چھپی ہوگی۔ چار رنگدار تصویریں ہیں قیمت (۱۰ر)

چندن پنجاب کے بہترین افسانہ نویس سُدرشن صاحب کی بے نظیر کہانیوں کا مجموعہ جس نے قصہ نویسی کے میدان میں پنجاب کی لاج رکھ لی ہے۔ اس میں عشقیہ کہانیاں نہیں ہیں۔ بلکہ زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آٹھویں جماعت کے طلبا کے لئے بڑے کام کی چیز ہے۔ قیمت صرف (۱۲ر)

بہارستان یہ کتاب بھی سُدرشن صاحب کی کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ ادب کے لحاظ سے سُدرشن صاحب کی کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جس کو بہترین کہانیاں پڑھنا ہوں اسے یہ کتاب پڑھنی چاہیے۔ نویں اور دسویں جماعت کے لئے بہت موزوں ہے۔ قیمت (۱۲ر)

محبت کا انتقام یہ ایک ناٹک ہے۔ جس نے ہندوستانی ناٹک کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ اس کے ہندی ایڈیشن پر ٹیکسٹ بک کمیٹی پنجاب نے سُدرشن صاحب کو پانچسو روپیہ انعام دیا ہے۔ اس کتاب کی ایک سو پچاس جلدیں قیمتاً خرید کر سکولوں میں تقسیم فرمائی ہیں۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ کتاب طلبا کیلئے کیسی مفید ہوگی (۱۰ر)

قوم پرست یہ کتاب تاریخی ناٹک ہے۔ جس کا دورِ حاضرہ کی سیاست سے چنداں علاقہ نہیں۔ بچوں کو صحت بخش حب الوطنی کے سبق دینا ہو۔ تو یہ کتاب بڑے معرکہ کی ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

کنج عافیت:۔ ایک مزیدار کہانی۔ نہایت سبق آموز ہر ہندوستانی بچہ کو پڑھنی چاہیئے۔ قیمت چھ آنے (۶ر)

آنریری مجسٹریٹ نہایت ہی دلچسپ مذاقیہ ناٹک ہے جسے پڑھ کر بچے ہنس ہنس کر لوٹ جائیں گے۔ پچاسوں سکولوں میں کھیلا جا چکا ہے۔ بڑے مزے کی کتاب ہے۔ قیمت صرف چار آنے (۴ر)

چند عجیب و غریب اشیاء

جیبی سگریٹ مشین

ایک گھنٹہ میں ۲۰۰ سگریٹ تیار کرتی ہے۔ ترکیب نہایت سہل ہے۔ تمام کی تمام گلٹ کی ہوئی ہے۔ نہایت ہی مختصر اور چھوٹی سی مشین ہے۔ سفر کے لئے نہایت ہی مفید چیز ہے کیونکہ یہ کوٹ کی جیب میں بھی رکھی جا سکتی ہے۔

قیمت فی مشین صرف چار روپیہ۔ ڈاک خرچ علاوہ

آگ جلانے کی مشین

اس مشین سے کئی کام لئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً بلا مدد دیا سلائی آگ جلانا، سگریٹ جلانا وغیرہ وغیرہ

قیمت فی مشین صرف ایک روپیہ آٹھ آنہ علاوہ خرچ ڈاک

جیبی چھاپہ خانہ یا گھر گھر!

یہ انگریزی کا چھاپہ خانہ قابل تعریف ہے۔ اس سے لفافہ۔ ملاقاتی کارڈ دوسنہریں جو دل چاہے چھاپ سکتے ہیں۔ قابل خرید ہے

قیمت فی چھاپہ خانہ صرف ڈور دپیہ علاوہ خرچ ڈاک

ھینڈ کیمرہ

یہ کیمرہ خاص طور پر جرمنی سے تیار کروایا گیا ہے۔ عورت مرد جانور۔ درخت مکان گرجا مسجد۔ مندر اور ریل وغیرہ چلتے پھرتے اور بیٹھتے ہوئے کی خوبصورت اور دلپسند فوٹو اتارنے کیلئے کم از کم ایک بار ضرور منگائیں۔

قیمت چھوٹا سائز پانچ روپیہ (صہ)

قیمت بڑا سائز صرف دس روپیہ (۱۰)

علاوہ خرچ ڈاک

کشیدہ کاڑھنے کی مشین

لڑکیاں اس سے کرسیوں کی گدیاں، سرہانوں کے غلاف غالیچے، شال۔ چادریں۔ دوپٹے۔ سوٹ وغیرہ وغیرہ غرضیکہ کئی قسم کے گرم سرد اور ریشمی کپڑوں پر اون سوت اور ریشم سے ہر قسم کے پھول اور گلکاریاں بنا سکتی ہیں۔ ترکیب نہایت آسان ہے۔ غریب لڑکیوں کے لئے روزگار اور امیروں کیلئے ایک اعلیٰ تحفہ ہے۔

قیمت فی مشین صرف چار روپیہ۔ علاوہ خرچ ڈاک۔

منیجر رکماس اینڈ کمپنی پوسٹ بکس نمبر ۹۹ لاہور

قیمت سالانہ پانچ روپے　　رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۴۱۵　　قیمت ششماہی عہ۲ فی پرچہ ۲ر

نونہال

آنریری ایڈیٹرز:-

حکیم احمد شجاع بی اے (علیگ)　　سید غلام رسول طاہر جالندہری

ایڈیٹر:- محمد اسمٰعیل نعیم لکھیسر

جلد (۸)　فہرست مضامین بابت ۸- مئی سنہ ۱۹۲۶ء　نمبر (۱۷)

دلچسپ معلومات

دُنیا کی عظیم الشان آبشار برف کا تودہ بن گیا۔ چونکہ اس سال زبردست برف باری ہوئی ہے۔ اس لئے دُنیا کی عظیم الشان آبشار نیا گرا مکمل طور پر منجمد ہوگئی ہے۔ اور پانی کا بہنا بالکل بند ہوگیا ہے۔ اور اس سے پیشتر تین دفعہ یہ وسیع ترین اور بلند ترین آبشار منجمد ہوئی تھی۔

مثلاً فروری ۱۹۰۹ء میں

مارچ ۱۹۰۳ء میں

اور مارچ ۱۸۴۴ء میں

بنگلور کے ڈیری فارم میں ایک ایسی دُودھ دینے والی گائے ہے جس نے سال بھر میں ۱۷۲ من دُودھ دیا ہے۔

آزاد گھوڑے۔ ممالک متوسط میں ایسے گھوڑے دیکھے گئے ہیں، جو جنگلوں میں رہتے ہیں۔ اور ہزار کوشش کرنے پر بھی انسان کے ہاتھ اپنی آزادی نہیں بیچتے۔

زہریلی مکڑی۔ مکڑیاں دو قسم کی ہوتی ہیں جن میں سے ایک تو کاٹنے والی ہوتی ہیں۔ اور اُن کا کاٹنا بھی خوفناک ہوتا ہے دوسری قسم کی مکڑیاں کاٹتی نہیں ہیں۔ اُن کی پہچان یہ ہے کہ جو مکڑی چمکیلی اور دیکھنے میں خوبصورت و دلکش معلوم ہوتی ہو، وُہ بہت زہریلی ہوتی ہے۔ لیکن عام مکڑی کا ڈنک زہریلا نہیں ہوتا۔

امریکہ کے پریسیڈنٹ کو لوگوں کے ساتھ ہاتھ ملانے میں ہفتہ میں چار گھنٹے صرف ہوتے ہیں۔

(۱) کفایت شعاری سے زندگی کی نصف مہم سر ہوجاتی ہے۔

(۲) ہر معاملے میں تحمل اور احتیاط سے کام لو

طاہر

مینہ کی پہلی بوند

بہت دن کی یہ بات ہے ایک سال ۔۔۔ نہ برسا جو مینہ ۔ تو پڑا خوب کال
لگاتار گرمی جو پڑتی رہی ۔۔۔ زمیں تانبے کی طرح تپتی رہی
تپا دھوپ سے بے طرح کل جہان ۔۔۔ ہوئیں سوکھ کر زرد سب کھیتیاں
ترستے تھے بارش کو سب آدمی ۔۔۔ نظر سب کی تھی آسماں پر لگی !
نہ چارہ ملا ڈنگروں کو نہ گھاس ۔۔۔ خدا کی تھی ساری خدائی اداس
گیا اک کسان ایک دن کھیت پر ۔۔۔ اسے سوکھی کھیتی جب آئی نظر
تو اوپر لگا دیکھنے وہ کساں ۔۔۔ دکھائی دی چھوٹی سی بدلی وہاں
لگا کہنے دل میں کہ میرے خدا ۔۔۔ برس جائے بڑھ کر یہ بدلی ذرا
نیا رنگ دکھلائے قدرت تری ۔۔۔ ہری اس سے ہو جائے کھیتی مری
پریشان حال اس کا دیکھا یہ جب ۔۔۔ ترس آیا اک بوند کے دل میں تب
کہا اور بوندوں سے اپنا یہ بھید ۔۔۔ کہ ہے کھیت والے کی ہم پر امید
بس اب رحم بیچارے پر تم کرو ۔۔۔ برس جاؤ سب مل کے جلدی چلو
کرو اس کی کھیتی میں پیدا اناج ۔۔۔ برس جاؤ دل کھول کر اس پہ آج
اگر یہ تمہارا ارادہ نہیں ۔۔۔ بساط اپنی گو کچھ زیادہ نہیں
مگر کچھ نہ کچھ کام کر جاؤں گی ۔۔۔ جہاں میں بڑا نام کر جاؤں گی

(باقی پھر)

سپوت بیٹا

ایک وقت ایسا تھا، کہ ہندوستان انگریزوں کی جان لینے پر تُلا ہُوا تھا۔ اُس وقت انگریزوں کا سوائے خدا کے اور کوئی مددگار نہ تھا۔ ہر طرف سے قتل کی خبریں آتی تھیں۔ کہ آج فلاں جگہ صاحب میم صاحبہ اور بابا لوگ قتل کئے گئے۔ آخر ولایت سے امدادی فوج آئی۔ اُس فوج کی اُنیسویں پلٹن میں ایک رابرٹ نامی نوعمر لڑکا بھی آیا تھا۔ یہ اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کا باپ پہلے مر چکا تھا۔ اس نے رضاکاروں میں نام لکھایا۔ اُس نے قوم اور مُلک کی خاطر اپنی رانڈ ماں کا کچھ خیال نہ کیا۔ کہ وہ بیچاری کس کو دیکھ کر جئیگی۔ صبح و شام کس کو دیکھا کریگی۔ اِس کے تاریک گھر کا چراغ کون ہوگا۔ بے شک ماں کو بھی خیال گزرا، مگر مُلک اور قوم کی خدمت کے آگے اُس نے اپنے دل کو مضبوط کیا۔ اور نونہال بچّے کو بخوشی فوج میں بھرتی کرا دیا۔ آفرین صد آفرین اس ماں پر۔ اس ماں کا کلیجہ کس قدر بڑا ہوگا۔ جس نے مُلک و قوم کی محبت کے نشہ میں سرشار ہو کر اپنے لختِ جگر کو خونخوار ظالم دُشمنوں کے سامنے جانے کے لئے بخوشی منظور کر لیا۔ بلکہ اس خدمت پر ناز کرنے لگی۔ ہاں بہادروں کی مائیں بھی بہادر ہُوا کرتی ہیں۔

رضاکاروں کی فوج ہندوستان میں آئی۔ ہندوستان کی قسمت پلٹا کھا چکی تھی۔ کتنی مدت کے بعد انگریزوں کا بول بالا ہُوا۔ جو ہندوستان پر بلائیں نازل ہوئیں وُہ اس کہانی کا حصّہ نہیں ہیں۔

فتح کی خبریں ولایت میں اُڑ کر پُہنچ گئیں۔ جشنِ فتح منایا گیا۔ رضاکاروں کی

فوج بھی واپس گئی۔ اب کس کو خبر تھی۔ کہ کون باسلامت آیا۔ وہ اکلوتے بیٹے والی ماں۔ وہ جس کا گھر بے چراغ تھا۔ وہ عین اُس دِن بندرگاہ پر آئی۔ جس دِن جہاز کنارے پر آکر لگا تھا۔

سپاہی جہاز سے اُتر کر کنارے پر چلنے پھرنے لگے۔ وہ بڑی اماں۔ بیٹے کو دیکھنے کے شوق میں ماہی بے آب کی طرح مضطرب ہو رہی تھی۔ اور جھانک جھانک کے ہر ایک کو دیکھتی تھی۔ آخر ایک سپاہی آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھتا ہُوا آیا۔ یہ فوراً اس پر جھک پڑی۔ اور بڑی عاجزی سے اس طرح کہنے لگی۔

عورت۔ "اے نوجوان سپاہی! خُدا تجھے خوش رکھے۔ کیا تو بُوڑھی اماں کو ایک بات کا جواب دیگا۔"

سپاہی۔ "بڑی اماں۔ کہو، کیا کہتی ہو۔"

عورت۔ "کیا انیسویں پلٹن بھی آگئی ہے۔ اِس میں میرا بیٹا، میرا لختِ جگر۔ میرے گھر کا چراغ۔ آنکھ کا نور دل کا سرور بھی ہے؟ اس کی خبر سُناؤ۔"

سپاہی۔ "بڑی اماں! مَیں انیسویں پلٹن کو خوب جانتا ہوں۔ خود بھی اسی پلٹن میں ہوں۔ ہر ایک سپاہی سے واقف ہوں۔ اور ہاں تیرے بہادر بیٹے کا پیام لایا ہوں۔"

عورت۔ (بات کاٹ کر مشتاقانہ لہجہ سے) "کیا تو میرے رابرٹ کو جانتا ہے؟ اے نیک خو سپاہی۔ جلدی اس کا پیام سُنا۔ مگر اسی کے الفاظ دُہرانا۔ مَیں اس کی فرقت میں بیتاب ہُوئی جاتی ہوں۔"

سپاہی۔ "اس نے تمام معرکوں میں نام پیدا کیا ہے۔ اس نے اپنے کرنیل کی جان بچائی۔ جس کے عوض میں اُس نے بہادری کا تمغہ حاصل کیا۔ اور سرکار سے خاص وظیفہ

مقرر ہوگیا۔ تمام لوگوں کے دلوں میں اس کی عزت ہے۔"

عورت۔" اے مالکِ دوجہان تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ تونے میرے بچّے کو توپوں کی زد سے محفوظ رکھا۔ تلواروں کے وار سے بچایا۔

(پھر سپاہی کی طرف مخاطب ہوکر) ہاں بیٹا! اس کا پیام تو سُنا۔ میں بیتاب ہوئی جاتی ہوں۔"

سپاہی۔" اے اماں۔ تیرا لڑکا بڑی بہادری سے لڑا۔ قوم کو جاں نثاری کا ثبوت دیدیا۔ بڑے بڑے بہادر لوہا مان گئے۔"

عورت (اپنے متوفی خاوند کی یاد میں دو آنسو بہاتی ہے۔ پھر کہتی ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتا، تو بیٹے کی جاں نثاری کا حال سُنتا) کہ "ہاں بیٹا! تو اس کا پیام تو سُناؤ۔ کیا وہ بھی آیا ہے یا نہیں۔ اس کی صحت کیسے ہے۔ کیا وہ اپنی رانڈ ماں کو تو نہیں بُھولگیا؟"

سپاہی۔" اماں۔ تیرا لڑکا بڑا خوبصورت ہوگیا ہے۔ جس وقت وہ تجھ سے جدا ہوا تھا۔ اس وقت وُہ غنچہ تھا۔ اب پھول ہے۔ پہلے اس کے داڑھی نہ تھی، مگر اب خاصہ داڑھی والا مردِ جوان بن گیا ہے۔ تو شاید اُسے پہچان بھی نہ سکے۔ مگر اتنا ضرور کہونگا کہ وُہ تجھے ہرگز نہیں بھولا۔ برابر اپنی امّاں کو صبح و شام یاد کیا کرتا ہے۔ اور کرتا رہیگا۔ آج اس کا جہاز کنارے آلگا ہے وُہ خود تجھے آکر ملے گا۔"

عورت۔" میں قربان کبتک، کیا سچ مچ وُہ آچکا ہے۔"

سپاہی۔" ہاں ہاں اماں، وُہ سچ مچ آچکا ہے۔"

(اب عورت نے خوب غور سے اس کی شکل کی طرف دیکھا۔ اور پہچان گئی۔ کہ یہ

تو میرا ہی بیٹا ہے)

عورت۔ "او میرے پیارے رابرٹ!

اماں تمہارے واری"

سپاہی (رابرٹ) "میری پیاری اماں!

میں تجھ پر قربان۔"

پہلے تو ماں اپنے بیٹے کو کوئی سپاہی سمجھ رہی تھی اور اُسے پہچان نہیں سکی تھی۔ کیونکہ اب رابرٹ کی شکل وصورت بدل چکی تھی۔ اُس نے تو پہلے جیسا خیال کیا تھا۔ جب ماں نے پہچان لیا، تو دونوں گلے مل گئے۔ اور وفورِ محبّت سے آنسوؤں کے دریا بہا دئے....

نونہال بچّو۔ سُنی رابرٹ کی کہانی۔ کس طرح اس نے اپنے ملک اور قوم کی خدمت کی۔ تم بھی اس سے سبق سیکھو۔ اور اپنے مُلک اور قوم کی خاطر رابرٹ کی طرح اپنی جان وقف کر دو۔ اور اپنے افسروں کی جان بچانے کے لئے اپنی جان تک کی پروا نہ کرتے ہُوئے تمغے حاصل کرو۔

اور پھر خواہ تم کتنے ہی امیر اور بڑے مرتبے والے بھی ہو جاؤ۔ مگر اپنے بُوڑھے کمزور والدین کو نہ بھُول جانا۔ اسی خلوص و محبّت سے اُن کو ملو۔ جس طرح رابرٹ اپنی ماں کو ملا تھا۔

غازی فتح محمد

لطیفہ

ایک علم نباتات کا پروفیسر اپنے شاگرد کو ساتھ لئے ہُوئے تمباکو کے درخت دکھا رہا تھا۔ شاگرد نے کہا بہت خوبصورت پودا ہے۔ لیکن یہ تو بتائیے، اس میں سگرٹ۔ سگار اور چرٹ کے پھل کب لگتے ہیں۔

عبدالرشید

اورنگ آباد

جس وقت شاہ جہان شمالی ہند میں نئی دہلی کے بنانے میں مصروف تھا۔ شاہزادہ عالمگیر دکن میں ایک جدید شہر کی بُنیاد ڈال رہا تھا۔ اورنگ زیب کو دکن کی آب وہوا کچھ ایسی راس آئی کہ اس کی زندگی کا بیشتر حصّہ اسی سرزمین پر گزرا۔ چنانچہ وُہ شہنشاہ ذی وقار آج بھی اس خاک پاک خلدآباد میں آرام فرما ہے۔

سچ پُوچھو تو اورنگ آباد کچھ ایسے اہم موقع پر واقع ہُوا ہے کہ اسے اگر "دکن کا دروازہ" کہا جائے، تو بیجا نہ ہوگا۔ دولت آباد کے نامی گرامی قلعہ اور ایلورہ کے مشہور عالم غاروں کی قربت نے اس کی اہمیت کو اور بھی بڑھادیا ہے۔ بلکہ حق تو یہ ہے، کہ تاریخی نقطۂ نظر سے یہ شہر اپنے زمانہ میں دکن کے لئے "چھوٹی دِلّی" کی حیثیت رکھتا تھا۔

اورنگ آباد سطح سمندر سے تقریباً ڈھائی ہزار فیٹ بلند ہے۔ یہاں کا موسم بارہ مہینے قریب قریب یکساں رہتا ہے دن کو کسی قدر گرمی ہوتی ہے اور راتیں ٹھنڈی برسات میں بارش بھی یہاں خاص ہو جاتی ہے۔ گو آجکل اِس شہر کی آبادی پچیس تیس ہزار سے زاید نہیں۔ لیکن کتب تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سترھویں صدی عیسوی کے اخیر میں یہاں کی مردم شماری بارہ لاکھ سے اٹھارہ لاکھ تک پُہنچی ہُوئی تھی۔

اورنگ آباد نے ایک وہ زمانہ بھی دیکھا ہے۔ جب خاص دہلی اور آگرہ کے اکثر اہل علم وفن کھنچ کھنچ کر چلے آتے تھے۔ اور اورنگ زیب کا آخری قیام دکن میں اُردو ادب کی ترقی اشاعت کے واسطے باعث برکت ثابت ہورہا تھا۔ مگر اس

وقت شکستہ مسجدوں، منہدم مقبروں، اور مسمار شدہ عمارتوں کے آثار جو پانچ میل کے گرد و نواح تک پھیلے ہوئے ہیں۔ بزبانِ حال اس شہر کی قدیم عظمت و شان کا پتہ دیتے ہیں۔

اس مُلک میں پانی کی جو قلت رہتی تھی۔ اُسے دُور کرنے کے لئے ایران کی وضع پر زمین دوز نہریں تیار کرائی گئی تھیں تمام شہر میں جا بجا پانی کے خزانے میناروں کی شکل میں بنائے گئے تھے۔ تاکہ بلندی پر سے آس پاس کے اکثر حوضوں میں پانی پہنچایا جا سکے۔ اب بھی قریب قریب ہر مکان اور مسجد میں ایک ایک دو دو حوض موجود ہیں۔ اور شہر بھر میں ایسے حوضوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ آب رسانی کا یہ انتظام اس زمانہ کے نلوں سے بہتر اور آرام دہ ہے۔

یوں تو اورنگ آباد کے قرب و جوار کا ہر ہر چپہ تاریخ کا ایک دلچسپ ورق ہے مگر مندرجہ ذیل قدیم مقامات خصوصیت کے ساتھ قابلِ دید ہیں:۔

(ا) مقبرہ ملکہ رابعہ دورانی۔ ۲۔ مقبرہ شاہ سعیدؒ شاہ مسافر۔ ۳۔ مقبرہ شاہ نور حموی۔
۴۔ مقبرہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادی
۵۔ مزار میر سراج الدین سراج (شاعر)

ب۔ ۱۔ جامع مسجد عالمگیر۔ ۲۔ عالمگیری مسجد
۳۔ مسجد ملک عنبر۔ ۴۔ مسجد شائستہ خان

ج۔ ۱۔ قلعہ ارک۔ ۲۔ محلّات مہر النسا بیگم (دختر اورنگ زیب) ۳۔ عمارت کتب خانہ عالمگیری۔ ۴۔ نوکھنڈا محل

جس میں سے ہم صرف ایک مقبرہ کا تھوڑا سا حال لکھیں گے۔ سب کے حالات بیان کرنے کے واسطے ایک کتاب چاہیے۔

مقبرہ ملکہ رابعہ دورانی

(اورنگ آباد)

اس مقبرہ میں اورنگ زیب عالمگیر کی نہایت چہیتی بیوی دلرس بانو مدفون ہیں۔ یہ نیکدل بی بی اپنی دینداری اور عبادت گزاری کی وجہ سے ملکہ رابعہ دورانی مشہور تھیں۔ زیب النسا بیگم جیسی قابلہ اور پاکباز شاہزادی بھی اسی پرہیزگار ماں کی بیٹی تھی۔

یہ خوبصورت مقبرہ تاج محل آگرہ کے نمونہ پر تیار کیا گیا ہے۔ لیکن اس میں ایک خوبی خاص طور سے دیکھنے کے قابل ہے۔ جو دہلی یا آگرہ کے کسی مقبرہ میں نہیں پائی جاتی۔ وُہ یہ کہ اس کے گنبد میں چار روشندان اس طور پر بنائے گئے ہیں، کہ تہ خانہ کے اندر اصل قبر پر دُھوپ اور بارش دونوں کا گُذر رہتا ہے۔

مقبرہ کے ہر چہار جانب "تاج" کی وضع پر چمن بندی ہو رہی ہے۔ اور نہریں جاری ہیں۔ اس صاف شفاف سفید پتھر کی عمارت کے اردگرد سیاہ سیاہ پہاڑیوں کا حلقہ شب مہتاب میں عجب دلکش اور پُرلطف سماں پیدا کرتا ہے۔ ڈاکٹر برنیر اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ "میں نے آگرہ سے سات سو چھکڑوں پر سنگ مرمر آتا ہوا بچشم خود دیکھا ہے۔"

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مقبرہ محمد معظم بہادر شاہ اوّل کے عہد میں تعمیر ہوا ہے۔ کیونکہ اورنگ زیب سے ایسی فضولخرچی عمل میں آنی محال ہے۔ مگر ہمارے نزدیک یہ اس عالی حوصلہ شہنشاہ کے ساتھ بڑی ناانصافی ہے۔ خاندانِ تیمور کو فنِ تعمیر سے جو غیر معمولی انس رہا ہے۔ اس سے بھلا عالمگیر کیونکر بچ سکتا تھا۔ وہ ایسا قطعی

زاہدِ خشک بھی نہ تھا کہ اپنی دادی نور جہاں اور ماں ممتاز محل کے ایسے شاندار مقبرے دیکھ کر دل پر اثر نہ ہوا ہو۔

یہ دوسری بات ہے، کہ اس نے اپنے مزار پر آسمان کے سوا کوئی دوسرا گنبد بنانا ضروری نہ خیال کیا۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ سرے سے مقبروں ہی کا مخالف تھا۔ جبکہ خود عالمگیر نے اپنے پیر مولانا شاہ برہان الدین و حضرت قطب شاہ سعید اور شاہ منتخب الدین جیسے بزرگانِ دین کے مزارات پر بڑے بڑے عالیشان مقبرے تعمیر کرائے گئے۔

مظفر سیفی

حل طلب معمّے

(۱)

ایک آٹھ حرفی مشہور شہر ہے اس کا

پہلا حرف	کوہ ہمالیہ میں ہے	
دوسرا حرف	سیالکوٹ	" "
تیسرا حرف	پیکن	" "
چوتھا حرف	کبوتو	" "
پانچواں حرف	کشمیر	" "
چھٹا حرف	ہالینڈ	" "
ساتواں حرف	جموں	" "
آٹھواں حرف	گولکنڈہ	" "

بتاؤ وہ کونسا شہر ہے (محمد عبد الحق)

۲۔ ہند کا ایک شہر چار حرفوں سے مرکب ہے۔ اگر اس کے حروف کو اُلٹ پلٹ کر مندرجہ ذیل طریقے سے ملایا جائے تو ذیل کے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

(۱) ۳ اور ۲ = جسم کا کوئی عضو

(۲) ۳ + ۱ + ۲ = خوشی کا سامان

(۳) ۱ + ۲ = ایک جلانے والی چیز

(۴) ۲ + ۳ + ۲ = ایک خونخوار درندہ

(۵) ۱+۳+۴ = ایک اوزار

(۶) ۳+۴+۱ = یعنی چھٹکارا

(۷) ۲+۴+۳ = ایک قیمتی سمندری چیز

بتاؤ وہ کونسا شہر ہے

محمد عبدالرحمٰن لودہانوی

ان ہر دو معموں کے صحیح حل بھیجنے والے کو دفتر نونہال سے ایک روپیہ کی کتابیں بطور انعام دیجائینگی۔ انعام کا فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی ہوگا۔ جوابات ۲۵ مئی تک دفتر میں پہنچ جانے چاہئیں۔ جو جوابات ۲۵ مئی کے بعد موصول ہونگے، ان کے نام رسالہ میں درج نہ ہو سکینگے۔

(آنریری ایڈیٹر)

ہمایوں بادشاہ اور ایک سقہ

بچو! آؤ تمہیں ہمایوں بادشاہ کا ایک عجیب قصہ سنائیں۔ اور بتائیں کہ احسان شناسی اور وعدہ وفائی کسے کہتے ہیں۔ جو آدمی ہمارے آڑے وقت میں کام آئے، اُس کا ہم پر کیا حق ہے۔ اور ہم مصیبت کے وقت کسی سے کوئی وعدہ کریں، تو اُسے پورا کرنا کتنا ضروری ہے۔ سنو!

شیر شاہ اور ہمایوں بادشاہ سے جب صلح ہوگئی تو شیر شاہ نے اس سے کہا۔ کہ اب آپ اور آپ کے ساتھی دہلی جا سکتے ہیں۔ ہمایوں بادشاہ اور اس کے ساتھیوں نے شیر شاہ کی بات پر بھروسا کر لیا۔ اور دوسرے دن دریائے گنگا کے پار اُترنے کی تیاری کی۔ سب کے سب تھکے ماندے تھے۔ ہتھیار کھول ڈالے۔ اور آرام و اطمینان سے سو رہے کہ آرام لیکر کوچ کریں گے۔ صبح تڑکے شیر شاہ اور اس کی فوج بدعہدی کر کے آگئی۔ اور ہمایوں پر حملہ کر کے اس کے

اکثر ساتھیوں کو مار ڈالا۔ یہ فعل شرافت اور عہد کے خلاف تھا۔

ہمایوں اور اس کے سردار گھوڑوں پر سوار ہو کر بھاگے۔ اور دریا پار کرنے کی کوشش کی۔ مگر دریا چڑھاؤ پر تھا۔ اُس کے تیز دھارے میں گھوڑے نہ سنبھل سکے۔ ہمایوں بادشاہ پانی میں ڈوبنے لگا۔ ایسی مصیبت میں کسی کی مدد کرنا اعلےٰ درجہ کی شرافت ہے۔ اس وقت ایک سقّہ (بہشتی) اپنی مشک پھلائے اس کے سہارے تیر رہا تھا۔ اُس نے ہمایوں سے کہا اپنے ہاتھ اس پر رکھ لو۔ ہمایوں نے فوراً رکھ لیے۔ اس لیے بہشتی اور اس کی مشک کی مدد سے ہمایوں صحیح وسلامت دریا کے پار آسکا۔ یہ سقّہ کی بڑی شرافت اور انسانی ہمدردی تھی۔ ہمایوں نے کنارہ پر اُتر کر بہشتی سے نام پوچھا۔ اُس نے بتایا کہ میرا نام نظام محمد سقّہ ہے۔ ہمایوں نے کہا۔ اگر تم آگرہ آؤ تو میں تمہیں تین گھنٹے کے لیے بادشاہ بنادونگا۔ اور اپنے تخت پر بٹھا کر تمہارا حکم جاری کرونگا۔ اس کے بعد ہمایوں اور نظام ایک دوسرے سے جُدا ہو گئے اور اپنی اپنی راہ لی۔

ہمایوں کے آگرہ پہنچنے سے کچھ دیر پہلے نظام سقّہ بھی آپہنچا تھا۔ اُس نے حاضر دربار ہو کر بادشاہ کو اپنا وعدہ یاد دلایا۔

ہمایوں شیر شاہ کی طرح وعدہ خلاف نہ تھا۔ وہ احسان شناس اور شریف تھا۔ بات کا پکّا تھا۔ فوراً شاہی تخت سے اُتر آیا۔ اپنا تاج نظام کے سر پر رکھ دیا۔ اور تین گھنٹے کے لیے اُسے بادشاہ بنا دیا۔

نظام سقّہ نے اپنی مشک کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کٹوائے، اور اُن پر اپنے نام کی مُہر لگوا کر سکّہ چلایا۔ اُس نے اپنے

عزیزوں اور دوستوں کو بڑے بڑے انعام دِئے۔ اور خوب فیاّضی سے کام لیا۔ اُس کی تین گھنٹے کی بادشاہی آج تک مشہور ہے۔ اور ساتھ ہی ہمایوں کی احسان شناسی اور وعدہ وفائی بھی جس نے اپنے محسن کا پُورا حق ادا کیا، جو وعدہ کیا تھا اُسے پُورا کیا۔ اور مصیبت کے وقت مدد کرنے والے سقّہ کو نہال کر دِیا۔

اب بتاؤ کہ شیر شاہ کا فعل اچھا تھا یا نظام سقّہ اور ہمایوں کا؟ اور کیا تم پر ایسا وقت آتے، تو تم کیا کرو گے، اور کیا کرنا چاہیے۔ محوی صدیقی

ابو بن ادہم

ابو بن ادہم، جو ایک مُتّقی اور پرہیز گار انسان تھا۔ ایک رات ایسی گہری نیند سے بیدار ہُوا۔ جس میں وہ ایک بہت عمدہ خواب دیکھ رہا تھا۔ اُس نے دیکھا، کہ اُس کا کمرہ چاندنی سے بہت ہی خوشنما معلوم ہو رہا ہے۔ اور اُس میں ایک فرشتہ سونے کی کتاب پر کُچھ لکھ رہا ہے۔ ابو بن ادہمؔ پہلے تو ڈرا۔ لیکن پھر بے خوف ہو کر اُس نے فرشتے سے پُوچھا۔ "تم کیا لکھ رہے ہو؟"

فرشتے نے جواب دِیا۔ "اُن لوگوں کے نام جو خُدا سے محبّت رکھتے ہیں۔"

ابو بن ادہم اس جواب سے بہت نادم ہُوا۔ لیکن پھر آہستہ سے کہنے لگا۔ "اچھا اگر یہ نہیں تو مَیں تم سے التجا کرتا ہوں۔ کہ میرا نام اُن لوگوں میں ہی لکھ لو۔ جو اپنے ہمجنس انسانوں سے محبت رکھتے ہیں۔"

فرشتے نے اس کا نام لکھ لیا۔ اور غائب ہو گیا۔

دوسری رات فرشتہ پھر ابوبن ادہم کے کمرے میں آیا۔ اُس کے آتے ہی کمرے میں ایسی تیز روشنی پھیل گئی، کہ ابوبن ادہم جاگ اُٹھا، فرشتے نے اُسے تمام اُن لوگوں کے نام دکھائے، جو خُدا کی محبّت کے سبب بخشے گئے تھے؛ اور ابوبن ادہم کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، جب اُس نے دیکھا کہ اس کا نام سب سے اوپر لکھا ہے۔

نونہال بھائیو! غور کرو کہ ابوبن ادہم کو کس طرح اپنے ہمجنس انسانوں سے محبّت رکھنے کے سبب اتنا مرتبہ مل گیا۔ تم بھی اسی طرح اپنے بھائیوں سے محبّت رکھو۔ دراصل انسان کی محبّت ہی خُدا کی محبت ہے۔

فیروزالدین احمد

ایک انوکھی قوم

شمالی افریقہ کے ایک بڑے علاقہ میں توآریگ نامی قوم آباد ہے۔ یہ لوگ خانہ بدوش ہیں۔ اور ان کی گزراوقات اُونٹوں کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اس قوم کی عورتوں کو ایسی ہی آزادی حاصل ہے جیسی کہ برطانیہ کی عورتوں کو ہے۔ وہ بے نقاب رہتی ہیں۔ مگر اس قوم کے لوگ ہمیشہ چہرے پر نقاب ڈالے رہتے ہیں۔ عورتیں اپنے لئے خاوند ڈھونڈھتی ہیں۔ اور بچّوں کو لکھنا پڑھنا سکھاتی ہیں وہ شادی کے بعد بھی جائداد کی مالک بن سکتی ہیں۔ ان کے خاوندوں کا ان کی جائداد پر کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

پریم لال

لطیفے

(۱)

ایک آدمی کسی شہر میں چولھا خریدنے گیا۔ دُکاندار نے کہا۔ "اس چولہے سے تمہارا آدھا ایندھن بچ جائیگا۔" اس آدمی نے کہا۔ "اگر اس سے آدھا ایندھن بچ جائے تو مجھے دو چولھے خریدنے چاہئیں۔ تاکہ سارا ایندھن بچ جاتے۔"

(۲)

ماسٹر۔ "کرتار بھلا یہ تو بتاؤ کہ تمہارے بدن میں کتنی ہڈیاں ہیں۔"

کرتار۔ "ایک سو آٹھ (۱۰۸)"

ماسٹر۔ "نہیں، ایک سو سات (۱۰۷)"

کرتار۔ "جناب آج مچھلی کی ایک ہڈی بھی تو کھا گیا ہوں۔"

(۳)

ماسٹر۔ "موہن، آج تم اسکول میں دیر سے کیوں آئے۔"

موہن۔ "ماسٹر جی، بازار میں اسقدر کیچڑ ہے۔ کہ اگر میں ایک قدم آگے بڑھتا، تو دو قدم گھر کی طرف جاتا۔"

ماسٹر۔ "پھر تم یہاں کس طرح پہنچ گئے۔"

موہن۔ "جناب واپس گھر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ اس طرح پہنچ گیا۔"

پریم لال

مفید باتیں

(۱) سوتے آدمی کو فوراً مت جگاؤ، گھبرا جائیگا۔

(۲) پانی میں ننگے پاؤں مت پھرو۔ ممکن ہے کہ اُس میں کانٹے یا کوئی نوکدار شے ہو۔"

(۳) سوتے وقت چادر سے تمام جسم نہ چھپاؤ۔ ورنہ تازہ ہوا نہ ملیگی۔

مرزا حسن بیگ مدرس

(مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ گوپال داس پرنٹر چھپا۔ اور دارالاشاعت ادب لطیف لاہور کیلئے محمد اسمعیل لکھیسر پبلشر و پروپرائیٹر نے چیمبرلین روڈ لاہور سے شائع کیا)

قیمت سالانہ پانچ روپے — رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۴۱۵ — قیمت ششماہی ۳ عہ فی پرچہ ۲ر

نونہال

ہفتہ وار

آنریری ایڈیٹرز:-

سید غلام رسول طاہر جالندھری — حکیم احمد شجاع بی اے (علیگ)

ایڈیٹر:- محمد اسمٰعیل نعیم لکھیسر

جلد (۸) — نمبر (۱۹)

فہرست مضامین بابت ۲۲ مئی ۱۹۲۶ء

دفتر نونہال لاہور

دِلچسپ معلومات

آجکل کانچ بھی پتّھر کی طرح مضبوط بنائی جاتی ہے۔ پتھر اور اینٹ کے بجائے اِس سے عمارت بنانے کا کام لیتے ہیں۔ کانچ کے بنائے ہُوئے مکانات خوشنما ہونے کے علاوہ صحت کے لئے بھی مفید ہوتے ہیں۔ قُدرتی خاصیتوں کی وجہ سے شیشہ خاص طور پر دیواریں بنانے میں مفید ہے۔ کیونکہ اس کو کتنا ہی ٹھوس کیوں نہ بنائیں یہ شفاف ہوتا ہے۔ اور اس میں سے روشنی گزر سکتی ہے۔ شیشہ کی دیواروں میں سے روشنی کمرہ میں داخل ہوتی ہے۔ بڑی سے بڑی کھڑکی سے اس قدر روشنی اندر نہیں آسکتی۔ جہاں باریک اور نازک کام کرنے ہوں مثلاً کارخانے نقشہ کشی کے کمرے وغیرہ وہاں شیشہ کی دیواریں بناتے ہیں۔ روشنی کی وجہ سے کمرے کے جراثیم ہلاک ہوجاتے ہیں۔ جراثیم کو ہلاک کرنے کی بہترین تدبیر یہ ہے۔ کہ زیادہ سے زیادہ روشنی کمرہ میں داخل کریں۔ آجکل نہ خانے بھی شیشہ کے بنائے جارہے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہاں بھی روشنی کا گزر ہوسکتا ہے۔ شیشہ مختلف اشکال میں ڈھالا جاسکتا ہے۔ پتھر کو کاٹنا پڑتا ہے لیکن شیشہ کو ڈھالنے یا دبانے سے وہ گرم حالت میں مطلوبہ شکل اختیار کرلیتا ہے۔ اس حالت میں اس سے ضروری اجزا بنائے جاسکتے ہیں شیشہ کی دیواروں کے بنانے میں بہت کم وقت لگتا ہے۔ فرش کی ساخت خاص ترکیب سے عمل میں آتی ہے۔ شیشہ کی سلیں سفوف سے اسی طرح جوڑی جاتی ہیں جیسا کہ پتھروں کو گچ سے جوڑا جاتا ہے۔ شیشہ کی سیڑھیاں بھی بناتے ہیں۔

سیّد برہان الدین احمدؔ

سچّائی

مشرق سے نکلنا سورج کا — وہ عالم اس کی سج دھج کا!
ہے زندگی ساری دُنیا کی — سُورج کی جلوہ نمائی ہیں

کیا لطف دِکھاتی ہے شب کو — اور دِل سے بھاتی ہے سب کو
رونق چاند اور ستاروں کی — بزمِ چرخ مینائی ہیں

جب فصلِ بہاری آتی ہے — شاخوں پر پھُول کھلاتی ہے
گُلکاری ہوتی ہے کیا کیا — قُدرت کی چمن آرائی ہیں!

باغوں میں پھُول مہکتے ہیں — طائر خوش ہو کے چہکتے ہیں
تاثیر بھری ہے جادو کی — بُلبل کی نوا پیرائی ہیں!

دُنیا سونے کی طالب ہے — یہ سب دھاتوں پر غالب ہے
دل اکثر لوگوں کے دیکھے — جکڑے زنجیر طلائی ہیں!

دیکھا ہے کبھی سچّا موتی — کیا خوب ہے اس میں چمک ہوتی
بےمثل ہے وہ لاثانی ہے — تابانی اور صفائی ہیں

سورج کی چمک ۔ تاروں کی جھلک
باغوں کی مہک ۔ بُلبل کی چہک
کندن کی ڈلک ۔ موتی کی دمک
موجود ہیں ایک سچائی میں

تلوک چند محرومؔ

کھجور کے پودے کی قیمت

یہ سُنکر کون ہے جو حیرت سے اپنی اُنگلیاں دانتوں میں نہ دبا لے۔ کہ "پچھلے سال کے ماہ مئی میں بصرہ کے بازار میں خوش نصیب کھجور کے پودے نے ایک لاکھ کی قیمت پائی۔ اور ہلال منتری کے مبارک ہاتھ بکا۔ دُنیا حیرت سے چونکی۔ اور اس دیوانے سے دریافت کیا۔ کہ دو آنہ کی چیز کو کسی بیوقوف نے ایک لاکھ روپیہ کو بھی خریدا ہے۔ یہ پرلے درجہ کی حماقت و دیوانگی نہیں تو اور کیا ہے؟ اور کیا دُنیا کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ نہیں۔" اس پر نرے بخت منتری بولا "میرے دُشمن دیوانے نہیں۔ چونکہ اسی کھجور نے بندہ کو آسمانِ دولت کا ایک چمکتا تارا بنایا۔ اس لئے ایک لاکھ کی قلیل رقم بھی میرے نزدیک اس کھجور کے پودے کے لئے کم تھی۔ اگر آپ لوگوں کی ان فقروں سے تسلّی نہ ہوتی ہو، تو ذرا میری کہانی سُنئے گا اس کے بعد مجھے امید ہے کہ آپ مجھے پھر دیوانہ کہنے کی جُرأت نہ کرینگے۔ اچھا تو سُنئے!

"مَیں ایک عرصہ سے غریبی کی زنجیروں میں جکڑا ہُوا تھا۔ مجھ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ مَیں کھجور کی تجارت کرتا۔ جو نہایت ادنےٰ درجہ کی تجارت ہے۔ مجھے خُدا نے پیٹ دیا ہے بال بچّے بھی اپنی عنایت سے عطا کئے ہیں۔ اور سب تندوروں کی آگ بجھانا مجھے لازم تھا۔ سو صبح سے لیکر شام تک میرا یہی دھندا رہا ہے۔ کہ شہر کے گلی کوچوں میں گدھے کی طرح بھٹک کر کھجوروں کے بیج اکٹھے کرتا۔ اور ان بیجوں کی بدولت جو دو پیسے حاصل ہوتے، اس کی بھدّی موٹی روٹی لاکر اپنے بچوں کو کھلاتا۔ اور خود کھا کے روٹی کھلانے والے کے حضور میں اس کے

احسانات کے شکریہ کے گیت گاتا اور پھر آرام سے دن بھر کا تھکا ماندہ اپنی چارپائی پر دراز ہو جاتا۔ اور صبح تک میٹھی نیند کے مزے لیتا۔

قسمت ایک سی نہیں رہتی۔ مَیں مفلسی کے ہاتھوں سے تنگ تھا۔ مگر اللہ میاں کا ہزار شکر کہ ان تکلیفوں کے زمانہ میں بھی میں نے کبھی اپنی ناشکری کا اظہار نہیں کیا۔ کیا عجب یہی ایک بات مجھ میں تھی، جو خُدا کو پسند آئی ہو۔ ایک صبح کو بیدار ہو کر جب مَیں نے عبادت الٰہی سے فراغت پائی، تو حسب معمول تھیلا کندھے پر رکھ، کھجوروں کے بیجوں کے پیچھے پڑا۔ میں بیج کیوں کہنے لگا۔ یہ موتی تھے۔ مَیں نے بیج جمع کئے۔ اور ایک مقام پر کیچڑ کے پاس کھڑا ان بیجوں کو وہاں سے نکالنے کی تدابیر کر رہا تھا۔ تو میری تقدیر کیچڑ کی آڑ میں میرے اس فعل پر ہنس رہی تھی۔ جب مَیں کیچڑ سے بیجوں کو الگ کرنے لگا۔ تو یکایک میری تقدیر نے پلٹا کھایا۔ یعنی وہاں مَیں نے ایک موتی پایا۔ اور خُدا کی عنایت تصوّر کر کے شکریہ کے ساتھ اس کے اس عطیہ کو سر آنکھوں پر رکھا بازار میں اس کی خاطر خواہ قیمت نہ ملی۔ اس لئے دوستوں کے مشورے سے اُسے پیرس بھیجا۔ جہاں وہ موتی تیس لاکھ روپے میں بکا۔ اُس دن سے افلاس نے (یہ مجھے خبر نہیں کب تک کے لئے) مجھ سے مُنہ موڑا۔ یہی کہانی کا اخیر اور میرے مقدر کا قدرت کی طرف سے فیصلہ تھا۔

بشیر

۱۔ دِیا سلائی دُور سے جلاؤ۔ اُس کی گیس مضر صحت ہے۔

مرزا حسن بیگ مدرس

جاں نثار بیٹا

آج سے ایک ہزار سال پہلے فرانس میں پروٹسٹنٹس اور رومن کیتھولکس کے مابین مذہبی عقائد کی کشمکش ایک خوفناک بدامنی کی صورت میں رونما ہوئی۔ ہر طرف قتل و غارت کا بازار گرم نظر آتا تھا۔

رومن کیتھولکس والوں کا حلقۂ اثر اسقدر محدود تھا کہ وہ پروٹسٹنٹس والوں کا مقابلہ تو درکنار اپنی جان کی حفاظت کرنے سے بھی قاصر تھے۔

اُس زمانے میں ایک سبزی فروش تھا جو اپنے آپ کو رومن کیتھولکس سے منسوب کرتا تھا۔ جب اُس کو اپنے ملک میں امن کی کوئی صورت نظر نہ آئی، تو اُس نے ہجرت کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ رات کو جب وُہ گھر آیا۔ تو اُس نے اپنا ارادہ اپنی بیوی پر ظاہر کیا۔ جس کے جواب میں اُس کی بیوی نے پہلے تو ایک حسرت آلود نگاہ اپنے جھونپڑے پر جس کو اُس نے بڑی محنت سے آراستہ کر رکھا تھا، ڈالی۔ پھر اپنے دو ننھّے بچّوں کی طرف جو قریب کے پلنگ پر نیند سے مدہوش ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈالے سو رہے تھے۔ دیکھتے ہُوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

چنانچہ وہ اپنے ارادے کو پُورا کرنے کی غرض سے مناسب موقع کے منتظر رہے آخرکار وہ دن آہی پہنچا۔ جب کہ وہ اپنے پیارے وطن کو جس میں اُنہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصّہ بہ اطمینان بسر کیا تھا۔ ہمیشہ کے لئے خیرباد کہنے کے لئے بالکل تیار ہو گئے۔

آسمان کچھ گہرے کچھ ہلکے بادلوں سے گھرا ہُوا تھا۔ اور آفتاب کی زعفرانی لرزتی

ہُوئی کرنیں بادلوں کو چیر کر نکل آنے کی
ناکام کوشش کر رہی تھیں۔ گاہے گاہے
ہوا بھی ایک غیر معمولی سرعت کے ساتھ
چلنے لگتی تھی۔ جس کی وجہ سے سردی
ناقابلِ برداشت ہونے لگی تھی۔

موسم بیشک از حد خراب تھا۔ لیکن
کیا مجال کہ سبزی فروش کے ارادے میں
ذرا بھی فرق آتا۔ اُس نے اپنے گدھے پر
جس پر کہ وہ ہر روز سبزی لاد کر مارکیٹ
فروخت کرنے جایا کرتا تھا۔ اپنے بچوں کو
لادا۔ پھر اُن پر کسی قدر سبزی چُن دی۔ تاکہ
دیکھنے والا یہی سمجھے، کہ سبزی بیچنے جا رہا
ہے۔ اور اپنی بیوی کو لے کر خدا کو یاد کرتا
ہُوا چل دیا۔

ابھی وہ آبادی سے تھوڑی دُور ہی
گئے ہونگے کہ ایک مسلح سپاہی گھوڑے
پر سوار آتا دکھائی دیا۔ ایک لمحہ کے لئے
تو دونوں کے رنگ فق ہو گئے۔ دوسرے
لمحہ میں سپاہی سر پر موجود تھا۔

سپاہی نے حقارت آمیز ہنسی ہنستے
ہُوئے تحکمانہ انداز میں پُوچھا۔
"کہاں جا رہے ہو، اور گدھے پر کیا
لاد رکھا ہے۔"

سبزی فروش نے جس کا گلا خوف
کی وجہ سے خُشک ہُو چکا تھا۔ بمشکل دو لفظ
ادا کئے۔ "مارکیٹ" "سبزی" سپاہی کے
دل میں کچھ شک گُزرا۔ اُس نے کہا "مارکیٹ"
اور ساتھ ہی اپنی تلوار نکال کر گدھے کی
پیٹھ پر ایک زبردست وار کیا۔ مگر اُس کی
حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب اندر
سے کسی قسم کی آواز نہ آئی۔

ماں باپ کی نظریں یکبارگی آسمان
کی طرف اُٹھیں اور جُھک گئیں۔ آنکھوں تلے
اندھیرا چھا گیا۔ اور غشی سی طاری ہونے لگی۔

لیکن اس عرصہ میں سپاہی اپنی شرمندگی کو چھپانے کے لئے غائب ہو چکا تھا۔

میں نے جلدی سے بچوں پر سے سبزی کو الگ کیا۔ والدین نے اپنی اولاد کو دیکھا، اور دل تھام کر رہ گئے۔ چھوٹے بچے کی ران کے دو ٹکڑے ہو چکے تھے۔

لڑکے نے ایک معصوم ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

"پیاری امی میں نے آواز بالکل نہیں نکالی۔"

اور پھر ہمیشہ کے لئے خاموش تھا۔

حسن میر

دو باتیں

(۱) سوتے وقت سر اونچا رکھو نیند اچھی آئیگی (۲) سورج سے آنکھ نہ ملاؤ بینائی کے لئے مضر ہے۔ مرزا حسن بیگ

اچھا لڑکا

(یہ کہانی جرمنی کے مشہور شاعر گوئٹے نے اسی رنگ میں لکھی ہے۔ میں نے صرف نام ہندوستانی رکھے ہیں۔ نظامی)

مسعود۔ "چچی جان، آج پھر مجھے اچھے لڑکے کی کہانی سناؤ۔ مجھے وہ بہت پسند ہے۔"

زبیدہ۔ "نہیں، تم سناؤ، میں دیکھتی ہوں کہ تم یاد بھی رکھتی ہو یا نہیں۔"

مسعود۔ "اچھا، ذرا ٹھہرئے۔ ہاں مجھے یاد آگیا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ —— ہاں یہی ہے! ایک ننھا لڑکا تھا۔ جس کی والدہ بیمار تھی، اور لڑکا ——"

زبیدہ۔ "ارے نہیں! اس کی والدہ نے اس سے کہا۔ "بیٹا —— "

مسعود۔ "میں بیمار ہوں ——"

زبیدہ۔" اور باہر نہیں جاسکتی۔"

مسعود۔" اُس نے اُسے چند پیسے دِئے اور کہا۔" بیٹا جاؤ اور اپنے کھانے کے لئے بازار سے کچھ لے آؤ۔"

زبیدہ۔" لڑکا دوڑتا ہوا باہر گیا۔ جہاں اُسے ایک بوڑھا مِلا۔ جو۔ ہاں سعود!

مسعود۔" جو۔ جو۔ بوڑھا۔"

زبیدہ۔" جو اسقدر کمزور تھا کہ مشکل سے چل پھر سکتا تھا۔ اُس نے ننھے لڑکے سے کہا۔"

مسعود۔" پیارے بچّے مجھے کچھ دو مَیں نے دو دن سے کچھ نہیں کھایا۔" اور لڑکے نے وہ سارے پیسے اُسے دیدئے۔"

زبیدہ۔" جن سے اُسے اپنا کھانا خریدنا تھا۔"

مسعود۔" بوڑھے نے کہا۔

زبیدہ۔" تب بوڑھے نے لڑکے کو پکڑلیا۔"

مسعود۔" ہاتھ سے اور کہا۔ اور یکایک وہ بوڑھا ایک خوبصورت فرشتہ بن گیا۔" اور کہا۔" پیارے بچّے۔"

زبیدہ۔" مَیں تمہیں، تمہاری اس نیکی کا بدلہ دیتا ہوں۔ جن بیمار آدمیوں کو تم چھوؤ گے۔"

مسعود۔" اپنے ہاتھ سے۔ میرا خیال ہے، دائیں ہاتھ سے۔"

زبیدہ۔" ہاں"

مسعود۔" وہ فوراً تندرست ہو جائینگے۔"

زبیدہ۔" پھر وہ لڑکا بھاگا بھاگا گھر آیا۔ خوشی کے مارے اُس کے مُنہ سے بات نہ نکلتی تھی۔"

مسعود۔" اور اپنی والدہ سے لپٹ کر خوشی کے آنسو بہانے لگا۔

زبیدہ۔" اور اُس کی والدہ نے چلا کر کہا۔

"ارے مجھے کیا ہو رہا ہے؟" اور وہ ــــ

ہاں مسعود!

مسعود۔" اور وہ ــــ اور وہ ــــ "

زبیدہ۔" دیکھا نا، تم ذرا خیال نہیں رکھتے!

اور وہ فوراً تندرست ہو گئی، پھر وہ لڑکا تمام دُنیا پھر کر بیمار آدمیوں کا علاج کرتا رہا۔ وہ بہت امیر کبیر بن گیا۔ اور ہمیشہ اچھا اور مہربان رہا۔"

نظامی

لطیفہ

موہن۔" دیکھئے میرا ذکر پھر اخبار میں آیا"

سوہن۔" کیا۔ ذرا پڑھئے تو۔"

موہن۔" اس میں لکھا ہے کہ ہندوستان کی کل آبادی قریباً بتیس کروڑ ہے۔ اور اُن میں سے ایک میں بھی ہوں۔"

درخواست

بخدمت جناب جملہ صاحبان تعلیم یافتہ دام اقبالہٗ

غریب پرور سلامت۔

کمترین کی دست بستہ التماس ہے کہ آپ یہ بتلائیں، کہ مَیں شکایت کروں، تو کس سے۔ اپنا دُکھ درد سُناؤں، تو کس کے آگے۔ بادشاہ۔ امیر۔ وزیر۔ فقیر۔ جج۔ کلکٹر۔ وکیل۔ بیرسٹر۔ منشی۔ محرر۔ کاتب۔ ایڈیٹر غرضکہ دُنیا کا ہر بشر، جسے ذرا بھی شُدبُد ہے یا جس نے بھولے سے الف بے پڑھ لی ہے۔ میرا دشمن جانی ہے۔ الف سے ےؔ تک جسے دیکھئے دُشمن ہی نظر آتا ہے۔ مَیں نے کونسی ایسی خطا کی ہے جس کے عوض میں مجھے یوں سزا بُھگتنی پڑتی ہے۔ اگر ایمان سے پُوچھئے، تو مَیں ہمیشہ اسی فکر میں رہتا ہوں کہ جس طرح

بھی ہو سکے، میری بدولت آپ حضرات کو فایدہ ہی پہنچے۔ آپ کے بال بچے گمراہی سے نکلکر ترقی حاصل کریں۔ مگر اس کا صلہ آپ لوگوں کی طرف سے یہ ملتا ہے کہ آپ ہمیشہ میری جڑ کاٹنے پر مستعد رہتے ہیں۔ جسے دیکھئے جھنڈ کے جھنڈ کاٹنے لئے چلے آرہا ہے۔ اور پھر مزہ یہ کہ سو سو دو دو سو کے گلے ایک ہی رسّی میں باندھ کر تمام راستوں پر لاکر کھڑا کر دیتے ہیں۔ مَیں آپ ہی کو منصف قرار دیتا ہوں۔ کہ ذرا تو انصاف کی نظر سے دیکھئے۔ اگر آپ ہی میں سے کسی کے گلے کو چھوڑ کر پیروں سے بھی سر و کا نہ رکھا جائے۔ اور صرف ہاتھ ہی باندھ کر ذرا دیر کے لئے کسی ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا جائے، تو پھر میاں قدر و عافیت معلوم ہو جائے۔ طبیعت بگڑ جائے۔ مگر مجھے دیکھئے کہ اُف تک نہیں کرتا۔ زبان

بھی نہیں ہلاتا۔ ہروقت مانند بید کے کانپتا رہتا ہوں۔ اپنی آیندہ زندگی کی افسوسناک حالت کا خیال خون خشک کیئے ڈالتا ہے۔ مگر آپ حضرات ہیں کہ ترس نہیں کھاتے غصّہ جو آیا چھری لی۔ اور قصائی سے بھی زیادہ بیرحمی کے ساتھ پہلے کھال اُدھیڑی، اور پھر ایک ایک جوڑ ایک ایک گانٹھ، ایک ایک پور علیٰحدہ علیٰحدہ کر کے رکھ دی۔

مَیں اپنی موجودہ نسل کی چند سعادتمند اولادوں کا بیحد ممنون ہوں۔ کہ اُن کی بدولت کسی قدر چین و آرام مل گیا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے تو جو ظلم مجھ پر کئے جاتے تھے، اُس کا عرض حال کرنا بھی آسان نہیں۔ مَیں نے عاجز آکر پہلے تو آہنی نب اپنے بجائے جاری کرائے، مگر یہ بھی تجربہ میں پیٹھ دکھا گئے۔ چنانچہ تانبے و نِکل کے

نب تیار کرا کر پیش کیئے گئے۔ مگر یہ بھی کچھ مفید مطلب نہ نکلے۔ گو شکر ہے کہ ایک زمانہ اب انہیں کا مداح ہے۔ اور مجھ غریب کو بڑھاپے میں آرام کے لئے چھوڑ رکھا ہے۔ مگر مَیں اپنی کوشش میں برابر مصروف رہا۔ اور برابر اسی میں لگا رہا۔ کہ کوئی ایسا قائمقام پیدا کروں، کہ جو واقعی تابِ مقابلہ رکھتا ہو۔ چنانچہ اللہ نے سُن لی۔ اور میں نے دُنیا میں "فاونٹین پین" کے نام سے اپنا جانشین پیدا کر دیا۔ یہ ایسا سخت جان ہے کہ لکھتے لکھتے خواہ اُنگلیاں گھس جائیں مگر اس کا طلائی نب کیا مجال کہ ذرا بھی مُنہ موڑے۔ بارے اب خدا خدا کر کے کسی قدر سکون ہوا ہے۔ مگر اب بھی ایک طبقہ ایسا ہے۔ جس کے نام سے مجھے سخت جلن ہے۔ اور وہ کون۔ کاتب حضرات۔ یہ ابھی تک میرے پیچھے پڑے ہیں۔ میں

اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ کہ ان میں سے بعض اُنہیں آہنی نبوں کے استعمال سے کام لیتے ہیں۔ مگر بڑی تعداد اُنہیں لوگوں کی ہے، جو مجھی پر ظلم توڑ رہے ہیں۔

آخر میرے اُوپر یہ مظالم کیوں روا رکھے گئے ہیں۔ شجر اور بھی ہیں مگر زہے نصیب اُن کے کہ آپ اُنہیں بڑے شوق سے لاکر اپنے باغیچوں میں جگہ دیتے ہیں۔ اور اُن کی نگہداشت مثل بچّوں کے کرتے ہیں۔ اُن کا ذرا مُنہ سوکھا دیکھا، کنوئیں کے کنوئیں اُبلوا کر پھنکوا دِئے۔ دھوپ کا خیال۔ سایہ کا دھیان اور روشنی کی فکر اور اِک مَیں بدنصیب ہوں کہ ہمیشہ آپ کے نفع اور خیر خواہی میں جان کھپاتا ہوں۔ جہاں سینکڑوں ہزاروں نہیں، بلکہ لکھوکھا تلواریں برسوں کی خونریزی کے بعد بھی کام نہ چلا سکتی ہوں۔ وہاں میری ایک جنبش زبان کے

دو فقرے ہزاروں برس کے امن و امان پیدا کرنے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔ یہ میری ہی جوتیوں کی طفیل ہے کہ ہزاروں کوس کی دُوری پر بیٹھ کر بھی جس سے چاہے باتیں کر لیجئے۔ یہ میری مہربانی کا نتیجہ ہے۔ کہ مَیں آپ میں سے بعض حضرات کو مرنے کے بعد بھی ہزارہا برس تک زندہ رکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ بقائے دوام میرے ہی گھر کی لونڈی ہے۔ مگر واہ جناب واہ زمانہ کی خوبی ملاحظہ ہو۔ کہ ان تمام نیکیوں کا بدلہ بدی۔ بچہ بچہ میرا دُشمن جس کو دیکھو، مجھ پر چھری تیز کر رہا ہے۔ میری ہستی کو جلد از جلد مٹانے کے لئے ہتھیار بنائے گئے ہیں۔ ذرا نام تو سُنئے، اتنا پیارا جگر خراش کہ سبحان اللہ۔ ۔ قلم تراش ۔ ۔ ۔ ۔ تیرے قلم تراش کی ایسی تیسی۔ کمبخت ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے کے بعد بھی چین نہیں لیتا۔ ہر دکان پر

میری جستجو اس طرح کیجاتی ہے جس طرح قربانی کے لئے صحیح و سالم فربہ و توانا جانور تلاش کرتے ہیں۔ چنانچہ میری نسل کے عمدہ عمدہ خوبصورت۔ قوی۔ مضبوط و توانا جوان ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے جاتے ہیں اور گھر پہنچتے ہی قلم تراش صاحب نے اپنے دانت میرے گلے میں خون چوسنے کے لئے لگا دئے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ کثرت مقابلہ میں قلم تراش کے بھی دانت مُتھرے ہو جاتے ہیں۔ مگر آپ حضرات کی بے رحمی اس سے بدرجہا بڑھی چڑھی ہے۔ آپ اُسی گٹھل قلم تراش سے میری گردن ریتنی شروع کر دیتے ہیں۔ ذرا بھی زبان نکالی اور کاٹی گئی۔ اس پر بھی صبر نہیں۔ آپ ایسے ظالم حضرات تو دُنیا میں میری نظر سے نہیں گزرے۔ میری زبان کو دو پارہ کر کے سیاہی کی اوکھلی میں سر کے بل دے دے

مارتے ہیں۔ وہاں سے نکلا، تو سر نیچے، پیر اُوپر۔ کاغذ پر میرا مُنہ رگڑنا شروع کردیا۔ اب مَیں روتا بھی ہوں، شدّت درد سے چلاتا بھی ہوں، مگر آپ ہیں کہ اپنی دُھن میں، ذرا خیال تو فرمائیے۔ کہ کاغذ جیسی بے جان شے تو میرے حال زار پر اتنا سوگ منائے، کہ سیاہ ماتمی لباس پہن لے۔ مگر آپ کا دِل نہیں پسیجتا۔ نہیں آتا رحم۔ تو آپ حضرات کو کچھ بھی خیال نہیں ہوتا۔ تو آپ کو ہائے ذرا مُنہ بگاڑا، اور آپ نے قلم تراش کھول زبان اُڑا دی۔ ایک آفت ہو.... گلپھڑے چیرے جاتے ہیں۔ زبان کاٹی جاتی ہے۔ اور ذرا بگڑا گیا، تو پھر نئے سر سے وہی ظلم۔ یہانتک کہ چار اُنگل کی میری ہستی بھی برقرار رکھنا آپ کو دوبھر ہو جاتی ہے۔ اس کو بھی دو پارہ کرکے پھینک دیا جاتا ہے۔

واہ ری انسانیت۔ صدقے جائیے۔

اسقدر عرض کردینے کے بعد کمترین آپ حضرات سے داد خواہ ہے کہ اس کا قرار واقعی انصاف کیجئے۔ اور اپنے اس جور و ظلم سے باز رہیئے۔ ورنہ یاد رکھئے، کہ مَیں کچھ عرصہ بعد اپنی ہستی ہی روپوش کردُونگا۔ پھر آپ کے کئے دھرے بھی کچھ نہ بن پڑیگی۔ اور جس طرح آج مَیں بلبلا کر عرض کررہا ہوں، آپ بھی روتے پھرینگے اور کچھ نہ ہوگا۔

براہ مرحمت خسروانہ اس پر ضرور غور فرمائیے۔ اور اپنے فیصلہ سے کمترین کو مطلع کیجئے۔ مناسب جان کر عرض کیا۔

عرضے

فدوی قلم

از شمیم بلہوری

روشن آرا کی موت

والی پیارے والی، دل کو سنبھال اب نہ رو۔ تیری حالت مجھے دیوانہ بنا دیگی آہ مَیں جانتا ہوں کہ روشن آرا تیرے لئے ایک کھلونا تھی۔ تو پہروں اس سے کھیلا کرتا تھا۔ جس وقت تو سکول سے تھکا ماندہ گھر پہنچتا تھا، تو اس کی مسکراہٹ سے تیرے دل کا کنول کھل جاتا تھا۔ مگر یہ تو بتا، کیا یہ تیری چیز تھی۔ اور تیرے پاس ہمیشہ سے تھی؟ ہرگز نہیں۔ یہ اللہ تعالےٰ کی امانت تھی، اس نے چند دنوں کے لئے تجھے دی تھی۔ تاکہ اس کی عنایت اور محبّت کا تجھے یقین ہو جائے۔ اب پھر اُس نے واپس لے لی۔ تو یہ رونا جھیکنا کیسا تجھ کو تو روشن آرا سے چند ہی دنوں میں اتنی محبت ہو گئی کہ واپس دینے کے بعد خون کے آٹھ آٹھ آنسو روتا ہے۔ کھانا پینا اور سونا اپنے اُوپر حرام کر لیا ہے۔ تو بتا جس کی چیز ہے اگر اس کو نہ ملتی تو اُس کو کتنا غم ہوتا۔ اس کو تو تجھ سے کہیں بڑھ کر محبت ہو گی۔ بس خاموش ہو جا۔ ورنہ اللہ میاں خفا ہو جائینگے۔ اور پھر جب تو جائیگا اور روشن آرا کو دیکھنے کی خواہش کریگا، تو وہ نہیں دکھائینگے۔ مرنا کیا بلا ہے۔ کچھ بھی نہیں۔ کون کہتا ہے کہ روشن آرا مر گئی۔ دُنیا کہتی ہے تو کہنے دے۔ آنکھیں بند کر۔ سامنے دیکھ ایک خوشنما باغ ہے اس میں جا بجا نہریں جاری ہیں، اور ہرے بھرے درختوں پر بھانت بھانت کی چڑیاں چہک رہی ہیں۔ ایک گھنے درخت کے سایہ میں ایک نہایت حسین دایا روشن آرا کو کھلا رہی ہے روشن آرا خوش ہے۔ ننھّے ننھّے ہاتھوں کو اُٹھا کر

چڑیوں کو پکڑنے کی کوشش کرتی ہے۔ مگر کبھی کبھی تیرے رونے کی ہولناک آواز پہنچکر اس کا دل ہلادیتی ہے۔ وہ چیخیں مار کر دایا کی چھاتی سے لپٹ جاتی ہے۔ اور رونے لگتی ہے۔ بس، خُدا کے لئے تو روشن آرا کو نہ رولا۔

محمد زبیر روحی

لطیفہ

آجکل ہندوستان میں روزگار کی بہت کمی ہے بغیر وسیلے کے روزگار ملنا بہت مشکل ہے۔ دو ٹڈل پاس دوستوں میں جن کو بہت تلاش اور کوشش کے بعد بھی کوئی روزگار نہ مل سکا، یوں گفتگو ہوئی :-

ایک دوست ۔" یار بتاؤ۔ اب پیٹ بھرنے کی کونسی تدبیر کی جائے۔" دوسرا ۔" میں بھی اسی سوچ میں ہوں۔ مجھے آج تیسرا فاقہ ہے۔"

پہلا ۔" پھر کیا کیا جائے۔" دوسرا ۔" یار ایک تجویز مَیں نے سوچی ہے۔ اگر تقدیر نے یاوری کی، تو مالامال ہو جائینگے۔" پہلا ۔" مجھے بھی بتلایئے، وہ کونسی تجویز ہے۔" دوسرا ۔" وُہ یہ ہے کہ ہم دونوں اشتہاری حکیم بنیں۔ آخر دونوں نے ریت لیکر اُسکے پیکٹ بناتے۔ اور بازار میں جاکر آواز دیکر فروخت کرنے لگے۔ کہ مچھروں کے مارنے کی مجرب دوائی فی پیکیٹ ا۔ اور اتفاق سے ان کے تمام پیکٹ فروخت ہوگئے۔ اور اُن میں سے ایک پیکٹ ایک سن رسیدہ میم صاحبہ نے بھی خریدا۔ جس نے نہایت شوق سے دریافت کیا۔ اِس کا ترکیب استعمال تو بتلایئے۔ تو ان میں سے ایک نے یوں تقریر شروع کی۔ کہ جسقدر مچھر آپنے مارنے ہوں ان کو پکڑ لو پھر انہیں گدگداؤ حتےٰ کہ وہ ہنسیں۔ جب ہنسی سے اُن کا مُنہ پھیلے گا۔ تو یہ دوا ڈال دو۔ پھر گلا گھونٹ دو تمام مچھر مر جائینگے۔

محمد اصغر

(مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ گوپالداس پرنٹر چھپا اور دارالاشاعت ادب لطیف کیلئے محمد اسمٰعیل لکھیسر پبلشر و پروپرائیٹر نے چیمبرلین روڈ لاہور سے شائع کیا)

چند عجیب و غریب اشیاء
جیبی سگریٹ مشین
ایک گھنٹہ میں (۲۰۰) دو سو سگریٹ تیار کرتی ہے۔
ترکیب نہایت سہل ہے۔ تمام کی تمام گلٹ کی ہوئی ہے۔
نہایت ہی مختصر اور چھوٹی سی مشین ہے۔ سفر کے لئے نہایت ہی
مفید چیز ہے۔ کیونکہ یہ کوٹ کی جیب میں بھی رکھی جا سکتی ہے۔
قیمت فی مشین صرف چار (۴) روپیہ۔ ڈاک خرچ علاوہ
آگ جلانے کی مشین!
اس مشین سے کئی کام لئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً بلا مدد
دیاسلائی۔ آگ جلانا۔ سگریٹ جلانا وغیرہ وغیرہ
قیمت فی مشین صرف ایک روپیہ آٹھ آنہ۔ علاوہ خرچ ڈاک
جیبی چھاپہ خانہ یا مہر گھر
یہ انگریزی کا چھاپہ خانہ قابل تعریف ہے۔ اس سے لفافہ
ملاقاتی کارڈ اور ہنر میں جو دل چاہے چھاپ سکتے ہیں۔ قابل
دید ہے۔ قیمت فی چھاپہ خانہ صرف دو (۲) روپیہ۔ علاوہ خرچ ڈاک
ہلینڈ کیمرہ!
یہ کیمرہ خاص طور پر جرمنی سے تیار کرا دیا گیا ہے۔ عورت
مرد۔ جانور۔ درخت۔ مکان۔ گرجا۔ مسجد۔ مندر اور ریل وغیرہ چلتے
پھرتے اور بیٹھتے ہوئے کی خوبصورت اور دلپسند فوٹو اتارنے
کے لئے کم از کم ایک بار ضرور منگائیں۔
قیمت چھوٹا سائز پانچ روپیہ (۵)
قیمت بڑا سائز صرف دس (۱۰) روپیہ
علاوہ خرچ ڈاک
کشیدہ کاڑھنے کی مشین
لڑکیاں اس سے کرسیوں کی گدیاں۔ سرہانوں کے غلاف
غلاف لیمپ۔ شال۔ چادریں۔ دوپٹے۔ سوٹ وغیرہ وغیرہ غرضیکہ کسی
قسم کے گرم سرد اور ریشمی کپڑوں پر اون سوت اور ریشم
سے ہر قسم کے پھول اور گلکاریاں بنا سکتی ہیں۔ ترکیب نہایت آسان
ہے۔ غریب لڑکیوں کے لئے روزگار اور امیروں کے لئے ایک
اعلیٰ تحفہ ہے۔ قیمت فی مشین صرف چار روپیہ۔ علاوہ خرچ ڈاک
مینیجر رکماس اینڈ کمپنی پوسٹ بکس ۹۹ لاہور

بچّوں کے لئے نہایت ہی دِلکش اور سبق آموز کتابیں

فطرت نگار سدرشن صاحب کے قلم جادو رقم سے

پارس } نہایت ہی دِلکش اور دلچسپ کہانیاں، جنہیں بچے بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ اخبارات و رسائل نے اس پر بہت زبردست ریویو کیئے ہیں۔ اس میں تین رنگدار تصویریں بھی ہیں۔ صاحب ڈائرکٹر بہادر نے اسے زائد ریڈر منظور فرمایا ہے۔ قیمت ۶ر حصّہ دوم ۹ر

بچوں کے لئے رامائن } ہندوؤں کی مشہور کتاب رامائن کا نام کس نے نہ سُنا ہو گا۔ مگر بچّوں کے لئے آسان عبارت میں کوئی رامائن آجتک نہ لکھی گئی تھی۔ اس کمی کو پنجاب کے مشہور ادیب فطرت نگار فسانہ نویس جناب سُدرشن صاحب نے پورا کر دیا ہے۔ اور بچّوں کے لئے رامائن لکھ دی ہے۔ اسکی زبان بڑی آسان اور مزیدار ہے۔ اس میں کئی رنگدار تصویریں بھی ہیں۔ اور صاحب ڈائرکٹر بہادر سررشتہ تعلیم پنجاب نے اسے سرکلر نمبر ۱ سیریل نمبر ۱۱۰۸۹ بی مجریہ ۱۵ ستمبر ۱۹۲۴ء کی رو سے انعام اور لائبریریوں کے لئے منظور فرمایا ہے قیمت (۱۲ر)

بچوں کیلئے مہابھارت } رامائن کے بعد لوگوں کا تقاضا تھا کہ مہابھارت تیار کرو۔ چنانچہ فطرت نگار سُدرشن نے بچّوں کے لئے آسان عبارت میں یہ کتاب بھی تیار کر دی ہے۔ بڑی آسان عبارت ہے اور کئی رنگدار تصویریں بھی ہیں قیمت (۱۴ر)

امرت } اس کتاب میں ایسی مزے کی کہانیاں ہیں کہ بچّے پڑھ کر ناچنے لگ جاتے ہیں۔ اگر کہانیوں کے سلسلے میں بچّوں کو اخلاق کے سبق سکھانے ہوں تو انہیں یہ کتاب دیدیجئے۔ اس میں بھی رنگدار تصویریں ہیں۔ پانچویں چھٹی جماعت کیلئے بہت اچھی کتاب ہے قیمت (۸ر)

دُنیا کے عجائبات } اس کتاب میں قدیم دُنیا کے سات عجائبات کا بڑا ہی پُرلطف بیان ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتوں عجائبات کی تصویریں بھی ہیں۔ صاحب ڈائرکٹر بہادر نے اس کتاب کو بھی سرکلر نمبر ۱ سیریل نمبر ۱۱۰۸۹ بی مجریہ ۱۵ ستمبر ۱۹۲۴ء کی رو سے لائبریریوں اور انعام کے لئے منظور فرمایا ہے۔ قیمت (۸ر)

رستم و سُہراب } یہ شاہنامہ کا مشہور قصّہ ہے۔ جسے فطرت نگار سُدرشن صاحب نے بچّوں کے لئے آسان زبان میں لکھا ہے اور حق تو یہ ہے کہ لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اور جگہ بہ جگہ اس قصّہ سے

جو سبق ملتے ہیں، وہ بھی نکال کر دکھائے ہیں، اور ایسی خوبی سے کہ پڑھ کر جی خوش ہو جاتا ہے۔ لکھائی چھپائی بڑی صاف ہے۔ اور تین رنگدار تصویریں ہیں۔ قیمت (۸/) +

پھول وتی } ایک لڑکی ہمیشہ سچ بولتی تھی۔ اور کبھی جھوٹ نہ بولتی تھی۔ اس پر بڑی بڑی مصیبتیں آئیں۔ لیکن اس بہادر لڑکی نے پھر بھی حوصلہ نہ ہارا۔ آخر سچ کی فتح ہوئی اور اُس لڑکی کے دِن پھرے۔ کس طرح۔ یہ پڑھ کر معلوم ہوگا۔ اخلاق کو بنانے کے لئے ایسی کتاب اُردو میں آجتک نہ چھپی ہوگی۔ چار رنگدار تصویریں ہیں قیمت (۸/) +

چندن } پنجاب کے بہترین افسانہ نویس سُدرشن صاحب کی بینظیر کہانیوں کا مجموعہ جس نے قصّہ نویسی کے میدان میں پنجاب کی لاج رکھ لی ہے۔ اِس میں عشقیہ کہانیاں نہیں ہیں۔ بلکہ زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آٹھویں جماعت کے طلباء کے لئے بڑے کام کی چیز ہے قیمت صرف (عہ/)

بہارستان } یہ کتاب بھی سدرشن صاحب کی کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ ادب کے لحاظ سے سدرشن صاحب کی کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جس کو بہترین کہانیاں پڑھنا ہوں اسے یہ کتاب پڑھنی چاہیئے۔ نویں اور دسویں جماعت کے لئے بہت موزوں ہے قیمت (عہ۱۲/)

محبّت کا انتقام } یہ ایک ناٹک ہے۔ جس نے ہندوستانی ناٹک کی دُنیا میں تھلکہ مچا دیا ہے۔ اس کے ہندی ایڈیشن پر ٹیکسٹ بک کمیٹی پنجاب نے سُدرشن صاحب کو پانچسو روپیہ انعام دیا ہے۔ اس کتاب کی (۱۵۰) ایک سو پچاس جلدیں قیمتاً خرید کر سکولوں میں تقسیم فرمائی ہیں۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کتاب طلبا کیلئے کیسی مفید ہوگی (عہ/)

قوم پرست } یہ کتاب تاریخی ناٹک ہے۔ جس کا دورِ حاضرہ کی سیاست سے چنداں علاقہ نہیں۔ بچّوں کو صحت بخش حب الوطنی کے سبق دیتا ہو۔ تو یہ کتاب بڑے معرکہ کی ہے قیمت صرف ایک روپیہ (عہ/)

کنج عافیت :۔ ایک مزیدار کہانی۔ نہایت سبق آموز ہر ہندوستانی بچّہ کو پڑھنی چاہیئے۔ قیمت چھ آنے (۶/)

آنریری مجسٹریٹ } نہایت ہی دلچسپ مذاقیہ ناٹک ہے۔ جسے پڑھکر بچّے ہنس ہنسکر لوٹ جائینگے پچاسوں سکولوں میں کھیلا جاچکا ہے۔ بڑے مزے کی کتاب ہے۔ قیمت صرف چار آنے (۴/)

قیمت سالانہ پانچ روپے رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۴۱۵۷ قیمت ششماہی عہ/ فی پرچہ ۲/

آنریری ایڈیٹرز:-
حکیم احمد شجاع بی اے (علیگ) سید غلام رسول طاہر جالندہری
ایڈیٹر محمد اسمٰعیل نعیم لکھیسر

جلد ۸ فہرست مضامین بابت ۲۹ مئی ۱۹۲۶ء نمبر ۲۰

ہم نم:- اکثر بچّوں کے معمّوں کے جواب بہت دیر سے دفتر میں موصول ہوتے ہیں۔ جبکہ نونہال چھپنے کے لئے چھاپہ خانہ میں بھیجدیا جاتا ہے۔ لیکن وہ بچّے تقاضا کرتے ہیں کہ ہمارے نام نونہال میں ضرور درج ہوں۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ایسے بچّوں کو چاہیے کہ مقررہ تاریخ تک معمّوں کے جواب دفتر میں بھیجدیا کریں۔ جو جواب بعد میں موصول ہونگے۔ وہ درج رسالہ نہ ہو سکیں گے۔

آنریری ایڈیٹر

دلچسپ معلومات

امریکہ میں ایک ایسا آلہ ایجاد ہوا ہے جو دستخط کرنے والے کی تصویر اُتار لیتا ہے جس وقت کوئی بنک کی کھڑکی کے سامنے آکر اپنا دستخطی کاغذ پیش کرتا ہے تو محرر فوراً ایک بٹن دباتا ہے۔ اور تصویر فوراً اُتر آتی ہے۔ اس تصویر کو بنک میں حفاظت سے رکھتے ہیں۔ اس آلہ کی بدولت بنک کو جعلی دستخط کرنے والے لوگوں سے نقصان اُٹھانا نہیں پڑتا۔

دو مشہور سائنسدانوں نے جسم کے اندرونی حصّہ کا عکس لینے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ ترکیب یہ ہے کہ جسم سے کچھ خون نکالتے ہیں۔ اس خون سے سیرم (خون کا پانی) لیتے ہیں۔ اس خون کے سیرم میں ریڈیم کی شعاعیں داخل کرتے ہیں۔ ریڈیم سے عمل کئے ہوئے خونی سیرم کو پچکاری کے ذریعہ جسم میں داخل کرتے ہیں۔ ریڈیم کی شعاعیں ناسوروں میں سما جاتی ہیں۔ اس طرح جسم کے اندرونی حصّہ کا عکس لیا جاتا ہے۔

چہرہ کی آب وتاب بڑھانے کے لئے ایک برقعہ ایجاد ہوا ہے۔ جو برقی روشنی سے منور کیا جاتا ہے۔ یہ برقعہ ایلومینیم دھات کا بنا ہوا ہے۔ اور چہرہ کو گرماتا ہے۔ مرطوب حرارت کھال کے مسامات کو کھولتی ہے۔ دوران خون کو حرکت دیتی، اور تھکی ہوئی رگوں کو آرام پہنچاتی ہے اس کا اثر کھال پر صحت بخش اور مقوی ہوتا ہے سفید برقی قمقمے سے جو روشنی نکلتی ہے۔ وہ جراثیم کو ہلاک کرتی اور قوت پہنچاتی ہے۔ لیکن نیلی روشنی خون کی نالیوں کو دبا دیتی ہے۔

سیّد برہان الدین احمد

واجد کا طوطا

میاں! دیکھو پنجرے میں اُنگلی نہ ڈالو
ذرا پیارے واجد مری بات مانو

نہیں تو پکڑ لے گا اُنگلی کو طوطا
نتیجہ بُرا اس شرارت کا ہو گا

ہٹو، دُور بیٹھو، یہاں سے تم اُٹھ کر
پُکارو اب اس کو "میاں مِٹھّو" کہہ کر

کہیگا "میاں مِٹھّو" وہ بھی زباں سے
کہو تم پھر اپنے یہ "مِٹھّو میاں" سے

کہ "کھانا بنی جی ہمیں آج بھیجو"
"بنی جی" کہیگا ذرا کہہ کے دیکھو!

سکھاتی ہیں جو کچھ کہ "آپا" تمہاری
پڑھاتی ہے جو کچھ "کھلائی"[1] تمہاری

اُسے دھیان سے خوب سُنتا ہے "مِٹھّو"
اُسے یاد بھی خوب رکھتا ہے "مِٹھّو"

وہ کرتا ہے محنت سے ہر بات ازبر
"بنی جی" تو کیسا سُناتا ہے "فرفر"

خُدا نے بنایا ہے اِنسان تم کو
دِئے لکھنے پڑھنے کے سامان تم کو

کرو! دِل سے محنت نہ بیکار بیٹھو
لو آؤ اِدھر اب سبق یاد کر لو

ساجد علی بیگ از مراد آباد

---

[1] دائی یا بچّوں کو کھلانے والی خادمہ

ظُلم

کسی کمزور غریب اور بیکس کو تم اس لئے مت ستاؤ کہ اس کا کوئی مدد کرنیوالا نہیں۔ ہم میں کے بہت سے ایسے ہیں جن کو دن بھر غریبوں یتیموں کو مارنے پیٹنے کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر ہم انہیں ستائیں گے تو کوئی ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ مگر یاد رکھو ایسے لوگوں سے بدلہ لینے والا ہم سب سے زبردست طاقت رکھتا ہے۔ جسے ہم تم خُدا کہتے ہیں۔

بہت سے امیروں کے لڑکے اپنے باپ کی دولت کے نشہ میں مغرور جب کسی غریب لڑکے کو دیکھتے ہیں، تو فوراً اُس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے ہیں۔ کبھی اس کے بال کھینچتے ہیں، کبھی کنکر بازی ہوتی ہے۔ اور کبھی گھونسوں کی بارش۔

امیر زادے کے اس فعل سے بچارے غریب نے اگر غصّہ میں آکر کچھ کہا۔ تو اس کی تو شامت ہی آگئی۔ اگر خدانخواستہ اُسے گھونسوں کا جواب گھونسوں میں دیا۔ اور امیر زادے کے جسم سے خُون بہنے لگا، تو معاملہ کچہری تک پُہنچ گیا۔ اور اس غریب زادے پر ناحق چابک برسے۔ غریب لڑکے کو اس سے بھی سخت چوٹیں آئیں، تو بلا سے۔ کون پُوچھنے والا ہے۔

ان امیر بچّوں کو شاید معلوم نہیں کہ جس چیز پر اُنہیں گھمنڈ ہے، یہ پانی کے بُلبلے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی دولت ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ آج میرے پاس تو کل کسی دوسرے کے پاس۔ ہاں ان بچّوں کو لازم ہے کہ وہ ان کمینہ حرکت

سے باز آئیں۔ شریف بچے چاہے کتنے ہی امیر کیوں نہ ہوں، اس کام کو کبھی پسند نہ کرینگے۔

ایک قسم کے لڑکے ایسے بھی ہیں۔ جنہیں حقیقی معنوں میں شیطان کے گرو کہا جا سکتا ہے۔ بچے تو بچے، بوڑھے تک ان کے ہاتھوں سے نہیں بچتے۔ کسی کُبڑے کو لکڑی کے سہارے جاتے دیکھا تو اُس طرف دوڑے، اور اس کی لکڑی کو یا تو دھوکہ دیکر یا زبردستی چھین کر دُور پھینک دیا۔ اور کھڑے ہو کر ہنسنے اور تماشہ دیکھنے لگے۔

بعض ایسے نابکار بھی ہیں، جو کسی اندھے بچارے کو دھوکے سے ہمدردی جتاتے ہوئے کسی گڑھے میں اوندھے مُنہ گرا دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں شاید یہ اچھا کام ہو، مگر دُنیا ایسے ناپاک پر شیطان کی طرح لعنت بھیجتی ہے۔ اور اللہ میاں ایسے لڑکوں سے ناراض ہوتے ہیں۔

بھائیو۔ یہ سب حرکتیں ایک مہذب لڑکے کی نہیں، بلکہ ایک گنوار۔ جاہل۔ اور کمینے کی ہیں۔ خواہ وہ امیر اور تعلیم یافتہ ہی کیوں نہ ہو۔ ایسی حرکتیں کرنے والوں کو دُنیا نفرت کی نگاہوں سے دیکھتی ہے اور ہر شخص کو اس پر غُصّہ آتا ہے۔ اور اللہ میاں کبھی اس پر رحم نہیں کرتے۔

ان سب حرکتوں کو ظلم کہتے ہیں۔ اور ظلم کرنے والے یعنی کسی بیگناہ کو ستانے اور کسی کو ناحق دُکھ دینے والے کو ظالم کہتے ہیں۔ ظالم کو ہر چھوٹا بڑا بددُعا دیتا ہے۔ تم نے حجاج بن یوسف کا نام اکثر نونہال کے صفحات میں پڑھا ہوگا۔ آج بھی دُنیا اس کے ظلم کے کارناموں کو یاد کر کے

اُسے بُرا بھلا کہتی ہے۔ اس لئے جہانتک ہو سکے، تُم کسی کو نہ ستاؤ۔ تم جسے ناحق ستاتے ہو، اُسے مظلوم کہتے ہیں۔ اور مظلوموں کو ستانا پرلے درجہ کی بُزدلی ہے۔

دوستو، مظلوم کو نہ ستاؤ۔ اگر یہ کمینہ حرکت کرو گے، تو یاد رکھو مظلوم کے دِل سے جو دُھواں اُٹھیگا، وہ عرشِ عظیم تک پہنچکر خدا کی خُدائی کو غضب میں لائیگا۔ اور اللہ میاں کے غضب و غُصّہ کی ادنےٰ چنگاری سے تم اور تمہارا گھر بار صفحۂ ہستی سے مٹ کر ایسے فنا ہو جائیگا کہ کسی کو خبر تک نہ ہوگی۔

بشیر

چنڈول اور شہزادہ

پُرانے زمانے کا ذکر ہے کسی مُلک پر ایک رحمدل اور فیاض بادشاہ حکمران تھا۔ اس کی سلطنت بہت وسیع تھی۔ اس کے دربار میں ایک جانور، جس کو چنڈول کہتے ہیں، رہتی تھی۔ بادشاہ کو اس کے ساتھ بہت محبّت تھی۔ کیونکہ وُہ چنڈول بہت خُوبصورت تھی اور میٹھے میٹھے راگ بادشاہ کو سُنایا کرتی تھی۔ بادشاہ اس کے میٹھے میٹھے راگ سُن کر بہت خوش ہوتا۔ اتفاقاً چنڈول نے ایک انڈا دِیا۔ اور چند روز کے بعد اُس انڈے میں سے ایک بچّہ نکل آیا۔ وُہ بچّہ بادشاہ کے سامنے لایا گیا۔ بادشاہ چنڈول کے بچّے کو دیکھ کر بہت خوش ہُوا اِتّفاق سے اُسی دن بادشاہ کے ہاں بھی ایک خُوبصورت بچّہ پیدا ہُوا۔ بادشاہ نے حکم دِیا۔ کہ چنڈول کے بچّے کو بھی میرے محل میں بھیجا جائے۔ تاکہ وہاں میرا بچّہ

(یعنی شہزادہ) اور چنڈول کا بچّہ دونوں اکٹھے ہی پرورش پائیں۔ اور اکٹھے کھیلا کریں۔ چنانچہ بادشاہ کے فرمان کے مطابق دونوں بچے ایک ہی جگہ پرورش پانے لگے۔ جب وہ دونوں بچّے کچھ بڑے ہوئے، تو اِن دونوں میں اِسقدر محبت ہوگئی، کہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے۔ جب شہزادہ کھانا کھانے بیٹھتا تو چنڈول کا بچّہ اُڑکر اُس کے دستر خوان پر آبیٹھتا شہزادہ بہت خوش ہوتا۔ اور اپنے ہاتھ سے اس کے مُنہ میں کھانا ڈالتا۔ اُدھر چنڈول بھی دُور دراز کے پہاڑوں سے طرح طرح کے میوے لاتی اور اپنے بچّے اور شہزادہ کو کھلاتی۔ وہ میوے ایسے میٹھے اور عجیب ہوتے تھے کہ شہزادہ کھاکر بہت خوش ہوتا۔ اِسی طرح وُہ دِونوں بچّے جلد جوان ہوگئے۔ چونکہ

چنڈول بادشاہ کے بچّے کو بھی میوے لاکر کھلاتی تھی، اِس وجہ سے بادشاہ کو چنڈول اور چنڈول کے بچّے سے اور بھی زیادہ محبّت ہوگئی۔ ایک دن خدا کا کرنا کیا ہُوا کہ چنڈول باہر میوے لانے کے لئے گئی ہُوئی تھی۔ اور دونوں بچّے آپس میں کھیل رہے تھے۔ اچانک چنڈول کا بچّہ اُڑکر شہزادے کے ہاتھ پر جا بیٹھا۔ اس کے بیٹھنے سے اس کے تیز ناخن شہزادے کے نرم و نازک ہاتھ میں چُبھ گئے اور زخم ہوگیا۔ شہزادہ غصّے سے لال پیلا ہوگیا۔ اور سابقہ دوستی کو بالکل بُھلادِیا۔ جوش میں آکر شہزادے نے چنڈول کے بچّے کو ٹانگ سے پکڑا اور زمین پر ایسے زور سے دے مارا، کہ بچّہ گرتے ہی مرگیا۔ اور وہ ہنستا کھیلتا دوست آن کی آن

میں بے جان ہو گیا۔ شام کو جب چنڈول واپس آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ اس کا عزیز بچّہ فرش پر مردہ پڑا ہے۔ اس واقعہ کو دیکھ کر اس کے دل پر سخت صدمہ ہُوا۔ اس کی آنکھوں میں جہان سیاہ ہو گیا۔ وُہ پھر جوش میں آکر اپنے آپ پر ملامت کرنے لگی۔ اور کہنے لگی۔ کہ " اے بیوقوف تو نے ایک ناچیز جانور ہو کر کیوں اتنے بڑے آدمیوں سے اسقدر میل جول پیدا کیا۔ کہ تجھے آج یہ دن دیکھنا نصیب ہُوا۔ اگر تو اپنی حیثیت کے مطابق رہتی اور اپنا آشیانہ کسی جھاڑی میں بناتی تو آج کیوں تجھے یہ روز بد دیکھنا نصیب ہوتا۔

پیارے نونہالو۔ تمہیں بھی ایسے آدمیوں سے میل جول رکھنا چاہیئے، جو سب تمہیں بھائی سمجھیں، اور کوئی دُکھ نہ پہنچائے۔ اور جو کوئی چنڈول کی طرح اپنی حیثیت سے بڑھ کر دوسرے لوگوں سے میل ملاپ رکھے گا۔ اُس کا بھی یہی حال ہو گا۔ جو چنڈول کا ہُوا۔

باقر علی عیش از ابوہر

لطیفے

۱۔ ایک آدمی اخبار میں اشتہار پڑھکر اپنی بیوی سے کہنے لگا۔ آجکل مہر چند کی دُکان پر تمام دوائیں آدھی قیمت پر ملتی ہیں۔

بیوی نے سُنکر کہا۔ کہ کتنے افسوس کی بات ہے۔ کہ اب ہمارے گھر میں کوئی بھی بیمار نہیں۔

۲۔ جج۔ تم نے اس آدمی کے لات کیوں ماری۔ ملزم نے کہا۔ " کیونکہ اُس نے مجھے گدھا کہا تھا۔

پریم لال سہگل

امریکہ کی کہانیاں

برطانیہ کی نوآبادیاں (نیو انگلینڈ)

امریکہ کی بہت پرانی کہانی اس سے پہلے نونہال کے کسی پرچہ میں شائع ہو چکی ہے۔ مَیں جو حالات لکھونگا، وہ اُس وقت کے ہیں، جب برطانیہ کو امریکہ کے آباد کرنے کا خیال پیدا ہوا۔

اس سے پہلے میرے ایک مضمون میں تم پڑھ چکے ہو، کہ کس طرح نیو فاونڈلینڈ آباد ہوا۔ نیو فاونڈلینڈ سے ملا ہوا ایک بڑا بھاری برّاعظم ہے۔ جس کو امریکہ کہتے ہیں۔ اس کو خاکنائے پناما دو حصوں میں تقسیم کرتی ہے۔ شمالی حصّے کو تو شمالی امریکہ اور جنوبی کو جنوبی امریکہ کہتے ہیں۔ جنوبی امریکہ میں انگریزوں کے قدم بہت کم جمے۔ کیونکہ پرانے زمانہ میں کل برّاعظم پرتگال اور اسپین والوں میں بٹا ہوا تھا۔ مگر شمالی امریکہ کو صرف کو نبس دریافت کر کے چلا گیا تھا۔ اور آباد نہیں کیا تھا۔

اس زمانہ میں شمالی امریکہ کئی حصوں میں تقسیم تھا۔ دریائے سنٹ لارنس کا شمالی حصّہ فرانس کے قبضہ میں تھا۔ اور دریائے مس سپی کا مغربی حصّہ اسپین کے پاس تھا۔ دریائے ہڈسن کی وادی پر (جس کو پرانے زمانے میں نیو ایمسٹرڈم کہتے تھے۔ اور جو اب نیو یارک کے نام سے مشہور ہے) ہالینڈ والے (ڈچ) اپنا قبضہ جمائے بیٹھے تھے۔ فلورڈا کا جزیرہ نما اسپین والوں کے ہاتھ میں تھا۔ باقی کل برّاعظم خالی خولی میدان پڑا ہوا تھا۔ وحشی ریڈ انڈین (امریکہ کی ایک قوم) اِدھر اُدھر ماری پھرتی تھی۔

اسی زمانہ یعنی ۱۶۰۳ء میں ملکہ الزبتھ کا انتقال ہوگیا۔ اور اس کی بجائے جیمس اوّل اس کا چچازاد بھائی تخت پر بیٹھا۔ اس کے زمانہ میں یورپ کی سرزمین میں "تیس سالہ لڑائی" شروع ہوئی کیونکہ ہنری ہشتم شاہِ انگلستان کے عہد میں عیسائی مذہب کے کئی فرقے ہوگئے تھے اس لڑائی میں کروڑہا جانیں ضائع ہوئیں لڑائی چونکہ جرمنی کے مُلک میں ہوئی تھی۔ اس لئے جرمنی کی ایک چوتھائی آبادی گھٹ گئی۔ بعض لوگ ایسے تھے جو پوپ (سب سے بڑا پادری جو روم میں رہا کرتا تھا۔ اس کا یورپ میں بڑا رعب تھا۔ اور ایک خاصے بڑے مُلک پر قبضہ جمائے بیٹھا تھا) کو نہیں مانتے تھے۔ اس کے خلاف ایک جرمن لوتھر اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اس نے اپنی تقریر سے کل یورپ میں آگ لگادی۔ اور پوپ کے حامیوں کے خلاف (جو رومن کیتھولک کہلاتے تھے) ایک نیا فرقہ جاری کیا۔ جس کا نام پروٹسٹنٹ رکھا۔ جس کے حامی پروٹسٹنٹ کہلاتے تھے۔ آخرکار ان دونوں میں سخت لڑائی ہوئی۔ جیسا کہ اُوپر لکھا جا چکا ہے۔

انگلستان میں اب ایک بادشاہ نے انگریزوں کے عبادت کرنے کے لئے ایک الگ گرجا بنایا۔ اور حکم صادر کیا۔ کہ سب اس کی عبادت کریں۔ کچھ لوگ کہنے لگے کہ بھئی جس طرح سے چاہو عبادت کرو۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم اس طرح سے عبادت کریں یا گرجا میں آرائش کریں اور سجائیں۔ بالکل سادہ عبادت ہو۔ اور انجیل (عیسائیوں کی مقدس کتاب جو خُدا کی طرف سے حضرت عیسیٰؑ پر اُتری تھی) بالکل خالص ہو۔ اور اسی واسطے

یہ لوگ پوریٹان (یعنی خالص پارٹی) کہلاتے تھے۔ الزبتھ ملکہ کے زمانہ میں ان لوگوں نے انگریزی گرجا کے خلاف تقریریں کرنی شروع کر دیں۔ اور ملک میں بہت کچھ جھگڑا پیدا ہوا۔ اس کو دیکھ کر ملکہ نے واعظوں کو سخت سزا دی۔

آخرکار پوری ٹان ان سزاؤں کو نہ برداشت کر سکے۔ بہت سے لوگ ہالینڈ میں پناہ گزیں ہوئے۔ مگر وہاں بھی کافی شافی پناہ نہ ملی۔ ان لوگوں نے ایک جہاز بنایا۔ اس کا نام فلاور رکھا۔ اور بندرگاہ پلائی ماؤتھ سے چل نکلے۔ سب سے پہلے جس سرزمین میں اُترے، وہ راس کوڈ تھی۔

انگلینڈ کے بادشاہ جیمس اوّل کو نوآبادیاں بنانے کا بہت شوق تھا۔ اس نے ایک اور گروہ بھیجا۔ یہ لندن کے سوداگر تھے۔ جیمس نے ایک چارٹر ۱۶۰۷ء میں ان کو دیا۔ چنانچہ کپتان کرسٹوفر نیوپورٹ کی ماتحتی میں روانہ ہوئے۔ جس جگہ پر سب سے پہلے اُترے، وہ دریائے جیمس تھا۔ انہوں نے فوراً انگریزی جھنڈا گاڑ دیا۔ اور ایک شہر جیمس ٹاکان (جیمس کا شہر) بسایا۔ اور اس کے اردگرد کے علاقہ کو ورجنا کہنے لگے۔

اور صدر کپتان اسمتھ بنائے گئے۔

اس نے ایسا اچھا انتظام کیا کہ سب خوش ہو گئے۔ اتفاق سے اس کے ایسا زخم ہو گیا، جو یہاں اچھا نہیں ہو سکتا تھا اس لئے اس کو انگلینڈ جانا پڑا۔ اس کے جاتے ہی گڑبڑ پیدا ہو گئی۔ سب اپنی اپنی ہانکنے لگے۔ چنانچہ دوسرا صدر ڈلوپر بھیجا گیا۔ جس وقت وہ ساحل پر پہنچا۔ کیا دیکھتا ہے کہ تمام لوگ واپس جانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اور اُس ملک کو چھوڑ رہے ہیں۔ اس نے ایسی تقریر کی کہ سب وہیں ٹھہر گئے۔

جو کچھ قوانین اسمتھ نے جاری کئے تھے۔ سب دوبارہ جاری کر دیتے گئے۔ اور اس کا انتظام بھی اچھا ہو گیا۔ اور ایک نیا علاقہ ڈلو پرا۔ اپنے نام سے آباد کیا۔

اسیڈیا (نیو فاؤنڈ لینڈ کے پاس ایک جزیرہ نما) فرانس کے پاس سنہ ۱۶۰۲ء سے تھا۔ سنہ ۱۶۲۷ء میں اسپین و فرانس میں نئے سرے سے صلح ہوئی۔ فرانس نے لڑائی کے خرچ کے عوض اسیڈیا دیا۔ اور اسپین نے جارجیا دیا۔ سنہ ۱۶۳۲ء میں پھر صلح ہوئی۔ اور اس کی رو سے اسیڈیا فرانس کو واپس کر دیا گیا۔ کیونکہ یہ بہت دور تھا۔ اور انتظام خراب تھا۔

جب اور لوگوں نے دیکھا کہ یہ تو بڑے مزے سے زندگی گزار رہے ہیں۔ عبادت کھلم کھلا ہے۔ نہ لڑائی ہے نہ دنگہ ہے۔ سوچا کہ ہم بھی چلیں۔ چنانچہ ایک پارٹی "براڈنسٹ" کے نام سے بنائی۔ اور چل کھڑے ہوئے۔ جس جگہ پر اترے اس کا نام انہوں نے بوسٹن رکھا۔ اور اس کے گرد و نواح کے علاقہ کو دریافت کر کے نام مسوچوسیٹ سنہ ۱۶۳۰ء میں رکھا۔

ایک انگریز سیاح بالٹی ور کو شوق ہوا کہ امریکہ جائے، اور کوئی نوآبادی قائم کر کے نام روشن کرے۔ چنانچہ سنہ ۱۶۳۲ء میں وہ آیا۔ یہاں اس نے اپنے نام بالٹی مور شہر بسایا۔ اور ایک علاقہ کو دریافت کر کے نام میری لینڈ سنہ ۱۶۳۲ء میں رکھا۔ کچھ لوگ اور آئے اور انہوں نے سنہ ۱۶۳۵ء میں نیو ہمپشیر بسایا۔

مین کا علاقہ آباد کیا گیا۔ یہ نوآبادی کو نگر کی تھی۔

ابھی لوگ آنا بند نہ ہوئے تھے۔ ایک جہاز آدمیوں سے جنہیں پلگرم فادرز کہتے

ہیں بھرا ہوا آیا۔ اُنھوں نے ۱۶۳۵ء میں
کنکٹیکٹ کا علاقہ آباد کیا۔

اور پھر ۱۶۴۷ء میں جزیرہ رہوڈ
آباد ہوا۔

انگریزوں اور ڈچ میں مدت سے
لڑائی چلی آرہی تھی۔ اوّل اوّل تو ڈچ
جیت میں رہے۔ مگر بعد میں انگریز ان
پر غالب آئے۔ آخرکار صلحنامہ ..... پر
دونوں نے دستخط کئے۔ جس کی رو سے
نیو ایمسٹرڈم (جس کا نام بدل کر نیویارک
رکھا گیا) ۱۶۶۷ء میں دیا گیا۔

نیو فاؤنڈلینڈز (جسے نیو ایمسٹرڈم
بھی کہنے لگے) کے جنوب میں ایک علاقہ
تھا۔ جس کو سویڈن والوں نے دریافت
کیا تھا۔ اور نام نیوسویڈن رکھا تھا۔ یہ
اُن کے ہاتھ میں ۱۶۳۴ء سے تھا۔ لیکن
ان کا ملک بہت ہی دُور تھا اس لئے اُس
زمانہ میں انتظام اچھا نہیں رکھ سکتے تھے۔
ایک پادری (جرمن مین جسے انگریزی میں
کہتے ہیں) آئے۔ اُنھوں نے اس کو نئے
سرے سے دریافت کیا۔ اور ۱۶۶۷ء میں
انگریزی جھنڈا گاڑ دیا۔ اور انگریزی ملک
بنا دیا۔

سویڈن والے بھی چپ رہے۔ بھلا
اتنے سے ٹکڑے کے لئے کیا لڑتے۔
اس نے اپنے نام پر نیو جرسی رکھا۔

ایک اور انگریز سر ولیم پن نے ایک
شہر بسایا۔ جس کا نام فلاڈلفیا رکھا۔ اور
علاقہ کا نام پنسلونیا رکھا۔

انگلینڈ کے بادشاہ چارلس دوم کے
زمانہ میں کیرولینا آباد کئے گئے۔

اب یہ تیرہ نوآبادیاں ہوگئیں۔ ان
سب کو ملا کر نیو انگلینڈ کہا جانے لگا۔ یہ
نوآبادیاں بہت دنوں تک انگریزوں

کے پاس رہیں۔ مگر ۱۷۷۶ء میں ان سب نے بغاوت کی۔ جو بجھائی نہ جا سکی۔ اور آخر کار یہ سب خود مختار ہوگئیں۔ اور اب ریاستہائے ممالک متحدہ کے نام سے مشہور ہیں۔ جو انگلینڈ کو چھوڑ کر دنیا بھر میں ایک طاقتور ملک ہے۔ ان کی خود مختاری کا حال آگے چل کر پڑھو گے۔

مضمون لکھنے والے

طالب علم نوٹ کرلیں کہ مضمون خوشخط ہونا چاہیئے۔ اور کاغذ کے دو حصے کرکے ایک حصہ پر مضمون اور سامنے کا ایک حصہ اصلاح کے لئے خالی چھوڑ دینا چاہیئے ورنہ مضمون چھپ نہیں سکیگا۔

ایڈیٹر

حل طلب سوالات

۱۔ اُوپر کی شکل میں اب ج د ایک مربع زمین ہے۔ جس میں ر س ف ج ایک باغیچہ ہے۔ اس باغیچہ کو چھوڑ کر باقی زمین اب ر س ف د کے چار برابر حصے کرنے ہیں بشرطیکہ یہ ہے۔ کہ چاروں کا رقبہ مساوی ہو۔ اور چاروں حصوں کی شکلیں ایک جیسی ہوں۔

۲۔ وہ کونسا جانور ہے جس کے سر پر ٹانگیں ہوتی ہیں۔

۳۔ وہ کونسا جانور ہے۔ جو نتھنوں سے

پانی پیتا ہے۔ (سیّد مظفر علی)

۴۔ وہ کونسی چیز ہے۔ جسے ہر ایک آدمی کھاتا ہے۔ اگر اس کا سر کاٹ دیا جائے تو آدمی اُسے کھا کر مر جاتا ہے۔ (جارج)

ان تمام سوالوں کا صحیح حل بھیجنے والے کو دفتر نونہال سے ایک روپیہ کی کتابیں بطور انعام تقسیم کی جائینگی۔ جوابات ۸۔ جون تک دفتر میں پہنچ جانے چاہئیں جن کے جوابات ۸ جون کے بعد موصول ہونگے۔ ان کے نام ہرگز نونہال میں شائع نہ ہو سکیں گے۔ (آنریری ایڈیٹر)

ہر ایک کے ساتھ محبّت سے پیش آؤ

ایک دن صبح کا وقت تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ مَیں سیر کرتا ہوا دریا کے کنارے جا نکلا۔ چاروں طرف سبزے کا فرش بچھ رہا تھا۔ رنگ برنگ کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ شبنم نے ان کی خوبصورتی کو دوبالا کر رکھا تھا۔ ہوا معطر ہو رہی تھی۔ پھول ہوا کے نرم نرم جھونکوں سے اس طرح لہرا رہے تھے گویا اپنے پیدا کرنے والے کو سچے دل سے یاد کرتے ہوں۔ مچھلیاں پانی میں تیر رہی تھیں۔ سورج کی شعاعیں پانی پر اس طرح گرتی تھیں گویا کوئی جوہری آبدار موتی برسا رہا ہے۔ پرندے درختوں کی ٹہنیوں پر بیٹھے میٹھے میٹھے سروں میں راگ الاپ رہے تھے۔ غرضکہ اس وقت عجیب دلفریب سماں تھا۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ سامنے سے ایک اندھا فقیر چلا آ رہا ہے۔ ایک سات آٹھ برس کا لڑکا اُسے دق کر رہا ہے۔ مجھے اس اندھے فقیر پر بڑا رحم آیا۔ مَیں نے لڑکے کو منع کیا۔ لیکن لڑکے

نے مجھ سے کہا۔ "آپ اس اندھے فقیر کو نہیں جانتے اگر اس سے گفتگو کریں، تو پھر معلوم ہو۔"

میں نے یہ سوچکر کہ کیا یہ لڑکا واقعی ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اس فقیر سے یوں گفتگو شروع کی

میں۔ "شاہ صاحب آپ کا اسم مبارک کیا ہے"۔

فقیر: میرا نام شیطان ہے۔ کیوں کچھ اور پوچھنا چاہتے ہو؟" میں۔ (حیرت سے) "آپ کہاں سے آئے ہیں، اور کہاں تشریف لئے جارہے ہیں"

اندھا۔ "اندھیرے کنوئیں سے آیا ہوں اور جہنم میں جارہا ہوں۔ اب راضی ہو؟"

میں۔ "شاہ صاحب آپ اسقدر ناراض کیوں ہوتے ہیں۔" فقیر۔ "ناراضگی میری فطرت ہی میں لکھی ہے۔" اتنے میں اس لڑکے نے اسے کچھ کہا فقیر نے تنک کر جواب دیا۔ "تیرا باپ گدھا معلوم ہوتا ہے۔" لڑکے نے کہا۔ "آپ کا باپ کون تھا۔" فقیر نے جل بھن کر جواب دیا۔ "میرا باپ شیطان ہے بس؟ اور کیا چاہتا ہے؟"

اسی اثنا میں ایک اور آدمی ادھر آنکلا۔ اس نے آتے ہی پوچھا کہ "گاؤں یہاں سے کتنی دور ہے"

فقیر نے کہا۔ "کیا تجھے نظر نہیں آتا؟"

قدرت کے کھیل دیکھئے، یہ شخص بہرا تھا۔ اس لڑکے نے اسے سمجھایا کہ فقیر یہ کہہ رہا ہے وہ یہ سنتے ہی غصے میں بھر گیا۔ آنکھیں خون کی مانند سرخ ہوگئیں۔ لال پیلا ہوکر بولا۔ "ٹھہر او کمبخت فقیر۔ ابھی اس شرارت کا مزہ چکھاتا ہوں۔" یہ کہکر اس نے فقیر کو پکڑ لیا۔ اور اسقدر پیٹا کہ فقیر کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا۔ جس وقت فقیر کی اچھی طرح مرمت ہوچکی تو فقیر نے کہا۔ "بھائی اب میری حالت پر رحم کرو اور اس بیدردی سے مجھے نہ پیٹو۔ آئندہ میں کبھی کسی سے سخت کلامی سے پیش نہ آؤنگا۔ اور نہ کبھی ایسی خطا مجھ سے سرزد ہوگی۔"

اس بہرے نے فقیر کو چھوڑ دیا اور اپنی راہ لی

اس واقعہ کے ایک ماہ بعد اتفاقاً وہی فقیر مجھے پھر ملا لیکن اس کا طرز کلام پہلے کی نسبت کئی گنا تبدیل ہوچکا تھا۔ اب وہ سیدھی بات کرتا تھا۔ اور ہر ایک کے ساتھ باادب پیش آتا تھا۔

عبدالرشید تبسم

(مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ گوپال داس پرنٹر چھپا اور دارالاشاعت ادب لطیف کیلئے محمد اسمٰعیل لکھیسر پبلشر و پروپرائیٹر نے چیمبرلین روڈ لاہور سے شائع کیا)

چند عجیب و غریب اشیاء
جیبی سگریٹ مشین
ایک گھنٹہ میں (۲۰۰) دو سو سگریٹ تیار کرتی ہے۔
ترکیب نہایت سہل ہے۔ تمام کی تمام گلٹ کی ہوئی ہے۔
نہایت ہی مختصر اور چھوٹی سی مشین ہے۔ سفر کے لئے نہایت ہی
مفید چیز ہے۔ کیونکہ یہ کوٹ کی جیب میں بھی رکھی جاسکتی ہے۔
قیمت فی مشین صرف چار روپیہ (۴) علاوہ خرچ ڈاک
آگ جلانے کی مشین!
اس مشین سے کئی کام لئے جاسکتے ہیں۔ مثلاً بلا مدد
دیاسلائی۔ آگ جلانا۔ سگریٹ جلانا وغیرہ وغیرہ
قیمت فی مشین صرف ایک روپیہ آٹھ آنہ۔ علاوہ خرچ ڈاک
جیبی چھاپہ خانہ یا مہر گھر
یہ انگریزی کا چھاپہ خانہ قابل تعریف ہے۔ اس سے لفافہ
ملاقاتی کارڈ اور مہر میں جو دل چاہے چھاپ سکتے ہیں۔ قابل
دید ہے۔ قیمت فی چھاپہ خانہ صرف دو روپیہ (۲) علاوہ خرچ ڈاک
ھلینڈ کیمرہ!
یہ کیمرہ خاص طور پر جرمنی سے تیار کرا دیا گیا ہے۔ عورت
مرد۔ جانور۔ درخت۔ مکان۔ گرجا۔ مسجد۔ مندر اور ریل وغیرہ چلتے
پھرتے اور بیٹھتے ہوئے کی خوبصورت اور دلپسند فوٹو اتارنے
کے لئے کم از کم ایک بار ضرور منگائیں۔
قیمت چھوٹا سائز پانچ روپیہ (۵)
قیمت بڑا سائز صرف دس (۱۰) روپیہ
کشیدہ کاڑھنے کی مشین
لڑکیاں اس سے کرسیوں کی گدیاں۔ سرہانوں کے غلاف
غلاف۔ شال۔ چادریں۔ دوپٹے۔ سوٹ وغیرہ وغیرہ غرضیکہ کسی
قسم کے گرم سرد اور ریشمی کپڑوں پر اون سوت اور ریشم
سے ہر قسم کے پھول اور گلکاریاں بنا سکتی ہیں۔ ترکیب نہایت آسان
ہے۔ غریب لڑکیوں کے لئے روزگار اور امیروں کے لئے ایک
اعلیٰ تحفہ ہے۔ قیمت فی مشین صرف چار روپیہ۔ علاوہ خرچ ڈاک
مینیجر رکماس اینڈ کمپنی پوسٹ بکس ۹۹ لاہور

بچّوں کے لئے نہایت ہی دِلکش اور سبق آموز کتابیں

فطرت نگار سدرشن صاحب کے قلم جادو رقم سے

پارس } نہایت ہی دِلکش اور دلچسپ کہانیاں، جنہیں بچّے بڑے شوق سے پڑھتے ہیں اخبارات و رسائل نے اس پر بہت زبردست ریویو کئے ہیں۔ اس میں تین رنگدار تصویریں بھی ہیں۔ صاحب ڈائرکٹر بہادر نے اسے زائد ریڈر منظور فرمایا ہے۔ قیمت ۶ر حصّہ دوم ۹ر

بچّوں کے لئے رامائن } ہندوؤں کی مشہور کتاب رامائن کا نام کس نے نہ سُنا ہوگا۔ مگر بچّوں کے لئے آسان عبارت میں کوئی رامائن آجتک نہ لکھی گئی تھی۔ اس کمی کو پنجاب کے مشہور ادیب فطرت نگار فسانہ نویس جناب سُدرشن صاحب نے پُورا کر دیا ہے۔ اور بچّوں کے لئے رامائن لکھ دی ہے۔ اسکی زبان بڑی آسان اور مزیدار ہے۔ اس میں کئی رنگدار تصویریں بھی ہیں۔ اور صاحب ڈائرکٹر بہادر سررشتہ تعلیم پنجاب نے اسے سرکلر نمبر ۱ سیریل نمبر ۱۱۰۸۹ بی مجریہ ۱۵ استمبر ۱۹۲۴ء کی رو سے انعام اور لائبریریوں کے لئے منظور فرمایا ہے قیمت (عہ)

بچّوں کیلئے مہابھارت } رامائن کے بعد لوگوں کا تقاضا تھا کہ مہابھارت تیار کرو۔ چنانچہ فطرت نگار سُدرشن نے بچّوں کے لئے آسان عبارت میں یہ کتاب بھی تیار کر دی ہے۔ بڑی آسان عبارت ہے اور کئی رنگدار تصویریں بھی ہیں۔ قیمت (۱۴ر)

امرت } اس کتاب میں ایسی مزے کی کہانیاں ہیں کہ بچّے پڑھ کر ناچنے لگ جاتے ہیں۔ اگر کہانیوں کے سلسلے میں بچّوں کو اخلاق کے سبق سکھانے ہوں تو انہیں یہ کتاب دیدیجئے۔ اس میں بھی رنگدار تصویریں ہیں۔ پانچویں چھٹی جماعت کیلئے بہت اچھی کتاب ہے قیمت (۸ر)

دُنیا کے عجائبات } اس کتاب میں قدیم دُنیا کے سات عجائبات کا بڑا ہی پُرلطف بیان ہے۔ اور اس کے ساتھ سات ان عجائبات کی تصویریں بھی ہیں۔ صاحب ڈائرکٹر بہادر نے اس کتاب کو بھی سرکلر نمبر ۱ سیریل نمبر ۱۱۰۸۹ بی مجریہ ۱۵ استمبر ۱۹۲۴ء کی رو سے لائبریریوں اور انعام کے لئے منظور فرمایا ہے۔ قیمت (۸ر)

رستم و سہراب } یہ شاہنامہ کا مشہور قصّہ ہے۔ جسے فطرت نگار سُدرشن صاحب نے بچّوں کے لئے آسان زبان میں لکھا ہے اور حق تو یہ ہے کہ لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اور جگہ بہ جگہ اس قصّہ سے

جو سبق ملتے ہیں، وہ بھی نکال کر دکھاتے ہیں، اور ایسی خوبی سے کہ پڑھ کر جی خوش ہو جاتا ہے۔ لکھائی چھپائی بڑی صاف ہے۔ اور تین رنگدار تصویریں ہیں۔ قیمت (۸/)

پھول وتی — ایک لڑکی ہمیشہ سچ بولتی تھی۔ اور کبھی جھوٹ نہ بولتی تھی۔ اس پر بڑی بڑی مصیبتیں آئیں۔ لیکن اس بہادر لڑکی نے پھر بھی حوصلہ نہ ہارا۔ آخر سچ کی فتح ہوئی اور اُس لڑکی کے دن پھرے۔ کس طرح؟ یہ پڑھ کر معلوم ہوگا۔ اخلاق کو بنانے کے لئے ایسی کتاب اُردو میں آج تک نہ چھپی ہوگی۔ چار رنگدار تصویریں ہیں قیمت (۸/)

چندن — پنجاب کے بہترین افسانہ نویس سُدرشن صاحب کی بینظیر کہانیوں کا مجموعہ جس نے قصّہ نویسی کے میدان میں پنجاب کی لاج رکھ لی ہے۔ اِس میں عشقیہ کہانیاں نہیں ہیں۔ بلکہ زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آٹھویں جماعت کے طلبار کے لئے بڑے کام کی چیز ہے۔ قیمت صرف (۱۲/)

بہارستان — یہ کتاب بھی سدرشن صاحب کی کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ ادب کے لحاظ سے سدرشن صاحب کی کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جس کو بہترین کہانیاں پڑھنا ہوں اسے یہ کتاب پڑھنی چاہیئے۔ نویں اور دسویں جماعت کے لئے بہت موزوں ہے قیمت (۱۲/)

محبّت کا انتقام — یہ ایک ناٹک ہے۔ جس نے ہندوستانی ناٹک کی دُنیا میں تھلکہ مچا دیا ہے۔ اس کے ہندی ایڈیشن پر ٹیکسٹ بک کمیٹی پنجاب نے سُدرشن صاحب کو پانچسو روپیہ انعام دیا ہے۔ اس کتاب کی (۱۵۰) ایک سو پچاس جلدیں قیمتاً خرید کر سکولوں میں تقسیم فرمائی ہیں۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کتاب طلبار کیلئے کیسی مفید ہوگی (۱۲/)

قوم پرست — یہ کتاب تاریخی ناٹک ہے۔ جس کا دورِ حاضرہ کی سیاست سے چنداں علاقہ نہیں۔ بچّوں کو صحت بخش حب الوطنی کے سبق دینا ہو۔ تو یہ کتاب بڑے معرکہ کی ہے قیمت صرف ایک روپیہ (عہ/)

کنج عافیت :- ایک مزیدار کہانی۔ نہایت سبق آموز ہر ہندوستانی بچّہ کو پڑھنی چاہیئے۔ قیمت چھ آنے (۶/)

آنریری مجسٹریٹ — نہایت ہی دلچسپ مذاقیہ ناٹک ہے۔ جسے پڑھکر بچّے ہنس ہنسکر لوٹ جائینگے پچاسوں سکولوں میں کھیلا جا چکا ہے۔ بڑے مزے کی کتاب ہے۔ قیمت صرف چار آنے (۴/)

ملنے کا پتہ :- **پنجاب پرنٹنگ ورکس بکڈپو لاہور۔ گنپت روڈ**